

احسان الہی ظہیر کی کتاب انگریزی

کا
تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

تالیف: محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

تقدیم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، سکڑ

رَضَائِدُكَ لَا تُشَاكُّهُ

احسان الہی ظہیر کی کتاب البریلویہ

کا

حقیقتی اور نقیبندی کا

تالیف: محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

تقدیم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، سکڑ

رَضَائًا وَالْإِشْكَاتُ هُوَ

87761

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب — البریلویۃ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ
تالیف — محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی
تقدیم — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ
صفحات — ۴۲۸

طباعت — ۱۵ جمادی الاولیٰ ۲۳ نومبر ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء

مطبع — احمد سجاد آرٹ پریس، موہنی روڈ لاہور

قیمت — ۶۶/۰۰ روپے

ناشر — رضا دارالاشاعت،

۲۵ نشتر روڈ، لاہور

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ ندرن لوہاری دروازہ لاہور

پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۰۰۰

فہرست

باب اول

- ۳۳ حرفِ آغاز
- ۳۴ بریلوی نیا فرقہ؟
- ۳۸ امام احمد رضا اور عالمی جامعات
- ۳۹ البریلویۃ
- ۴۱ عجمی عربیت کی چند مثالیں
- ۵۳ کچھ اس تالیف کے بارے میں
- // ہدیہ سپاس
- ۵۵ عطیہ محمد سالم کے نام
- ۵۷ ظہیر، حافظ عبدالرحمن مدنی کی نظریں
- ۶۳ دورِ زوال یا دورِ کمال؟
- ۶۶ مرزا غلام قادر بیگ
- ۶۷ نادر استدلال
- ۶۹ قائدِ عظم، اقبال اور ضیاء
- ۷۶ علامہ اقبال نجدی علماء کی نظریں
- ۷۷ صدرِ پاکستان
- ۸۰ قرآن پاک جلد دو
- ۸۱ قصیدہ بردہ اور دلائل الخیرات جلد دو
- ۸۱ بخاری شریف جلد دو
- ۸۲ حکومت پاکستان فتوے کی زد میں

۸۳ یہ سب آلِ شیخ کا کیا دھرا ہے
شکر کا ہوا

امام احمد رضا بریلوی

۸۷ مفکرِ اسلام، امام اہل سنت

۸۹ عبدالمصطفیٰ

۹۵ قوتِ حافظہ

۹۷ قوتِ ایمان

۹۸ غیرتِ عشق

۱۰۰ حزم و احتیاط

۱۰۳ عبقریت

۱۰۵ اتباعِ سنت

۱۰۹ معصوم کون؟

۱۱۲ منظرِ صحابہ

۱۱۵ قابلِ رشک بچپن

۱۱۶ نبوت کا دعویٰ کون؟

۱۲۰ بچپن کا ایک واقعہ

۱۲۱ مرزا غلام قادر بیگ کون؟

۱۲۲ ردِ مرزائیت

۱۲۵ علامہ عبدالحق خیرآبادی سے ملاقات

۱۲۸ شاہِ آلِ رسول سے اجازت

۱۲۹ شاہ ابوالحسن احمد نوری سے استفادہ

ردِ شیعہ

- ۱۳۱۱ امام احمد رضا اور شیعہ
- ۱۳۲ تفضیلیہ سے مناظرہ
- ۱۳۵ سنت اختیار کریں
- ۱۳۶ شیعہ کا حکم
- ۱۳۸ شیعہ ہونے کا الزام
- ۱۳۹ حدائق بخشش حصہ سوم
- ۱۴۵ ائمہ اہل سنت اور فضائل اہل بیت
- ۱۶۱ عربی شجرہ طریقت
- ۱۶۷ اہل حدیث کا شیعہ ہونے کا اقرار
- چند دوسرے پہلو
- ۱۷۰ دنیا سے بے نیازی اور سخاوت
- ۱۷۶ اہل مدینہ کے لیے ہدیہ
- ۱۷۷ پان اور حقتہ
- ۱۸۱ ہاتھ اور پاؤں کا چومنا
- ۱۸۳ شاہ علی حسین اشرفی
- ۱۸۴ شدت کا الزام
- ۱۸۸ علمی شکوہ اور قدرت کلام
- ۱۹۲ تفسیر و خطابت
- ۱۹۷ تصانیف
- ۱۹۸ تعداد تصانیف
- ۲۰۱ فتاویٰ رضویہ
- ۲۰۴ اعتراضات

جد الممتار حاشیہ شامی

۲۰۹

حاشیہ فواتح الرحموت

۲۱۰

اسلامی سیاست

تحریک ترک موالات

۲۱۲

اسلامی تشخص تک قربان

۲۱۳

قائد اعظم اور ترک موالات

۲۱۵

علامہ اقبال اور دو قومی نظریہ

۲۱۶

امام احمد رضا بریلوی اور ترک موالات

۲۲۰

گائے کی قربانی

//

اسلامیہ کالج لاہور

۲۲۳

تحریک ہجرت

۲۲۸

جہاد

۲۳۰

تحریک خلافت اور ترک موالات

۲۳۲

دارالاسلام

۲۳۵

بندوں کا تعصب

۲۳۰

گاندھی کی ملاقات سے انکار

۲۳۱

تحریک خلافت

۲۳۲

الائتمہ من قریش

۲۳۵

بریلی کی تاریخی کانفرنس

۲۳۹

جماعت انصار الاسلام

۲۵۳

تحریک شدھی

۲۵۶

فرانسس روبنسن کی بے خبری

۲۵۹

۲۶۵ _____ امام احمد رضا اور انگریز

۲۷۲ _____ بہت دور کی سوجھی

وصال ۲۵۰

۲۷۸ _____ مبالغہ آرائی

۲۸۳ _____ ارباب علم و دانش کے تاثرات

۲۸۵ _____ تواضع زگردن فرازاں نکوست

۲۸۷ _____ تلامذہ اور خلفاء

۲۸۸ _____ تحریک پاکستان

۲۹۰ _____ آل انڈیا سٹی کانفرنس

۲۹۵ _____ مفتی اعظم پاکستان

۲۹۶ _____ آل انڈیا سٹی کانفرنس بنارس

۳۰۲ _____ جمعیتہ العلماء پاکستان

شیشے کے گھر باب دوم

۳۰۳ _____

۳۰۵ _____

اہل حدیث کی ولایت سے نفرت

۳۰۹ _____

انگریزی دور میں نشوونما

انگریزی دور میں اٹھان

۳۱۳ _____

تقلید ائمہ اور اجماع کا انکار

۳۱۵ _____

چھوٹا منہ اور بڑی بات

۳۱۷ _____

غیر مقلدین کی تقلید

۳۲۰ _____

سرقہ قلیلہ

۳۲۲ _____

فتنوں کا سرچشمہ

علماء دیوبند اور اہل حدیث

۳۲۳ _____

غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ

- ۳۲۵ ————— بے ادب اور گستاخ
- رخصتوں کا مجموعہ
- ۳۲۶ ————— غیر معتد ہونا آسان
- ادب و تہذیب سے دُور
- نیت پر بھی شبہ
- ۳۲۷ ————— ابطالِ سنت
- فتنوں کے بانی غیر مقتدین کے لطف سے
- انگریز کی نظرِ کرم
- ۳۲۸ ————— بے ادب اور گستاخ
- تبدیلیِ عنوان
- ۳۲۹ ————— مستند نہ خواہ
- اہل حدیث اور انگریز
- ۳۳۰ ————— کیا یہ تحریک انگریز کے خلاف تھی؟
- گردابِ حیرت
- ۳۳۱ ————— گارڈز کون تھا؟
- ۳۳۲ ————— انوکھا معیارِ تحقیق
- مقصدِ جہاد
- ۳۳۳ ————— سرحدی مسلمانوں سے جہاد
- ۳۳۴ ————— واقعہ بالاکوٹ کے بعد
- ۳۳۵ ————— گورنمنٹ سے روابط
- بدیہ نیاز لارڈ ڈفرن اور ایچی سن کے حضور
- ۳۳۶ ————— ملکہ برطانیہ کے حضور اہل حدیث کا ایڈریس
- ۳۳۷ ————— ملکہ کا خطاب
- ۳۳۸ ————— لارڈ ڈفرن کے حضور
- ۳۳۹ ————— سپاسنامے کے شرکاء

- ایچی سن کے حضور
- ۳۷۰ دربارِ دہلی میں ارمنغانِ عقیدت
- ۳۷۱ الاقتصاد فی مسائل الجہاد
- ۳۷۲ ہندوستان دارالاسلام سے
- جہاد کہیں بھی نہیں ہو سکتا
- ۳۷۶ ۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی
- ۳۷۷ جہاد حرام
- ۳۷۸ سٹیفکیٹ
- فتارِ زمانہ سے واقف
- ۳۷۹ خوفناک انگریزی مظالم
- مادرِ مہربان
- ۳۸۰ ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی
- ہم ڈنکے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے
- ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعثِ فخر
- ۳۸۱ ۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے
- برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے
- مسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا
- ۳۸۲ انعامِ وفا
- ۳۸۳ میاں نذیر حسین دہلوی
- پہلا دور
- ۳۸۶ دوسرا دور
- ۳۸۹ انعام یافتہ وقادار
- ۳۹۰ حالتِ جنگ میں درس جاری رہا
- ۳۹۱ جہاد باعثِ بلاکت و معسیت
- ۳۹۳ انگریزی میم کی حفاظت

۳۹۵	_____	سٹریٹنگیٹ
۳۹۹	_____	سفر حج اور شہزادہ کی چٹھی
۴۰۰	_____	ہندوستان دارالامان
//	_____	گورنمنٹ، خدا کی رحمت
۴۰۲	_____	نواب صدیق حسن خاں بھوپالی
۴۰۵	_____	جہاد کا عزم گناہ کبیرہ
۴۰۶	_____	۱۵۷ء کے مجاہدین مرتکب کبیرہ
۴۰۷	_____	جہاد نہیں فساد تھا
۴۰۸	_____	ملکہ بھوپال کے اعزازات
۴۱۲	_____	وفیات
//	_____	بکالی
۴۱۳	_____	تسائیف
//	_____	دعوائے مجددیت
۴۱۴	_____	ڈپٹی نذیر احمد دہلوی
//	_____	ترجمہ فتوے
۴۱۵	_____	انگریزوں کی سلطنت کے اہل ہیں
۴۱۷	_____	انعام
۴۱۹	_____	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
//	_____	اہل حدیث کا نفرنس کا ایک مقصد حکومت و فاداری
//	_____	مولوی ثناء اللہ امرتسری
۴۲۰	_____	تفسیر یا تحریف؟
۴۲۳	_____	مرزائیوں کے پیچھے نماز جانتے
۴۲۴	_____	حکومت برطانیہ سے وفاداری پر اصرار
//	_____	اہلی پیشانیاں
۴۲۵	_____	برٹش گورنمنٹ کے خطاب یافتگان

گفتنی و ناگفتنی

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین

جب پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، تاریکیاں پھیل رہی تھیں، دل ڈوب رہے تھے، حوصلے پست ہو رہے تھے، کہ رحمت باری جوش میں آئی اور ایک آفتاب طلوع ہوا، جس نے فضاؤں کو منور کر دیا، ڈوبتے دلوں کو سہارا دیا، پست حوصلوں کو بلند کیا..... تاریک فضاؤں میں طلوع ہونے والا یہ آفتاب کون تھا..... وہی امام احمد رضا عرب و عجم نے جس کی عظمت و جلالت کی گواہی یہی، جس نے اپنے نام و ناموس کو دین اسلام اور شارع علیہ السلام کی آن پر قربان کر دیا..... دشمنان اسلام کو اس کی یہ وارفتگی و شیفٹگی اور جاں باختگی پسند نہ آئی، اس کے خلاف سازشیں کی گئیں، اس کے خلاف کئی محاذ قائم کئے گئے اور ہر محاذ پر اس کی کردار کشی کی گئی، دلوں سے اس کی یاد کو مٹایا گیا، ذہنوں سے اس کے نقوش عظمت کو کھرچ دیا گیا..... وہ جو فضاؤں پر چھایا ہوا تھا، دانش گاہوں میں اس کا نام لینا جرم ٹھہرا، علمی مجلسوں میں اس کی بات کرنی مشکل ہو گئی..... جو نشان علم و فضل تھا سازشوں سے اس کو بے نشان کر دیا گیا..... نصف صدی گزر گئی..... اچانک خزاں رسیدہ گلشن میں پھر بہار آئی، ٹہنیاں جھولنے لگیں، پھول کھلنے لگے، بلبل چمکنے لگے..... اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے شہر لاہور کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ آج سے تقریباً ۲۴ سال پہلے یہاں ”مرکزی مجلس رضا“ کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا، خلوص و للہیت سے قائم کیا تھا، ہر سطح پر مخلصین نے تعاون کیا اور اس ادارے نے امام احمد رضا کے حالات و افکار پر لاکھوں کی تعداد

میں لٹریچر چھاپ کر پھیلا یا ، نہ صرف پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں پھر گیارہ برس ہوئے کراچی میں ” ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ” قائم ہوا اور اس نے اپنا لٹریچر پاک و ہند اور دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلا یا پھر ” رضا اکیڈمی لاہور نے پانچ برس ہوئے بڑی سرعت سے کام کیا اور اہل دانش سے خراج تحسین وصول کیا اب ” مرکزی مجلس رضا ” نے بھی طویل خاموشی کے بعد پھر کام شروع کیا ہے رضا اکیڈمی (یو۔ کے) رضا اکیڈمی (بھبھی) ، سنی رضوی سوسائٹی (جنوبی افریقہ) ، رضا انٹرنیشنل اکیڈمی (صادق آباد) ، الجمع الاسلامی (مبارک پور) غرض پاک و ہند اور بیرون ملک بیسیوں ادارے ہیں جو امام احمد رضا کے حالات و افکار پر مسلسل لٹریچر شائع کر رہے ہیں ، سنی دارالاشاعت مبارکپور نے فتاویٰ رضویہ کی پانچ جلدیں شائع کیں الحمد للہ ان اداروں کی علمی مساعی کے نتائج سامنے آئے ، محققین کی بات سنی گئی ، یونیورسٹیوں اور پبلک سروس کمیشن کے امتحانی پرچوں میں امام احمد رضا پر سوالات آنے لگے ، جامعات میں ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے تحقیقی مقالات لکھے جانے لگے اور ڈگریاں ملنے لگیں چنانچہ اس وقت چار براعظموں کی یونیورسٹیوں میں چھ اسکالر تحقیقی مقالات لکھ کر ایم۔ فل یا پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں ، گیارہ اسکالر اس وقت تحقیق میں مصروف ہیں اور کچھ رجسٹریشن کے لیے کوشاں ہیں ۔

الغرض معاندین کے الفاظ میں جس کو زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا وہ پھر زندہ ہو گیا خوب کہا ہے اور خود کہا ہے ۔

بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا۔

بے شک عاشق مرا نہیں کرتے وہ شہید ہو کر بھی زندہ رہتے ہیں بلکہ ان کی موت زندہ انسانوں کے لیے باعث رشک ہو جاتی ہے ۔

قسمت نگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت

مرگے کہ زندگان بدعا آرزو کنند !

عرض یہ کر رہا تھا کہ دفن کرنے والے دفن کر چکے تھے جدید علمی حلقوں اور دانش گاہوں میں اس کا نام لینا جرم ٹھہرا لیکن پھر وہی علمی حلقے، پھر وہی دانش کدے اس کے ذکر و اذکار سے گونجنے لگے ستر برس بعد پھر ایک مہم چلائی گئی۔

۱۹۷۰ء میں راقم نے ترک موالات سے متعلق امام احمد رضا کے محققانہ رسالے المحجۃ المومنین فی ایتہ الممتحنہ کی روشنی میں ایک مقالہ قلم بند کیا جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا، اس مقالے میں تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے ضامن سید احمد بریلوی کا ذکر آگیا جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ سید صاحب کی جدوجہد سے اور تو کچھ ہوا یا نہیں انگریزوں کو ضرور فائدہ پہنچا۔ یہ تاثر اس عام تاثر کے خلاف تھا جو بعض محققین و مورخین نے غلط بیانیوں کے ذریعہ برسوں کی محنت کے بعد قائم کیا تھا بہر حال راقم کے مقالے فاضل بریلوی اور ترک موالات کا شائع ہونا تھا کہ غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ تسلیم شدہ حقائق تاریخی عکسوت کی طرح بکھرنے لگے ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ! ” میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرو “ دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبہ تاریخ بھی ناراض ہو گئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کر دی، راقم نے عرض کیا ” تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے آپ میری بات غلط ثابت کر دیں میں اپنی بات کٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا کوئی لڑائی جھگڑا نہیں یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے جو بات ثابت ہوگی وہی لکھی جائے گی “ پھر خدا کی شان مولوی حسین احمد دیوبندی کی کتاب

”الاشباب الثاقب“ میں یہ بات مل گئی کہ جب سید صاحب صوبہ سرحد میں اپنی کاروائیوں میں مصروف تھے تو انگریز اسلحہ سے ان کی مدد کر رہے تھے چنانچہ مقالے کے دوسرے ایڈیشن میں یہ حوالہ پیش کر دیا گیا کہ بر معتز ضامن خاموش ہو گئے تاریخ میں غلط بیانی یا دھونس سے کسی بات کو ثابت کرنے کی گنجائش نہیں آئین

یونیورسٹی 'ہالینڈ کے کہنہ سال مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس بلیان نے راقم کے اس موقف کی تائید کی کہ سید صاحب نے انگریزوں کے خلاف کوئی جدوجہد نہیں کی..... حقائق و شواہد کی روشنی میں ہر محقق اسی نتیجے پر پہنچے گا..... تو عرض یہ کر رہا تھا کہ راقم کا مقالہ فاضل بریلوی اور ترک موالات شائع ہوا تو امام احمد رضا کے مخالفین نے اس پر اپنے رد عمل کا اظہار کیا

پھر جب راقم کی کتاب "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب و عجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری نے اپنے رسالے فاران (کراچی) میں ایک طویل مضمون لکھ کر امام احمد رضا کے مخالفین و معاندین کو خبردار کیا کہ اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لیے تو پھر ان کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا..... یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی 'علی گڑھ بھیجی گئی' تو وہاں شعبہ سنی دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسروں کو دکھائی انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے..... بین پچیس پروفیسروں نے یہ بات کہی..... پھر کیا ہوا یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی میز پر رکھی ہوئی تھی وہ کسی کام سے کمرے کے باہر گئے امام احمد رضا کے کسی مخالف نے پار کر لی 'واپس آئے تو کتاب میز پر نہ تھی..... یہ بات مرحوم نے خود راقم کو بتائی..... اس قسم کی اوچھی حرکتوں سے حق اور سچائی کو چھپایا نہیں جا سکتا..... اس کی قسمت میں بلند ہونا ہے وہ بلند ہو کر رہتی ہے۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ امام احمد رضا کی بات پھیلتی چلی گئی..... معاندین اس سیلاب کے آگے پاڑھ باندھتے رہے..... امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن کنزالایمان "جب لاکھوں کی تعداد میں مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا تو بڑی تشویش ہوئی، کوشش کی گئی الزام تراشیوں کا سہارا لے کر کم از کم عرب ملکوں میں اس پر پابندی لگوا دی جائے اور بالآخر پابندی لگا دی گئی..... جب کہ ایسے مترجمین کے ترجموں پر پابندی نہ لگی جو قرآن کی اداؤں کے رازدار نہیں، جو ترجمے کے مزاج سے

واقف نہیں..... ۱۹۹۱ء کی بات ہے فقیر جب حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کر کے جدہ ایئرپورٹ سے کراچی روانہ ہو رہا تھا تو وہاں حکومت کی طرف سے تمام پاکستانی حاجیوں کو قرآن کریم کا تحفہ دیا گیا، جو احتیاط سے رکھ لیا گیا، بعد میں جو کھول کر دیکھا تو یہ قرآن مترجم تھا، مولوی محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے تفسیری حواشی..... جس کے متعلق عالم اسلام کے جانے پہچانے عالم مولوی ابوالحسن علی ندوی نے یہ تصدیق کی ہے: اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ و تفسیر ہے اس کی طباعت و اشاعت ہونی چاہئے ۲

یہ قرآن حکیم شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ میں چھپا اور وزارت اوقاف سعودی عرب نے اس کو شائع کیا..... اس ترجمے میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گنہگار بتایا گیا ہے ۳ اور بھٹکتا دکھایا گیا ہے ۴ ایسے ترجمہ کو ”اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا گیا“..... اور وہ ترجمہ جس میں عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھا گیا اور اس پر حرف آنے نہ دیا اس کو اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ سعودی عرب میں اس کی اشاعت بھی ہو وہاں چھپنا تو دور کی بات ہے۔

بریں عقل و دانش بیاہد گریست!

پھر یہی نہیں کہ ”کنز الایمان“ پر پابندی لگوائی گئی بلکہ اس ترجمہ کے خلاف ایک فاضل کو لالچ دے کر کتاب لکھوائی گئی، پھر اس کو شائع کیا گیا، اس کتاب سے اور تو کچھ نہ ہوا مصنف کا نام بدنام ضرور ہوا اور ہاتھ کچھ نہ آیا..... یہ ایک راز ہے جو راز ہی رہے تو بہتر ہے، راقم کا مقصد کسی کو بدنام کرنا نہیں بلکہ حقائق سے پردہ اٹھانا ہے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ جب دور و نزدیک امام احمد رضا کا چرچا ہونے لگا تو ان کے مخالفین کو یہ بات اچھی نہ لگی اور انہوں نے ان کی کردار کشی کے مختلف حربے استعمال کئے..... چند حربوں کا ذکر تو اوپر آچکا ہے ایک حربہ اور استعمال کیا گیا، وہ یہ کہ احسان اللہ ظہیر نامی ایک صاحب سے البریلویہ کے نام سے کتاب لکھوائی گئی

یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ انہوں نے لکھی ہے یا ان سے منسوب کی گئی ہے کیونکہ منسوب کرنے کے یہ حضرات عادی ہیں، بعض کتابوں اور عبارتوں کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے منسوب کیا گیا، یہ ایک طویل داستان ہے۔ ۵۵۔ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ البریلویہ کے نام سے عربی میں ایک کتاب لکھوائی، جس کو ”جھوٹ کا پلندہ“ کہا جائے تو بجا ہے اس میں امام احمد رضا کی جی بھر کے کردار کشی کی گئی ہے..... جس زمانے میں یہ شائع ہوئی اسی زمانے میں راقم سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے اسلام آباد گیا وہاں اسمبلی ہال میں محترم جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری صاحب سے ملاقات ہو گئی، وہ اپنے ساتھ دولت کدے پر لے گئے وہاں اس کتاب کا ذکر نکل آیا..... مفتی صاحب سے جب یہ کتاب طلب کی تو انہوں نے لا کر دکھائی..... اس کی تقدیم شیخ عطیہ سالم نے لکھی ہے، جس میں انہوں نے البریلویہ کے سارے مندرجات کے تصدیق کی ہے، ان میں بعض الزامات چونکا دینے والے تھے، تفصیل آگے آتی ہے..... کتاب کو ذرا آگے سے دیکھا تو ایک جگہ لکھا تھا کہ امام احمد رضا سخت غصے والے اور زبان دراز تھے اور حوالے میں راقم کی کتاب ”فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں“ کا نام ہی نہیں بلکہ صفحہ بھی تھا، پڑھ کر حیران رہ گیا۔

چہ دلاور است وز دے کہ بکف چراغ دارو

بہر حال گمراہ کن حوالے سے اتنا اندازہ ہو گیا کہ باقی مندرجات کا کیا حال ہو گا؟ ابھی کی بات ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات و افکار کا مستند ترین مجموعہ القول الجلی فی ذکر آثار الولی (مصنفہ محمد عاشق پھلتی، مطبوعہ دہلی ۱۹۸۹ء) سامنے آیا، معلوم ہوا کہ اس کو برسوں تک اس لیے دبایا گیا کہ اس سے امام احمد رضا کے مسلک کی تائید ہوتی تھی اور بعض ایسی کتابوں کی تغلیط ہوتی تھی جو شاہ صاحب کے نام سے گھڑی گئی تھیں..... مگر جیسا کہ راقم نے پہلے عرض کیا کہ حق تو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے اور باطل کی قسمت میں مٹتا ہے، وہ مٹ کر ہی رہتا ہے، تو یہ کتاب ظاہر ہو گئی علمی خیانتوں اور الزام تراشیوں کا یہ سلسلہ نہ معلوم لب سے جاری ہے، اس کے مقاصد اہل علم و دانش سے پوشیدہ نہیں

ہاں تو جب البریلویہ پر نظر ڈالی تو امام احمد رضا کے متعلق یہ انکشافات سامنے آئے کہ امام احمد رضا کا رشتہ فکر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی سے ملتا ہے تو دوسری طرف شیعہ حضرات سے، گویا اہلسنت سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں، یا ہے تو برائے نام راقم کے لیے یہ دریافت بالکل نئی تھی کیونکہ پندرہ سال امام احمد رضا پر ریسرچ کرنے کے باوجود یہ پہلو سامنے نہ آیا تھا، بلکہ راقم کے علم میں تو یہ تھا کہ امام احمد رضا نے قادیانیوں اور شیعوں کے خلاف رسالے لکھے تھے چنانچہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید تقدیم نگار شیخ عطیہ سالم نے غلط فہمی کی بنا پر البریلویہ کے گمراہ کن مندرجات کی تصدیق کر دی ہے، دلائل و شواہد کے ساتھ ان کو خط لکھا گیا، مگر انہوں نے راقم کے خط کا جواب نہیں دیا، جس سے اندازہ ہوا کہ یا تو اس نام کا کوئی عالم نہیں اور اگر ہے تو وہ اس سازش میں شریک ہے بہر حال البریلویہ کے الزامات ایسے ہیں کہ نہ اٹھائے جائیں نہ رکھے جائیں جب البریلویہ کی حقیقت حکومت پاکستان کے علم میں آئی اور اس کے خلاف اہلسنت نے احتجاج کیا تو اس پر پابندی لگا دی گئی برسوں سے اس پر پابندی لگی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے طلبہ کی ذہنی تطہیر کے لیے ان کو البریلویہ دکھائی جاتی ہے، ممکن ہے کہ تقسیم بھی کی جاتی ہو اس یونیورسٹی میں امام احمد رضا کی بات نہیں سنی جاتی تھی، ۱۹۹۱ء میں غالباً پہلی بار امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس (منعقدہ کراچی، لاہور، اسلام آباد) کے مندوبین کو ایک سیمینار میں دعوت دی گئی اور انہوں نے مسلک اہلسنت اور امام احمد رضا کے افکار و خیالات پر اظہار خیال کیا راقم کے نزدیک اشخاص ہوں یا ان کے افکار اگر علمی دیانت کے ساتھ ان کو زیر بحث لایا جائے تو کوئی حرج نہیں کردار کشی کو راقم بدترین گناہ تصور کرتا ہے۔

ہاں تو ذکر تھا احسان الہی ظہیر کی کتاب البریلویہ کا جس میں امام احمد رضا کی کردار کشی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی گئی عربی میں ایک مقولہ ہے سچ خود بلند ہوتا ہے، بلند نہیں کیا جاتا الحمد للہ اہلسنت حق پر ہیں ان کو جھوٹ اور افترا

پردازوں کے سہارے کی ضرورت نہیں جب کہ جانب دیگر اس کی بہت ہی ضرورت ہے..... یہ جھوٹ غیروں کی کردار کشی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اپنوں کی کردار سازی کے لیے بھی..... یاد آیا ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم (صدر شعبہ سنی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے مولوی محمد انور شاہ کشمیری پر علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کیا تھا اور علمائے دیوبند پر قاہرہ کی ازہر یونیورسٹی سے ڈی لٹ اس میں مولوی حسین احمد کا بھی ذکر کیا تھا..... کئی برس پہلے موصوف کھٹھہ (سندھ) میں غریب خانے پر تشریف لائے، راقم کے کتب خانے میں مولوی حسین احمد دیوبندی کی الشا الثاقب نظر سے گزری تو حیران رہ گئے اور فرمایا ”یہ تو مجھے دکھائی ہی نہیں گئی، اگر مجھے پہلے علم ہوتا کہ اس شخص نے اعلیٰ حضرت کے لیے ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں تو اپنے مقالے میں ہرگز اس کا ذکر نہ کرتا“..... وہ اپنے ساتھ اپنا مقالہ ڈاکٹریٹ بھی لائے تھے جس میں مولوی محمد انور شاہ کشمیری کی تعریف و توصیف میں بلا دلیل بہت سی باتیں کہی گئی تھیں..... راقم نے عرض کیا آپ نے مولوی انور شاہ کشمیری پر مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی علیہ الرحمۃ کے تعاقبات بھی ملاحظہ فرمائے؟ فرمایا نہیں..... پھر راقم کو مقالہ کی مطبوعہ جلد دیتے ہوئے فرمایا ”یہ ایک نسخہ میرے پاس تھا، آپ کو دیتا ہوں آپ اس پر بھرپور مقدمہ لکھیں، مخالف و موافق جو کچھ لکھیں آپ کو اجازت ہے، خوب دل کھول کر لکھیں“..... سو ابھی تک مقدمہ لکھنے کی توفیق نہ ملی

یہ باتیں تو بہت ہیں کہاں تک بیان کی جائیں، اب راقم پھر البریلویہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے..... ۱۳ ستمبر ۱۹۹۱ء کو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اور رضا اکیڈمی لاہور کے تعاون سے لاہور میں اعلیٰ پیمانے پر پہلی مرتبہ بین الاقوامی امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت وزیراعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کے بھائی اور قومی اسمبلی کے ممبر جناب شہباز شریف نے کی۔ یہ خاندان مسلک اہلسنت کا اداہ ہے اور اپنے مسلک کے اظہار میں جھجک بھی محسوس نہیں کرتا..... اپنے سدارتی خطبے میں موصوف نے یہ فرمایا کہ

” امام احمد رضا کی ذات کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین ذریعہ ان کی ذات پر لگائے گئے الزامات کا جواب دینا ہے ” البریلویہ “ نامی کتاب جو علامہ احسان الہی ظہیر کی تالیف ہے اس کا جواب دیا جانا چاہئے اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا میں اس کو ایوارڈ دوں گا “ ۷۶

اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے کوئی چراغ پا ہو..... مگر نہ معلوم کیوں بعض حضرات کو یہ بات بہت ہی گراں معلوم ہوئی اور انہوں نے بھرپور احتجاج کیا، شاید اس لیے جو جھوٹ بولا گیا تھا اس پر پروہ پڑا رہے تو اچھا ہے، بہر حال جناب شہباز شریف کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اہلسنت کے ممتاز قلمکار اور عالم دین حضرت ملامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) نے لبریلویہ کی الزام تراشیوں اور افتراء پردازیوں کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ کتاب مرتب کی، امید ہے کہ حق پسند حلقوں میں یہ کتاب پسند کی جائے گی اور جن حضرات نے البریلویہ کی روشنی میں امام احمد رضا کا امیج قائم کیا ہے وہ اصلاح فرمائیں گے۔ حضرت علامہ موصوف اہلسنت کے جید عالم اور محقق ہیں۔ البریلویہ اس لائق نہ تھی کہ وہ اس کی طرف توجہ فرماتے لیکن چونکہ اس کتاب نے دانشوروں کو اندرون ملک و بیرون ملک سخت غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے اس لیے اس کا تدارک ضروری تھا تا کہ اصل حقائق سامنے آئیں اور بے بنیاد غلط فہمیاں دور ہوں۔ حضرت علامہ کا اہلسنت پر احسان ہے کہ آپ نے مسلک اہلسنت کی حفاظت اور امام احمد رضا کے فکار و خیالات کی حمایت میں بیسیوں کتب و رسائل اور مقالات تحریر فرمائے، مولیٰ تعالیٰ آپ کو قائم و دائم رکھے تاکہ حق کا بول بالا ہوتا رہے..... بریلویہ کتاب خود ان کی ماہرانہ تحقیق اور علم و فضل پر شاہد عادل ہے..... اس کے باوجود کہ البریلویہ کا انداز معاندانہ و مجاولانہ ہے حضرت علامہ نے بڑے محققانہ انداز سے جوابات دیئے ہیں اور سنجیدگی و وقار کو بہر حال قائم رکھا اور دلائل کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے قاری

کو گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی جو بات کہی وہ دلیل و ثبوت کے ساتھ کہی ہے یہی اس کتاب کا امتیاز ہے ضرورت ہے کہ اس کتاب کا خلاصہ عربی زبان میں بھی شائع ہو تاکہ جو عرب البریلویہ کے مطالعہ سے امام احمد رضا کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کی بدگمانیاں بھی دور ہوں ویسے حضرت علامہ موصوف نے ریاض سعودی عرب سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں امام احمد رضا کے بارے میں البریلویہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے عربی لٹریچر ارسال فرمایا جس پر ادارہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے آئندہ ضروری اصلاح کا وعدہ کیا اسی طرح بیروت سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں امام احمد رضا کے بارے میں گمراہ کن ریمارکس پڑھ کر راقم نے پبلشر کو متوجہ کیا تو انہوں نے بھی آئندہ ایڈیشن میں ضروری تصحیح کا وعدہ کیا اور گزارشات کو قبول کیا

البریلویہ میں امام احمد رضا پر جو فرد جرم عائد کی گئی ہے وہ بات غلط ہے اور اس کا محققانہ اور نسبی منش بنو اب اس کتاب میں موجود ہے۔ یہاں مختصراً ذکر کروں گا جو سفید جھوٹ کے زمرے میں آتے ہیں اندازہ ہو گا البریلویہ کے مصنف نے کس دیدہ دلیری سے جھوٹ بونا۔ چہ دلاور است دزدے کہ بگفت پزاش دارو؟

(۱) امام احمد رضا پر ایک الزام یہ ہے کہ وہ "بریلوی" فریق کے بانی ہیں اگر تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "بریلوی" کوئی فریق نہیں بلکہ سواد اعظم اہلسنت کے مسلک قدیم کو عرف عام میں "بریلویت" سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ عرف بھی پاک و ہند میں محدود ہے۔ اصل میں امام احمد رضا اور ان مسلک قدیم کے مخالفین نے اس کو "بریلویت" کے نام سے یاد لیا ہے اور بقول ابو یحییٰ امام خان نوشہروی "یہ نام علماء دیوبند کا دیا ہوا ہے پروفیسر ڈاکٹر جمال الدین (جامعہ ملیہ دہلی) نے بھی اپنے ایک تحقیقی مقالے میں یہی تحریر فرمایا ہے کہ یہ نام مخالفین کا دیا ہوا ہے حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا خان بریلوی نے پوری قوت کے ساتھ سواد اعظم اہلسنت کے اس عالمی مسلک کی حفاظت اور مدافعت

فرمائی اور اس کو دشمنوں کے ہاتھوں برباد ہونے نہیں دیا۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت، سلطنت عثمانیہ جو دنیا کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی، دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی، سوادا عظیم اہلسنت کے اسی مسلک کی علم بردار تھی جس کی تائید و حمایت امام احمد رضا ساری عمر کرتے رہے..... دشمنان اسلام عرصہ دراز سے اس حکومت اور اس کے مسلک کے ورپے تھے تاآن کہ انہوں نے اس حکومت کو پارہ پارہ کیا اور اس کے مسلک کو بھی ریزہ ریزہ کرنا چاہا کیونکہ اس میں زندگی و حرارت تھی۔ کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ کی فاضلہ خاتون ڈاکٹر اوشا سانیاں نے اپنے مقالہ اکٹھیٹ میں بھی اس مفروضہ کو غلط قرار دیا ہے کہ ”بریلوی“ کوئی فرقہ ہے۔ ان کا موقف بھی یہی ہے کہ یہ وہی عالمی مسلک ہے جس کو سوادا عظیم اہلسنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے..... مطالعہ و تحقیق سے پہلے موصوفہ یہی سمجھتی تھیں کہ ”بریلوی“ کوئی فرقہ ہے جب ان کو بتایا گیا اور انہوں نے خود مطالعہ کیا تو ان پر حقیقت عیاں ہو گئی..... علامہ شرف صاحب نے اس الزام کا خوب رد فرمایا ہے۔

(۲) امام احمد رضا پر دوسرا الزام یہ تھا کہ ان کے عقائد مشرکانہ تھے اور انہوں نے مشرکانہ اعمال و عقائد کی تشہیر میں اہم کردار ادا کیا..... یہ سب کو معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عاشق رسول تھے اس میں کسی کو شک نہیں..... تو جو عاشق رسول ہے نہ مشرک ہو سکتا ہے اور نہ شرک و بدعت کی تعلیم دے سکتا ہے ہاں ابلیس کا عاشق یہ کام ضرور کر سکتا ہے..... اصل میں اختلاف ہے تو اظہار عشق میں..... ایک عالم نے ان سے عرض کیا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حد سے بڑھا دیتے ہیں تو امام احمد رضا نے بڑی خاموشی سے ان کے سامنے کاغذ و قلم رکھتے ہوئے فرمایا ”آپ حد مقرر فرما دیجئے“..... وہ عالم امام احمد رضا کا منہ تکتے رہ گئے..... کس کی مجال کہ حد مقرر کرے؟ جب کہ ان کا مولیٰ خود ان پر رحمت بھیج رہا ہے ہم کو تعریف و تعظیم اور درود و سلام کا حکم دے رہا ہے اور سورہ توبہ میں محبت و عشق کا تعظیم معیار بتا رہا ہے..... ہاں مولیٰ تعالیٰ کے سوا کوئی حد مقرر نہیں کر سکتا مگر وہ

تو بے حد درود و سلام بھیجنے کا حکم فرما رہا ہے بات یہ ہے کہ جس نے عشق ہی نہ کیا ہو اس کو عشق عجیب لگتا ہے عاشق کی ایک ایک بات عجیب سی لگتی ہے شرک و بدعت سی لگتی ہے یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے، یہ اس کی عقل کا فتور ہے ایسے انسان کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے، پتھر کبھی ریزہ ریزہ بھی ہو جاتا ہے کبھی اس میں سے چشٹے پھوٹ نکلتے ہیں مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہوتا؟ ایک صاحب نے سوال کیا لوگ روتے کیوں ہیں اللہ اکبر! ان کی آنکھوں میں آنسو اتنے خشک ہو گئے ہیں کہ ان کو رونے پر تعجب ہو رہا ہے۔

عاشق نہ شدی و محنت الفت نہ کشیدی

کس 87761 پیش تو غم نامہ ہجران چہ کشاید؟

ان کے حضور ادب و تعظیم کی بات الگ رہی، اگر عبادات پر نظر ڈالیں تو ایک ایک ادا میں ان کے جلوے جھلکتے نظر آئیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان کی نشانیوں کو اپنی نشانیاں بنا دیا اللہ اکبر! کیا آپ نے کبھی اس حقیقت پر غور فرمایا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم کو بیت اللہ میں رکھوایا گیا، یہی نہیں بلکہ یہ حکم دیا گیا کہ جب سات پھیرے مکمل کر لو تو اس کے سامنے دوکانہ اڑا کرو اور سر بسجود ہو بے شک اگر یہ بات قرآن پاک میں نہ ہوتی تو کھلا شرک قرار دی جاتی پھر صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام دوڑی تھیں اور چلی تھیں فرمایا صفا و مروہ ہاجرہ علیہا السلام کی نشانی نہیں، یہ تو ہماری نشانیاں ہیں۔ اس کا بھی چکر لگایا کرنے سارا عالم چکر لگاتا ہے اور ہر چکر میں ایک نظر دیوار کعبہ کو دیکھتا ہے جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کی تھی اور تعمیر کرتے کرتے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کے لیے دعا کی تھی یہ سب انہیں کے جلوے ہیں یہ سب انہیں کی رونقیں ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کون تھے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کون تھے؟ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کون تھیں؟ یہ سب

نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین تھے تو پھر سب ان کی رونقیں نہیں
تو کس کی رونقیں ہیں؟ بے شک ۔

زمین و زماں تمہارے لیے جنین و چناں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لیے

بے شک وہ معبود نہیں، مسجود نہیں مطلوب و محبوب تو ہیں ۔
یہ داستان عشق تو اتنی لذیذ ہے کہ عمر ختم ہو جائے مگر یہاں عشق و محبت ختم
نہ ہو امام احمد رضا نے اس عشق جہاں تاب کا راگ الاپا اور تاریکیوں میں
اجالا کرتے ہوئے ہمارے لیے اپنا یہ پیغام چھوڑ گئے

دنیا! ترے قرطاس پہ کیا چھوڑ گئے ہم
اک حسن یہاں، حسن ادا چھوڑ گئے ہم
ماحول کی ظلمات میں جس راہ سے گزرے
قتیل محبت کی ضیاء چھوڑ گئے ہم

(۳) امام احمد رضا پر تیسرا الزام یہ تھا کہ وہ جاہل تھے ظاہر ہے کہ جاہل ہی
نئے فرقے نکال سکتا ہے اور وہی شرک و بدعت پھیلا سکتا ہے اس لیے یہ الزام لگانا
ضروری ہوا۔ مگر یہ ایسا مضحکہ خیز الزام ہے جس نے مخالف کی جہالت اور عداوت کو
آشکار کر دیا ہے امام احمد رضا کے علم و فضل کی کیا بات! ہر مکتب
فکر اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق دانشور، قلمکار ان کے علم و فضل کے معترف ہیں،
عرب و عجم کے علماء و فضلاء ان کے علم و فضل کے معترف ہیں ۔ اس
قسم کے تاثرات پر مشتمل اب تک پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور امام احمد رضا کا علم و
فضل ایک طے شدہ حقیقت بن چکا ہے، تفسیر و حدیث اور فقہ میں تو ان کا جواب نہ
تھا جدید تحقیق کے مطابق ۷۵ علوم و فنون پر ان کی ایک ہزار سے زیادہ
تصانیف اردو، فارسی اور عربی میں موجود ہیں عربی ادب و لغت پر ان کی

مہارت کا یہ عالم تھا کہ پاک و ہند کے مشہور اہل حدیث عالم علامہ عبدالعزیز میمن (م - ۱۹۷۸ء) جن کو بقول شاکر الفحام عربی ادب اور لغت پر بے پناہ دسترس حاصل تھی (المعارف لاہور شمارہ ۹ ص ۵۳) جو پچاس برس تک المجمع العربی دمشق کے مستقل ممبر اور مقالہ نگار رہے..... اس فاضل جلیل کے اساتذہ میں شیخ محمد طیب مکی (پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور) بھی تھے۔ موصوف سے امام احمد رضا کی عربی زبان میں مراسلت ہوئی اور امام احمد رضا نے ان کے خطوط میں جو نحوی اور لغوی غلطیوں کی نشاندہی کی تو وہ زچ ہو کر رہ گئے۔ یہ مراسلت ایک رسالے کی شکل میں رسائل رضویہ، جلد اول، مطبوعہ لاہور (مرتبہ علامہ محمد عبدالکحیم اختر شاہجہان پوری) میں موجود ہے جس کو حق کی تلاش ہو مطالعہ کر سکتا ہے..... اردو اور عربی ادب میں بے مثال مہارت اور مختلف علوم و فنون پر ان کی دسترس نے ان سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ کرایا جس کی مثال نہیں..... ابھی کی بات ہے چکوال کے ڈپٹی کمشنر اکثر لیاقت علی خان نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے قرآن / سائنس اور امام احمد رضا بریلوی..... یہ مقالہ چکوال سے شائع ہوا ہے اس مقالے میں موصوف امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں..... ”جنہوں نے قرآن حکیم کے سائنسی علوم پر کھل کر بحث کی ہے، آپ نے ثابت کر دیا کہ قرآن حکیم میں ہر موضوع موجود ہے“ ۷۸

(۴) امام احمد رضا پر چوتھا الزام یہ تھا کہ وہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے غالباً یہ الزام تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) اور تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کی مخالفت کی وجہ سے لگا جو انگریزوں کے خلاف چلائی گئی تھی..... اصل میں یہ تحریکیں ہندوستانی سیاسی لیڈروں سے انگریزوں کی بدعہدی کا رد عمل تھا..... دوسری جنگ عظیم جس میں انگریز، ترکوں کے خلاف لڑ رہے تھے برطانوی حکومت کو ہندوستانی فوجیوں کی ضرورت پڑی، انہوں نے سیاسی لیڈروں سے وعدہ کیا کہ اگر ہم جیت گئے تو ہندوستانیوں کو محدود قسم کی آزادی دے دیں گے..... چنانچہ مسٹر گاندھی اور مولانا محمد علی نے فوجی بھرتی میں اپنی انتھک کوشش کی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھرتی کرایا

ان مسلمان فوجیوں نے جا کر اپنے ترک بھائیوں کا خون بہایا جب برطانوی حکومت جنگ جیت گئی تو وعدے سے پھر گئی اس لیے اس کو مزہ چکھانے کے لیے تحریک خلافت اور پھر تحریک ترک موالات چلائی گئی کل جو لیڈر ترکوں کے خلاف لڑنے کے لیے فوجی بھرتی کرا رہے تھے آج وہی لیڈر ترکوں کی حفاظت و حمایت کا دم بھر رہے تھے سیاست میں عقل کو دخل نہیں جذبات بھڑکا کر عقل اندھی کر دی جاتی ہے مگر امام احمد رضا کی عقل بیدار تھی ' ان سے سیاسی بازی گروں کا یہ خون آشام تماشا دیکھنا نہ گیا اور انہوں نے ان کے رازوں کو طشت ازبام کرنا شروع کیا - اس کی سزا یہ ملی کہ ان پر انگریزوں سے دوستی اور انگریزوں کی حمایت کا الزام لگایا گیا جو قطعی بے بنیاد الزام ہے راقم نے اپنے مقالے "گناہ بے گناہی" میں تحقیق کی ہے ' یہ مقالہ ہزاروں کی تعداد میں پاکستان و ہندوستان سے شائع ہو چکا ہے اور اب ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے ۱۹۹۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا ہے - کولمبیا یونیورسٹی کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال نے بھی اپنے مقالہ ڈاکٹریٹ میں ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا انگریزوں کے مخالف تھے ایک نو مسلم انگریز فاضل ڈاکٹر محمد ہارون بھی امام احمد رضا کے سیاسی کردار پر تحقیق کر رہے ہیں ' ان کی تحقیق دسمبر ۱۹۹۱ء تک مکمل ہو جائے گی انشاء اللہ ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ تحقیق کے دوران امام احمد رضا کی تصانیف میں تو انگریزوں کی حمایت و دوستی میں ایک جملہ نہ ملا ' لیکن ان کے ہر مخالف کی تصنیف یا حالات میں کوئی نہ کوئی جملہ ایسا ضرور ملا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انگریزوں کے ان سے ظاہری و باطنی مراسم و روابط تھے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ممکن ہے انگریزوں نے ہی ان لوگوں کو امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائی کے لئے تیار کیا ہو کیونکہ انگریز سمجھتے تھے جب تک سواد اعظم اہلسنت زندہ ہیں ' ایمان میں گرمی و حرارت موجود رہے گی اور یہی وہ گرمی و حرارت ہے جو سلطنتوں کو بناتی اور بگاڑتی ہے اس کا تجربہ سلطنت عثمانیہ کی صورت میں صدیوں تک وہ کرتے رہے

(۵) امام احمد رضا پر پانچواں الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا نے چونکہ مرزا غلام

قادر بیگ سے پڑھا تھا، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک بھائی کا نام بھی مرزا غلام قادر تھا، ہونہ ہو یہ استاد گرامی وہی غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ بھائی تھے، تو ضرور قادیانی مذہب رکھتے ہوں گے، جب امام احمد رضا نے ایک قادیانی سے پڑھا تو ضرور وہ بھی قادیانی ہوں گے یا کم از کم اس کی طرح گمراہ ہوں گے..... آپ نے یہ نادر روزگار استدلال ملاحظہ فرمایا، یہ وہ مقام ہے جہاں عقل کو بھی دخل نہیں کیونکہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا!

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے اس الزام کا بہترین اور تشفی بخش رد فرمایا ہے، لب لباب یہ ہے کہ امام احمد رضا کے استاد مرزا غلام قادر بیگ تو اس وقت تک زندہ تھے جب غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا قادر مرچکے تھے۔ ڈاکٹر اوشا سانیال اور دوسرے محقق نے بھی اپنی تحقیقات میں اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا خصوصاً جب کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف امام احمد رضا کی کئی تصانیف موجود ہیں..... ایسی صورت میں کوئی ہٹ دھرم اور ضدی و بے عقل ہی اصرار کر سکتا ہے.....

الغرض البریلویہ میں امام احمد رضا پر بہت سے بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں جن کا مسکت، معقول اور محققانہ جواب حضرت علامہ شرف صاحب نے دیا۔ جو آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے.....

دشمن اپنی دشمنی میں کبھی حد سے گزر جاتا ہے، بعض اوقات یہ دشمنی اس کے مخالف کے لئے رحمت بن جاتی ہے..... البریلویہ کے مصنف کی دشمنی حد سے گزر گئی لیکن یہ امام احمد رضا کے لئے رحمت ثابت ہوئی..... البریلویہ کی اشاعت کے بعد یہ احساس قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا کہ امام احمد رضا پر عربی میں کام ہونا چاہئے..... اس سے قبل جسٹس سید شجاعت علی قادری کی مجددالامہ شائع ہو چکی تھی، مولانا محمد احمد مصباحی کا ایک مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے عربی مجلے میں شائع ہو چکا تھا لیکن البریلویہ کی اشاعت کے بعد عربی میں مسلسل کام ہونے لگا..... امام احمد رضا کا عربی حاشیہ جدا الممتار علی ودالمحتار حیدر آباد دکن سے چھپ کر اجمع

الاسلامی، مبارکپور سے شائع ہوا۔ اس پر مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا عبدالمبین نعمانی نے امام احمد رضا کے حالات و افکار اور علامہ ابن عابدین شامی کے حالات پر عربی میں وقیع مقالات کا اضافہ کیا..... ڈاکٹر عبدالباری ندوی کی نگرانی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پروفیسر محمود حسین بریلوی نے امام احمد رضا کے عربی آثار پر مقالہ قلم بند کر کے ایم۔ فل کیا، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن سے پروفیسر عبدالسمیع صاحب نے امام احمد رضا کی عربی شاعری پر ایم۔ فل کے لئے مقالہ لکھا..... مفتی محمد مكرم احمد صاحب (شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی) نے بین الاقوامی امام احمد رضا کانفرنس (منعقدہ کراچی ۱۹۹۱ء) میں امام احمد رضا کے عربی قصائد پر ایک وقیع مقالہ پڑھا..... کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر جلال الدین نوری نے امام احمد رضا کے معاشی نظریہ پر ایک مفصل مقالہ لکھا جو طبع ہو کر بغداد کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے مندوبین میں تقسیم کیا گیا موصوف ہی نے امام احمد رضا پر عربی میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے..... افغانستان کی عبوری حکومت کے چیف جسٹس محمد نصر اللہ خان صاحب نے امام احمد رضا کے حالات و افکار پر کلاسیکل عربی میں ایک شاندار مقالہ قلم بند کیا..... راقم نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس کا عربی ترجمہ مولانا ممتاز احمد سدید نے کیا۔ یہ مقالہ مجمع الملکی لبحوث الحضارة الاسلامیہ، عمان (اردن) سے شائع ہونے والی انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد میں طبع ہوا، ایک اور مفصل تحقیقی مقالہ جو پاکستان ہجرہ کونسل، اسلام آباد کی طرف سے شائع ہونے والی عالمی مسلم مشاہیر کی انسائیکلو پیڈیا کے لئے لکھا تھا۔ مولانا محمد عارف اللہ مصباحی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا جو ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی اور رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے تعاون سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔

الغرض کہاں تک ذکر کروں

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

احسان الہی ظہیر، امام احمد رضا کی عداوت میں البریلویہ پیش نہ کرتے تو شاید عربی زبان میں امام احمد رضا پر اس سرعت سے کام نہ ہونا لیکن اس عداوت سے

مصنف البریلویہ کو کوئی فائدہ نہ ہوا، سارا فائدہ اہلسنت و جماعت کو ہوا..... رسول
آرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقان رسول علیہ التحیتہ والتسلیم کی شان میں
گستاخیوں اور زبان درازیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

امام احمد رضا عاشق رحمۃ اللعالمین محبوب رب العالمین تھے..... ان کا
آغاز و انجام دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہوا..... ان کے عشق نبوی (صلی اللہ
علیہ وسلم) کا یہ عالم تھا کہ روئیں روئیں سے یہ صدا بلند ہو رہی تھی۔

کاش ہر موئے من زباں بودے
در ثنائے تو یا رسول اللہ !

۱۹۹۱ء میں مدینہ منورہ حاضر ہوا مواجہد شریف میں کچھ غلام ہاتھ باندھے امام
احمد رضا کا سلام۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
عرض کر رہے تھے خود راقم نے بھی امام احمد رضا کا درود
کعبہ کے بدرالدجی تم پہ کروڑوں درود
اور سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
پیش کیا۔ کیا عرض کروں کیا لطف و سرور آیا، زبان و قلم دونوں عاجز ہیں مدینہ منورہ
میں محافلِ نعت میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، ہر محفل میں امام احمد رضا کا
سلام پڑھا گیا..... اللہ اللہ کیا مقبولیت اور محبوبیت ہے کہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ
وسلم کی فضائیں بھی امام احمد رضا کے سلام سے گونج رہی ہیں۔ تاجدارِ دو عالم صلی
اللہ علیہ وسلم کے حضور بھی پڑھنے والے یہ سلام پڑھ رہے ہیں، آنسو بہا رہے ہیں،
دل بچھا رہے ہیں..... اللہ اللہ وہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں
کتنے مقبول ہیں!..... کوئی ان سے محبت کر کے تو دیکھے وہ اپنے عاشقوں سے کتنا
پیار کرتے ہیں، وہ اپنے جاں نثاروں کو کتنا چاہتے ہیں..... وہ جب دینے پر آتے

ہیں دیتے ہی چلے جا رہے ہیں۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در ب بہا دیئے ہیں

اے کاش! ہم سرکارِ دو عالم علی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا سیکھ جائیں
..... اے کاش! ہم عاشقانِ رسول (سلی اللہ علیہ وسلم) سے عشق و محبت کا سلیقہ
سیکھ جائیں..... اے کاش! ہم ان لوگوں سے باہر نکلا سیکھ جائیں
..... اے کاش! ہم ان لوگوں سے باہر نکلا سیکھ جائیں..... اے کاش!
ہم وہ بنو کر ان کو پہنچا سیکھ جائیں.....

جتنی باتوں کی یاد دہانی چاہی گئی
میں نے انہیں یاد دہانی چاہی گئی

میرزا احمد عقیل عزم

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

۲۲ اکتوبر ۱۹۵۱ء

پتھر، اور منٹ ڈگری، جج اینڈ پوسٹ
کراچی۔ (شہدہ) پاکستان

حواشی

- ۱۔ مزید تفصیلات کے لئے راقم کا مقالہ ”امام احمد رضا اور عالمی جامعات“ مطالعہ فرمائیں جو پاکستان سے رضا انٹرنیشنل اکیڈمی، لندن (انڈیا) اور ہندوستان سے افکار حق اکیڈمی (پورنیہ - بہار) نے بالترتیب ۱۹۹۰ء - ۱۹۹۱ء میں شائع کر دیا ہے (مسعود)
- ۲۔ قرآن کریم (مترجم محمود حسن دیوبندی) مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۹ء ص
- ۳۔ ایضاً سورۃ فتح آیت نمبر ۲ صفحہ نمبر ۶۷۸
- ۴۔ ایضاً سورۃ ضحیٰ آیت نمبر ۷ صفحہ نمبر ۷۹۳
- ۵۔ تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں :-
حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی و حکیم سید محمود احمد برکاتی :
القول الجلی کی بازیافت، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء
- ۶۔ ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) اکتوبر ۱۹۹۱ء
سر دلبراہ از صاحبزادہ محمد امین الحسنات صاحب ص ۴
- ۷۔ تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں :-
محمد مسعود احمد : فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں لاہور ۱۹۷۳ء
محمد مسعود احمد : امام احمد رضا اور عالم اسلام کراچی ۱۹۸۲ء
- ۸۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی قرآن، سائنس اور امام احمد رضا بریلوی
(چکوال) ۱۹۹۱ء ص ۸۷
- ۹۔ محمد مسعود احمد : الشیخ احمد رضا خان البریلوی (کراچی) ۱۹۹۱ء

بَابُ اَوَّل

امام احمد رضا بریلوی کے خلاف احسان الہی ظہیر
کی افتراپردازیوں کا یہ تحقیقی جائزہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

متحدہ پاک و ہند میں ہمیشہ اہل سنت و جماعت کی غالب اکثریت رہی ہے۔ ہمزمین ہند میں بڑے بڑے نامور اور بالکمال علماء و مشائخ پیدا ہوئے جنہوں نے دین اسلام کی زریں خدمات انجام دیں اور ان کے دینی اور علمی کارنامے آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں اہل سنت پر ایک ایسی شخصیت اپنی تمام تر جلو سامانیوں کے ساتھ نظر آتی ہے جس کی ہمہ گیر اسلامی خدمات، اسے تمام معاصرین میں امتیازی حیثیت

عطا کرتی ہیں۔ شخص واحد جو عظمت الوہیت، ناموس رسالت، مقام صحابہ و اہل بیت

اور حرمت ولایت کا پہرہ دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ عرب و عجم کے ارباب علم جسے خراج عقیدت

پیش کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ہماری مراد ہے امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری

بریلوی قدس سرہ العزیز جنہوں نے مسلک اہل سنت اور مذہب حنفی کے خلاف اٹھنے

والے نئے نئے فتنوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر مرحلے

پر سرفراز ہوئے۔

اہل سنت و جماعت کے عقائد ہوں یا معمولات جس موضوع پر بھی انہوں نے قلم

اٹھایا، اسے کتاب و سنت، ائمہ دین اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں پایہ

ثبوت تک پہنچایا۔ آپ کی سینکڑوں تصانیف میں سے کسی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ہر کتاب

میں آپ کو یہ انداز بیان مل جائے گا۔

بریلوی نیا فرقہ؟

امام احمد رضا بریلوی کے افکار و نظریات کی بے پناہ مقبولیت سے متاثر ہو کر جن لفظی
نے ان کے ہم مسلک علماء و مشائخ کو بریلوی کا نام دے دیا۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ
دوسرے فرقوں کی طرح یہ بھی ایک نیا فرقہ ہے جو سر زمین ہند میں پیدا ہوا ہے۔

ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی اہل حدیث لکھتے ہیں:

”یہ جماعت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی مدعی ہے، مگر دیوبندی

مقلدین (اور یہ بھی بجائے خود ایک جدید اصطلاح ہے) یعنی تعلیم یافتگان
مدرسہ دیوبند اور ان کے اتباع انہیں ”بریلوی“ کہتے ہیں۔“

جبکہ حقیقت حال اس سے مختلف ہے۔ بریلی کے رہنے والے یا اس سلسلہ سے شاگردی
یا بیعت کا تعلق رکھنے والے اپنے آپ کو بریلوی کہیں تو یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کوئی اپنے آپ کو
قادری، چشتی، یا نقشبندی اور سہروردی کہلائے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خیر آبادی، بدایونی،
رامپوری سلسلہ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو علماء بریلی کا ہے، کیا ان سب حضرات کو بھی بریلوی
کہا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اگرچہ مخالفین ان تمام حضرات کو بھی
بریلوی ہی کہیں گے۔ اسی طرح اسلاف کے طریقے پر چلنے والے قادری، چشتی، نقشبندی،
سہروردی اور رفاعی مخالفین کی نگاہ میں بریلوی ہی ہیں۔ لہ

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی کچھوچھوی فرماتے ہیں:

”غور فرمائیے کہ فاضل بریلوی کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے از اول تا

آخر مقلد رہے۔ ان کی ہر تحریر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی صحیح

لہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی؛ تراجم علمائے حدیث ہند (سبحانی اکادمی لاہور) ص ۳۷۶

السبریلویۃ

ظہیر

ص ۷

ترجمان رہی۔ نیز سلف صالحین و ائمہ و مجتہدین کے ارشادات اور مسلکِ اسلام کو واضح طور پر پیش کرتی رہی۔ وہ زندگی کے کسی گوشے میں ایک پل کے لیے بھی سبیلِ مومنین صالحین سے نہیں ہٹے۔

اب اگر ایسے کے ارشاداتِ حقانیہ اور توضیحات و تشریحات پر اعتماد کرنے والوں ۱۰ انہیں سلف صالحین کی روش کے مطابق یقین کرنے والوں کو بریلوی کہہ دیا گیا تو کیا بریلویت و سنیت کو بالکل مترادف المعنی نہیں قرار دیا گیا؟ اور بریلویت کے وجود کا آغاز فاضل بریلوی کے وجود سے پہلے ہی تسلیم نہیں کر لیا گیا؟

خود مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں:

”یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے، لیکن افکار اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے۔“

اب اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ بریلویت کا نام لے کر مخالفت کرنے والے دراصل ان ہی عقائد و افکار کو نشانہ بنا رہے ہیں جو زمانہ قدیم سے اہل سنت و جماعت کے چلے آ رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں اتنی اخلاقی جرات نہیں ہے کہ کھلے بندوں اہل سنت کے عقائد کو مشرکانہ اور غیر اسلامی قرار دے سکیں۔ باب عقائد میں آپ دیکھیں گے کہ جن عقائد کو بریلوی عقائد کہہ کر مشرکانہ قرار دیا گیا ہے، وہ قرآن و حدیث اور متقدمین علمائے اہل سنت سے ثابت اور منقول ہیں۔ کوئی ایک ایسا عقیدہ بھی تو نہیں پیش کیا جاسکا جو بریلویوں کی ایجاد ہو، اور متقدمین ائمہ اہل سنت سے ثابت نہ ہو۔

امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی کے القاب میں سے ایک لقب ہی عالم اہل سنت

۱۔ سید محمد مدنی شیخ الاسلام، تقدیم دور حاضر میں بریلوی اہل سنت کا علامتی نشان (مکتبہ جمعیۃ المدینہ، لاہور)

البریلویہ، ص ۷

۲۔ ظہیر

تھا۔۔۔۔۔ اہل سنت و جماعت کی نمائندہ جماعت آل انڈیا سنی کانفرنس کا رکن بننے کے لیے سنی ہونا شرط تھا، اس کے فارم پر سنی کی یہ تعریف درج تھی =

”سنی وہ ہے جو مانا علیہ واصحابی کا مصداق ہو سکتا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین، خلفاء اسلام، اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماء دین سے شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی، حضرت ملک العلماء بجا العلوم صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی، حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری،

اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خاں رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہو۔“ ۱۷

خود مخالفین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ لوگ قدیم طریقوں پر کاربند رہے۔ مشہور مؤرخ سلیمان ندوی جن کا میلان طبع اہل حدیث کی طرف تھا، لکھتے ہیں،

”تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔“ ۱۸

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں،

”انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔“ ۱۹

اہل حدیث کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں،

”امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو، سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے،

۱۷ محمد جلال الدین قادری، مولانا، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۶-۸۵

۱۸ سلیمان ندوی، حیات شبلی ص ۲۶ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۲۲)

۱۹ محمد اکرام شیخ، موج کوثر، طبع ہفتم ۱۹۶۶ء ص ۷۰ (بحوالہ سابقہ)

اسی سال قبل پہلے سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو بریلوی حنفی خیال
کیا جاتا ہے۔“ لہ

یہ امر بھی سامنے رہے کہ غیر متقلدین براہ راست قرآن و حدیث سے استنباط کے
قائل ہیں اور ائمہ مجتہدین کو استنادی درجہ دینے کے قائل نہیں ہیں۔ دیوبندی مکتب فکر
رکھنے والے اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، تاہم وہ بھی ہندوستان کی کسی مسلم شخصیت یہاں تک
کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کو دیوبندیت کی ابتدا ماننے
کے لیے تیار نہیں ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ التفسیر مولوی
انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک دیوبندیت خالص دلی الٰہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ
کی لگی بندھی فکر دولت و متاع ہے، میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتداء
میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر سنت
مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے۔ دیوبندیت کی ابتدا حضرت
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے
کرتا ہوں۔“ لہ

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے دیوبند کا تعلق قائم نہ کرنے کا ان الفاظ میں اظہار
کرتے ہیں:

”اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی۔ نیز حضرت
شیخ عبدالحق کا فکر کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھانا مناسب ہے

شمع توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۲۰
ماہنامہ البلاغ (مارچ ۱۹۶۹ء / ۱۳۹۰ھ) ص ۲۸

لہ ثنار اللہ امرتسری
لہ انظر شاہ کشمیری، استاذ دیوبند

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا۔ بس اسی اجمال میں ہزار ہا تفصیلات ہیں جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔ لہ

امام احمد رضا اور عالمی جامعات

امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد نصف صدی تک ان پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ لیکن گزشتہ چند سال سے مرکزی مجلس رضالابور اور الجمع الاسلامی، مبارک پور انڈیا نے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق جو کام کیا ہے، عالمی سطح پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) میں حال ہی میں فاضل بریلوی کی فقہیت پر مولانا حسن رضا خاں نے کام کیا ہے جس پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی ہے۔ جبل پور یونیورسٹی (بھارت) سندھ یونیورسٹی (پاکستان) اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (پاکستان) میں بھی کام ہو رہا ہے۔

۱۹۷۵ء میں جامعہ ازہر مصر کے پروفیسر محی الدین الوائی (اہل حدیث) نے فاضل بریلوی پر عربی میں ایک مقالہ لکھا جو صوت المشرق قاہرہ میں شائع ہوا، کیلی فورنیا یونیورسٹی، امریکہ کے شعبہ تاریخ کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف نے فاضل بریلوی پر اپنے انگریزی مقالہ میں اظہار خیال کیا ہے، مگر انہوں نے گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ ہالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی، شعبہ اسلامیات کے پروفیسر جے ایم ایس بلیان بھی اس طرف متوجہ ہوئے ہیں اور دیگر فتاویٰ کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ لہ

فٹ نوٹ ماہنامہ البلاغ (مارچ ۱۹۶۹ء/۱۳۸۸ھ) ص ۴۹

حیاتِ امام اہل سنت (مرکزی مجلس رضالابور) ص ۶-۲۵

لہ النظر شاہ کشمیری

۲ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر

البریلویہ

امام احمد رضا بریلوی کی روز افزوں مقبولیت نے مخالفین کو تشویش اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے جس کے نتیجے میں بعض لوگ محض عناد کی بنا پر انصاف و دیانت کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال کر الزام کی حد سے گزر کر اتہام تک جا پہنچے ہیں۔ ایسی ہی کوشش بقلم خود علامہ احسان الہی ظہیر نے کی ہے اور عربی زبان میں البریلویہ نامی کتاب لکھ کر سعودی ریال کھرے کئے ہیں۔ خدا جانے علماء شجہ کی آنکھوں پر کونسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ وہ ہر اس کتاب کے دل و جان سے خریدار ہیں جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا ہو۔

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ پہلے باب میں کوئی بات بھی اُس کے صحیح پس منظر میں بیان نہیں کی گئی۔ ہر جگہ دست تصرف نے خوبصورت کو بدصورت بنا کر پیش کیا ہے۔ ایک فاضل نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

”یہ کتاب تنقید کی بجائے تنقیص کی حد میں داخل ہو گئی ہے۔“

حافظ عبدالرحمن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں:

”یہ شکایت اُس (ظہیر) کی کتابوں میں اُردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اُردو عبارت کچھ جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔“

۲۔ دوسرے اور تیسرے باب میں وہی عقائد و معمولات مضحکہ خیز انداز میں بریلویوں کی طرف منسوب کیے ہیں، جن کے قائل اور عامل متقدمین اہل سنت و جماعت رہے اور

نجدی وہابی علماء ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں، بلکہ ایسے عقائد کا بھی تمسخر اڑایا ہے جو خود ان کے اپنے اکابر مثلاً علامہ ابن قیم، شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، نواب وحید الزماں قائل ہیں، جیسا کہ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا۔

۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی عربی زبان پر جا بجا چوٹیں کی ہیں، جبکہ اپنی حالت یہ ہے کہ ان کی عربی تحریر سمجھنے کی لیاقت بھی نہیں ہے اور اپنی عربی زبان کا عالم یہ ہے کہ عجمیت زدہ ہے۔

حافظ عبدالرحمن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں:

”جہاں تک اس کی عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہی ہے ورنہ اس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامر یا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا۔ چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الہی کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں جو چند صفحات کے سرسری مطالعہ سے سامنے آتی ہیں، گہری نظر سے پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے، تو طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ البریلویہ کے ص ۲۳ پر ایک درود شریف نقل کیا ہے جس میں امام احمد رضا بریلوی نے صنعت ایہام میں مشارح سلسلہ قادریہ کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ ظہیر صاحب اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھے جیسا کہ آئندہ صفحات میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

فانهم اعطوا للعصاة البغاة رسيد الجنة لہ

یہ احساس ہی نہ ہوا کہ ”رسید“ لفظ عربی نہیں، فارسی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

لہ عبدالرحمن مدنی، حافظ، ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ۳ اگست ۱۹۸۴ء، ص ۶

ص ۱۳۵

البریلویہ

لہ ظہیر

بل اصدروا فرماناً

انہیں کون سمجھائے کہ فرمان "لفظ عربی نہیں ہے فارسی ہے۔ ذیل میں اغلاط کی مختصر

فہرست ملاحظہ ہو:

صفحہ	طر	غلط	صحیح
۱۵	۱۲	ان اخلص المحبتين قلوبه	وتلا
"	۱۷	انفصلت البريلوية	عن البريلوية
۱۸	۱۰	مع الثابت	مع ان الثابت
۲۰	۱۱	عبدالحق خير آبادي	الخير آبادي
"	۱۷	من ابنه ابى الحسين	من ابن ابنه
۲۱	۱۵	لم تكن راجحة بين السنة	بين اهل السنة
۲۱	۲۰	يروجها بين السنة	بين اهل السنة
۲۲	۱۳	كتب فيها آل البيت	لاهل البيت
۲۴	۴	كفر السنة	اهل السنة
۲۵	۳	حلي	حلياً
"	۲۱	ولافلسا	فلسا
۲۷	۱۳	اي يصفه بها	ان يصفه بها
۲۸	۱۷	ان القوم	الى ان القوم
"	۲۱	المواضيع	المواضع
۲۹	۱۲	هذه الكتب	تلك الكتب
"	"	الى البريلوية	الى البريلوي

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۴	۱۶	الحجر الصغير	القطع الصغير
"	۱۸	يشتمل على ۲۶۴ صفحة	۸۶۴ صفحة
۳۷	۱۶	اصدروا فرمانا	حكما (فرمان لفظ فارسی)
۳۹	۱۲	نظرة تقدير واحترام	نظرة تعظيم واحترام
۴۰	۱	اعتزلت البريلوي	اعتزل البريلوي
"	۱۵	غضبورها	غضبورها
"	۱۸	استرقاق	استرقاق
"	۲۲	في صالح المستعمرين	في مصلحة المستعمرين
۴۱	۲۰	استحالات	استخلاص
۴۲	۴	والا المقصود الاصلى	والا المقصود الاصلى
"	۲۱	مناسبة للاستعمار	للاستعمار
۴۴	۱۰	الاستعمرا	الاستعمار
۵۲	۱۶	ستمر	سبتمبر
۵۳	۱۲	من ابن البريلوي احمد رضا	حامد رضا
۵۵	۱۸	بعد ما كنت مرفوضة	كانت
۶۷	۷	فليسف القراءة	القراء
"	۸	ومن جاء	الى من جاء
"	۱۷	كبيب النمل	كديب النمل
۶۸	۷	فيكتبت	فيكتب
۷۶	۶	الذي بينهما	التي بينها

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۰	۱۶	ولم یبقی	ولم یبق
۱۱۱	۸	ولکن تعسی	ولکن تعسی
۱۱۷	۳	رد المختار	رد المختار
"	"	دار المختار	الذکر المختار
۱۳۵	۸	رسید اللجنة	رسید عجمی لفظ
۱۴۱	۱۹	ان بیوس	عجمی بوس سے ماخوذ
۲۰۵	۳	توک التکایا	تکلیہ کی جمع عجمی لفظ

۴- برلویت کی آرٹیں دنیا بھر کے عامۃ المسلمین اور اہل سنت و جماعت کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ تصریح ملاحظہ ہو!

● "ابتداءً میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہو گا، مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا۔ میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصے سے مغرب کے آخری حصے تک اور افریقہ سے ایشیا تک اسلامی ممالک میں دیکھے (ملاحظاً) لے

اب ذرا دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف یلغار کے چند نمونے بھی دیکھتے چلیں:

● سال کے مخصوص دنوں میں ان لوگوں کی قبروں پر حاضر ہونا، جنہیں وہ اولیاء و صالحین گمان کرتے ہیں، عرسوں کا قائم کرنا، عید میلاد وغیرہ منکرات جو ہندوؤں، مجوسیوں اور بت پرستوں سے مسلمانوں سے درآئے ہیں (ترجمہ و تفسیر) لے

● ان کے عقائد کا اسلام سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ بعینہ وہی عقائد ہیں جو جزیرہ عرب کے مشرک اور بت پرست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت سے پہلے رکھتے تھے، بلکہ دورِ جاہلیت کے لوگ بھی شرک میں اس قدر غرق نہ تھے، جس قدر یہ ہیں۔" ۱۷

● "بریلویوں کے امتیازی عقائد وہ ہیں جو دین کے نام پر بت پرستوں، عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔" ۱۸

● "کفارِ مکہ، جزیرہٴ عرب کے مشرکین اور دورِ جاہلیت کے بت پرست بھی ان سے زیادہ فاسد اور ردی عقیدہ والے نہیں تھے۔" ۱۹

یہ وہ کیفِ باطن ہے جو کتاب کے مختلف صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔ اگر یہی وہاں بیٹے اور یقیناً یہی ہے، تو علماءِ حق نے وہابیوں کے خلاف جو فتوے دیئے تھے، بالکل صحیح دیئے تھے۔ جو فرقہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک اور جہنمی قرار دے، وہ خود ان خلعتوں کا مستحق ہے۔

قد بدت البغضاء من افواہم وما تخفی صدورہم اکبر

طرفہ یہ کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیتے دیتے خود اپنے مشرک ہونے فیصلہ بھی دے گئے ہیں۔ اتحاد کی دعوت دینے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میں جانتا ہوں کہ وحدت و اتحاد اور اسلامی فرقوں کو قریب کرنے کے احمق اور بیوقوف داعیوں کی پیشانیوں پر بل پڑ جائیں گے، لیکن میں کئی دفعہ یہ کہہ چکا ہوں کہ عقائد و افکار کے اتحاد و اتفاق کے بغیر اتحاد و اتفاق نہیں ہو سکتا، کیونکہ اتحاد کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنیادی امور میں اتفاق ہو" (ترجمہ و تلخیص)

۱۷	طہ	البریلویہ	ص ۹
۱۸	ایضاً	"	ص ۵۵
۱۹	ایضاً	"	ص ۶۵
	ایضاً	"	ص ۱۱

دوسری طرف اہل سنت و جماعت (بریلوی) کی نمائندہ سیاسی جماعت جمعیتہ العلماء پاکستان کے ساتھ ظہیر صاحب کی جماعت کا اتحاد ہو چکا ہے جو سہ جماعتی اتحاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور وہ خود تصریح کر رہے ہیں کہ بنیادی امور میں اتحاد کے بغیر اتحاد نہیں ہو سکتا، تو جس کا سرکوں کے ساتھ بنیادی امور میں اتحاد ہوگا وہ مشرک نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟

۵۔ خاص طور پر امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں تو وہ غلط بیانی کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے! ”وہ شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے سنت کا نقاب اوڑھ لیا تھا۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی کے شاگرد تھے یہ انگریزوں نے مسلمانوں میں تفریق کے لیے ایک تو قادیانی کو مقرر کیا اور دوسرا بریلوی کو شیعوں وغیرہ وغیرہ“
غرض یہ کہ:

شرم نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

۶۔ غلط بیانی ان کا شیوہ ہے اور اس پر انہیں فخر ہے۔ ایک مثال دیکھئے تکبیر تحریمہ، علاوہ نماز میں ہاتھ اٹھانے اور نہ اٹھانے کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں، نعی نے امام شافعی کی پیروی میں احادیث کی پہلی قسم پر عمل کیا اور احناف نے امام ابوحنیفہ کی پیروی میں احادیث کی دوسری قسم پر عمل کیا۔ کوئی فریق بھی دوسرے فریق کو شرک یا منکھتہ لیل کا الزام نہیں دے سکتا، کیونکہ ہر فریق کا عمل احادیث مبارکہ پر ہے؛

شاہ اسماعیل دہلوی امام معین کی تقلید پر رو کرتے ہوئے تنویر العینین میں لکھتے ہیں؛

عبدالرحمن مدنی، حافظ؛ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ۳ اگست ۱۹۸۴ء، ص ۷

۲۱ ص	البریلویہ	۲ ظہیر:
۲۴ ص	”	۳ البض:
۱۹ ص	”	۴ ایضاً:
۳۱ ص	”	۵ ایضاً:

”شخص معین کی تقلید سے چمٹے رہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؛ جبکہ امام کے قول کے خلاف صریح دلالت کرنے والی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث موجود ہوں۔ اگر امام کے قول کو ترک نہ کرے تو اس میں شرک کا شائبہ ہوگا۔“

اس پر امام احمد رضا بریلوی نے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب امام معین (امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مقلد تھے، اور شاہ اسماعیل دہلوی کے مسلم پیشوا، اب دو ہی صورتیں ہیں (۱) یا تو یہ تمام بزرگ، امام معین کی تقلید کے سبب مشرک ہوں (معاذ اللہ) اور جب امام و مقتدا مشرک ہو تو مقتدی اور مداح بطریق اولیٰ مشرک ہوگا۔ (۲) یہ بزرگ، مقلد ہوتے ہوئے بھی مؤمن، مسلمان تھے اور اسماعیل دہلوی اہل تشیعہ گمراہ، بددین، مسلمانوں کو کافر کہنے والا تھا۔

بہر صورت اس کا اپنا حکم ظاہر ہو گیا (ملخصاً)۔

یہ بہت ہی معقول گرفت تھی، جسے ظہیر نے من مانی کرتے ہوئے من گھڑت انداز میں پیش کیا ہے، اس نے لکھا ہے؛

”یعنی دہلوی اس لیے کافر ہے کہ اس کے نزدیک تقلید شخصی جائز نہیں ہے جبکہ امام کے قول کے خلاف پر دلالت کرنے والی احادیث کی طرف رجوع کیا جاسکے اور اس کے نزدیک کسی بھی شخص کے قول کے مقابل سنت کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، تو یہ بریلوی کی نظر میں کفر ہے اور اگر یہ کفر ہے تو ہم نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے؟“

سُبْحٰنَكَ هَذَا بَهْتَانٌ عَظِيمٌ

۱-۵۰ ص اس کو کتبۃ الشبابتہ (مطبوعہ مراد آباد) لے احمد رضا بریلوی، امام؛

۱۶۶-۷ ص البریلوی لے طیب

امام احمد رضا بریلوی نے قطعاً یہ نہیں فرمایا جو ان کے ذمہ لگایا جا رہا ہے۔ انہوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ائمہ کرام کے مقلدین، عامۃ المسلمین کو مشرک کہنے والا خود بھی مشرک یا گمراہ بننے سے بچ نہیں سکتا، کیونکہ اس کا فتویٰ اگر صحیح ہے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور دیگر مسلم حضرات کا مشرک ہونا لازم آئے گا اور جب امام مشرک ہو تو مقتدی اور مذاح بھی اسی خانے میں جائے گا، اور اگر فتویٰ غلط ہے تو خود اس کا گمراہ ہونا ثابت ہو گیا۔

پھر یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ ائمہ دین مجتہدین نے جو احکام بیان کیے ہیں، وہ ان کے خود ساختہ نہیں ہیں، بلکہ یا تو صحیحہ کتاب و سنت میں بیان کیے گئے ہیں یا قیاس صحیح کے ساتھ کتاب و سنت سے مستنبط ہیں، لہذا غیر مقلدین کا یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ ہم کتاب و سنت کی پیروی کرتے ہیں اور مقلدین ائمہ کی پیروی کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کتاب و سنت کے ان احکام پر عمل پیرا ہیں جو ائمہ مجتہدین نے بیان کیے ہیں اور غیر مقلدین براہِ راست استنباط احکام کے مدعی ہیں۔ گویا یہ لوگ اپنے فہم پر اعتماد کرتے ہیں اور مجتہدین کے فہم پر اعتماد نہیں کرتے جن پر مسلمانوں کی غالب اکثریت نے اعتماد کیا ہے۔

۷۔ اہل سنت پر بریلویت کی آڑ میں رد کرنے کے لیے ان امور پر بھی طعن کیا ہے جو احادیث کتب احادیث یا کتب سلف میں وارد ہیں۔

● ایک جگہ بطور اعتراض لکھا ہے:

”ایک بریلوی کہتا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، چلتے پھرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔“ لہ

حالانکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء

فنبى الله حتى يرزق رواه ابن ماجه له

”اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجسام کا کھانا حرام فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ

ہا ہی زندہ ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے کتاب

البنائز کے آخر میں روایت کیا۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا:

مررت على موسى ليلة اسرى بي عند الكئيب الاحمر وهو

قائم يصلى في قبره ثم

”شب معراج کئیب احمد (سرخ ٹیلے) کے پاس میں موسیٰ علیہ السلام کے

پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔“

● ایک دوسرا بریلوی کہتا ہے:

”جب واقعہ حترہ میں لوگ مدینہ سے تین دن کے لیے چلے گئے اور مسجد نبوی

میں کوئی بھی داخل نہ ہوا، تو پانچوں وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اذان

سنی جاتی تھی۔“

جبکہ امام ابو محمد عبد الرحمن دارمی راوی ہیں کہ سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ واقعہ حترہ

کے دنوں میں تین دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں نہ تو اذان کہی گئی اور نہ تکبیر

حضرت سعید بن مسیب (جو اجلہ تابعین میں سے ہیں) مسجد میں ہی رہے۔

۱۴۱ ص ۱۲۱ مشکوٰۃ شریف (نور محمد، کراچی)

۲۶۸ ص ۱۲ ج ۲ مسلم شریف (رشیدیہ، دہلی)

۸۱ ص ۸۱ البریلویہ

وكان لا يعرف وقت الصلوة الا بهمة يسمعها
من قبر النبي صلى الله عليه وسلم . له

”انہیں نماز کا وقت صرف اُس دھیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا جو انہیں نبی اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ سے سنائی دیتی تھی۔“

• ایک اور بریلوی کہتا ہے :

”جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ حجرۂ شریفہ کے سامنے رکھا گیا
تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور لوگوں نے سنا کہ حبیب کو حبیب
کے پاس لے آؤ۔“

حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس کرامت کا تذکرہ امام فخر الدین رازی
نے ان الفاظ میں کیا ہے :

فاما ابو بكر فمن كراماته انه لما حملت جنازته الى
باب قبر النبي صلى الله عليه وسلم ونودي السلام عليك
يا رسول الله هذا ابو بكر بالباب قد انفتح واذا بهاتف
يهتف من القبر

ادخلوا الحبيب الى الحبيب

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ کا
جنازہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کے دروازہ پر حاضر کیا گیا اور
عرض کیا گیا السلام عليك يا رسول الله! یہ ابو بکر دروازے پر حاضر ہیں تو دروازہ
کھل گیا اور قبر انور سے یہ آواز آئی کہ حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔“

۱۔ عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی امام، سنن الدارمی (دارالمحاسن قاہرہ) ج ۱ ص ۲۳
۲۔ ظہیر، البریلویہ

۳۔ امام رازی، تفسیر کبیر (عبد الرحمن محمد مصر) ج ۲۱ ص ۸۷

اب کوئی شخص یہ پوچھ سکتا ہے کہ یہ کیسے اہل حدیث ہیں اور کیسے سلفی ہیں جو حدیثوں اور ارشاداتِ سلف کو ہی نہیں مانتے۔

۸۔ اہل سنت کو بدنام کرنے کے لیے بے دریغ غلط باتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں، مثلاً،

● ”بریلویوں نے اللہ تعالیٰ کو معطل اور اختیار، قدرت اور اقتدار سے محروم

قرار دے رکھا ہے اور ان کے گمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کا ملک اور اختیارات انبیاء و اولیاء کی طرف منتقل ہو چکے ہیں، خصوصاً،

یہ افتراء محض ہے، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ یہ بیان اس مفروضہ باطلہ پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو قدرت و اختیار دے دے تو معاذ اللہ! نہ اس کے پاس قدرت رہتی ہے نہ اختیار۔

● ”رسول اللہ پر ایک لحظہ کے لیے بھی موت طاری نہیں ہوتی۔“

یہ بھی افتراء ہے، خود اسی صفحہ پر اہل سنت کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے،

ان حياة الانبياء حياة حقيقية حسية دنيوية بطراً

عليهم الموت لثانية من الثواني ليصدق وعد الله

”انبیاء کی حیات، حقیقی، حسی، دنیاوی ہے، ان پر ایک لحظہ کے لیے موت

طاری ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہو جائے۔“

● ”بریلویوں نے انبیاء اور رسل کی بشریت کا انکار کیا ہے۔“

ص ۶۵	البریلویۃ	۱۔ ظہیر
ص ۸۰	”	۲۔ ایضاً
ص ۸۰ سطر ۱	”	۳۔ ایضاً
ص ۱۰۲	”	۴۔ ایضاً

یہ بھی غلط محض ہے، امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے۔“ ۱

یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ اس قسم کی غلط بیابیاں اس کتاب میں کثرت سے ہیں۔

۹۔ مصنف کا دعویٰ یہ ہے:

”ہم نے بریلویوں کا جو عقیدہ بھی ذکر کیا ہے، وہ ان کی معتبر اور معتمد کتابوں سے صفحہ اور جلد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔“ ۲

اور حال یہ ہے کہ تجانبِ اہل سنت، نعمۃ الروح، باغ فردوس، اور مداحِ اعلیٰ حضرت وغیرہ قسم کی کتابوں کے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں، یہ کہاں کی مستند اور معتبر کتابیں ہیں؟

۱۰۔ پانچویں باب میں مختلف حکایتیں بیان کر کے یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اہل سنت کے عقائد کا دار و مدار ان حکایات پر ہے، حالانکہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ حکایات کسی عقیدے کی عکاسی تو کر سکتی ہیں مگر عقائد کے لیے بنیاد نہیں بن سکتیں۔

البتہ کوئی صاحبِ کرامات کا تذکرہ پڑھنا چاہے تو وہ عبدالمجید خادم سوہدروی کی تالیف کراماتِ اہل حدیث کا مطالعہ کرے۔ اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ سے اس کا عکس چھپ چکا ہے یا پھر سوانح حیات مولانا غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ، گوجرانوالہ کا مطالعہ کرے۔ جو ان کے صاحبزادے عبدالقادر نے لکھی ہے اور وہ حال ہی میں دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ یاد رہے کہ یہ مولانا غلام رسول اہل حدیث کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۳

۱۔ احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (مبارکپور، انڈیا) ج ۱۶ ص ۶۷

۲۔ البریلوی، ص ۱۱۲

۳۔ سوانح حیات مولانا غلام رسول (فضل بک ڈپو، انوالہ) ص ۳۵

۴۔ عبدالقادر

ایک کرامت سن لیجیے، قلعہ میہاں سنگھ کا ایک چوکیدار گلاب نامی موضع مرالیوالہ میں چوکیدار مقرر ہوا اور وہاں کی ایک بیوہ دھوبن پر فریفتہ ہو گیا۔ مرالیوالہ کے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چوکیدار کو نکال دیا۔ وہ روزانہ مولوی صاحب کے پاس جاتا اور کہتا کہ حضرت میں مرجھا ہوا کوئی تدبیر کریں۔ ایک دن مولوی صاحب نے اپنے خادم بڈھا کشمیری کو کہا کہ اس سے قسم لے لو کہ نکاح کے بغیر اسے نہیں چھوئے گا۔ اُس نے قسم اٹھالی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ عشاء کے بعد اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر مرالیوالہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ کہنا: آجا۔ آجا۔ آجا۔ پھر مجھے بتانا۔ باقی حصہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ میں سنئے،

”تیسرے روز عصر کے قریب عورت مذکورہ گلاب کے گھر آگئی اور کہنے لگی کہ پرسوں عشاء سے لے کر اب تک میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی تمہارے گھر میں داخل ہوتے ہی آرام ہو گیا۔ گلاب اس عورت کو پکڑ کر اندر لے گیا اور متواتر تین روز اندر ہی رہا۔

تیسرے روز قیلولہ کے وقت مولوی صاحب نے بڈھا کشمیری کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اور اُس موذی کو پکڑ لاؤ، وہ اس وقت زنا کر رہا ہے۔ بڈھا گیا اور گلاب کو فوراً پکڑ لایا۔ مولوی صاحب نے کہا جا میری آنکھوں کے سامنے سے دُور ہو جا۔ وہ لوٹ کر گھر گیا، وہ عورت جیسے آئی تھی، ویسے ہی خفا ہو کر چلی گئی۔ اے

دیکھا آپ نے قدرت و اختیار کا مظاہرہ کہ وہ عورت کس طرح کھنچی ہوئی چلی آئی اور یہ علم غیب کہ گلاب اس وقت فعلِ بد میں مصروف ہے۔ شاید اس کرامت پر اس لیے اعتراض نہ ہو کہ یہ ایک اہل حدیث مولوی کی کرامت ہے لیکن کوئی شخص یہ بھی تو پوچھ سکتا ہے کہ اتنی قدرت اور اتنا علم غیب رکھنے کے باوجود گلاب کو اتنی چھٹی کیوں دے رکھی کہ وہ اس عورت کے ساتھ تین دن تک اندر ہی رہا اور اپنی حسرتیں نکالتا رہا، کیونکہ یہ کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے کہ یہ فعلِ بد تیسرے دن ہی ہوا ہوگا۔

کچھ اس تالیف کے بارے میں

پیش نظر کتاب کے پہلے باب میں آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے حالات زندگی، مذہبی اور سیاسی خدمات کا مطالعہ کریں گے۔ نیز اہل علم و نظر دانشوروں کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں گے جو انہوں نے امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی کے بارے میں بیان کیے۔ اس کے علاوہ البریلویہ، دھماکہ، بریلوی مذہب وغیرہ قسم کی کتابوں میں جو اتہامات اور مطاعن امام احمد رضا خاں بریلوی پر قائم کئے گئے ہیں، ان کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ تعصب کا چشمہ لگائے بغیر حقائق کا مطالعہ کرنے سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس میں تسکین کا بہت کچھ سامان پائیں گے اور جو تاریخ کو عقیدے کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، اُن کے لیے یہ کوشش بے سود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قادر و کریم ہے چاہے تو انہیں بھی فائدہ عطا فرمادے۔

دوسرے باب تذکرہ علمائے اہل حدیث، میں آئینہ حقائق سامنے رکھا گیا ہے کہ اس طبقہ نے انگریزی حکومت کے ساتھ کس طرح کے روابط عقیدت و محبت قائم کر رکھے تھے اور کن مراحل سے گزر کر ترقی کی منزلیں طے کیں۔ اس باب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ پینٹیل فرین رکھنے والے کس طرح زندگی گزارتے ہیں اور یہ کہ اگر فرقہ برابرا لفساف ہو تو یہ الزام زبان پر بھی لائیں کہ انگریز گورنمنٹ کے ساتھ علمائے اہل سنت کا کوئی تعلق بھی تھا۔

آئندہ ابواب میں اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات پر گفتگو کی جائے گی انشاء اللہ!

ہدیہ سپاس

سلسلہ گفتگو اس وقت تک، ادوار ہے گا، جب تک اس تالیف میں علمی اور اخلاقی امداد کرنے والوں کا شکریہ ادا نہ کروں، خصوصاً اراکین مرکزی مجلس رتنالامور جن کی مساعی سے یہ

کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔

۱۔ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری، لاہور

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ٹھٹھڑ، سندھ

۳۔ مفتی محمد عبدالقیوم قادری بزاروی، لاہور

۴۔ استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد گولڑوی، کراچی

۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی، لاہور

۶۔ مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی لاہور

ان حضرات کے ذاتی کتاب خانوں
سے راقم نے اس تفادہ کیا۔

۷۔ پروفیسر محمد اقبال مجددی، لاہور

۸۔ محمد عالم مختار حق، لاہور

۹۔ حکیم اسد نظامی، جہانیاں

۱۰۔ جناب خلیل احمد، جہانیاں

۱۱۔ میاں زبیر احمد قادری، لاہور

۱۲۔ مولانا محمد منشا تابش قصوری، مریدکے

۱۳۔ مولانا محمد شفیع صنوی، لاہور

۱۴۔ مولانا اظہار اللہ بزاروی، لاہور

۱۵۔ مولانا حافظ عبدالستار قادری، لاہور

۱۶۔ حکیم و سلیم چشتی، فیصل آباد

۱۷۔ جناب سید ریاست علی قادری، کراچی

۱۸۔ جناب خواجہ محمود، لاہور

۱۹۔ مولائے کریم اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کے لیے ان حضرات کو کامیابی کے ساتھ کام

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

محمد عبدایم شرف قادری

۱۴۰۵ھ

۸ ربیع الثانی

۱۹۸۵ء

یکم جنوری

شیخ عطیہ محمد سالم کے نام

مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کے قول و فعل میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ یہی کتاب و سنت کی تعلیم ہے اور یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے۔ اس کے برعکس آج کل فیشن بن چکا ہے کہ الفاظ کی دنیا میں اتحاد اور یک جہتی کی تلتین کی جاتی ہے اور جیسے ہی کسی مخالف کا ذکر آیا ہر قسم کی احتیاط بلائے طاق رکھ کر شدید سے شدید تر فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ایسا فتویٰ اگر تحقیق اور دیانت پر مبنی ہو تو بے شک قابل قبول ہوگا، لیکن اگر محض جانبداری، ظن و تخمین اور سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہو تو وہ سرگزشتِ لائق قبول نہ ہوگا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع له

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔“

شیخ عطیہ محمد سالم نجدی نے البریلویہ کی تقدیم میں بڑی خوبصورت خواہش کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

وفي هذا الوقت الذي نحن احوج ما نكون الى وحدة

الكلمة وتوحيد الصف له

مسلم شریف، سربراہ نور محمد کراچی، ج ۱۱، ص ۸

آلہ مسلم بن الحجاج قشیری، امام،

ص ۵

البریلویہ، تقدیم

آلہ طبری،

”اس وقت کی شدید ترین ضرورت یہ ہے کہ ہمارے درمیان اتحاد پایا جائے

اور ہماری صفیں وحدت کی لڑی میں پروئی ہوئی ہوں۔“

اس حسین آرزو کے باوجود چھٹے کی تقدیم میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے بارے میں جو تبصرہ کیا ہے، وہ اس آرزو کے یکسر منافی اور قول و فعل کے تضاد کی واضح مثال ہے۔

مصنف کو اعتراف ہے کہ دنیا کے مریخوں میں پائے جانے والے تمام فتادری،

شہروردی، نقشبندی، چشتی، رفاعی، وہبی عقائد و تعلیمات رکھتے ہیں، جو بریلویوں کے ہیں

اور تقدیم نگار بریلویوں کو کافر، مشرک، فانیوں کے بھائی، انگریز کے خادم اور نہ جانے کیا کیا

کہہ رہے ہیں۔ یہ مقام حیرت ہے کہ وحدت و اتحاد کو ایک ضرورت قرار دینے والا دنیا بھر

کے عامۃ المسلمین کو کس بے دردی سے کافر و مشرک قرار دے رہا ہے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایسا سنگین فیصلہ صادر کرتے وقت کسی تحقیق و جستجو کی ضرورت

محسوس نہیں کی بلکہ ایک مخالف کے بیان پر آنکھیں بند کر کے بے دھڑک فیصلہ دے دیا ہے، انہیں خود اعتراف ہے :

اگر فاضل مصنف کا اس گروہ کے ساتھ میل جول اور ہمیں ان کی علمی دینت

پر اعتماد نہ ہوتا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایسا فرقہ موجود ہوگا۔“

علمی دنیا میں ایسی تحقیقات کا کیا مقام و مرتبہ ہوگا کہ ایک شخص اپنے کنوئیں سے باہر جاننے کی زحمت بھی گوارا نہ کرے، ارباب علم و دانش پر مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا لَهُ

ص ۷

(مقدمہ) البریلویہ

۱۰ نمبر

ص ۲-۳

” (تقدیم)

۱۱ ایضاً

ص ۱

”

۱۲ ایضاً

آیت ۶

الحجرات ۶۹

۱۳ القرآن:

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم تحقیق کرو۔“

شیخ عطیہ محمد سالم نے چونکہ تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی اور ہو سکتا ہے کہ وہ تحقیق کرنا ہی نہ چاہتے ہوں۔ ذیل میں ہم ان کے ”فاضل مصنف“ کے بارے میں ایک اہل حدیث فاضل کے تاثرات بلا تبصرہ پیش کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ شیخ عطیہ محمد سالم کی تحریر قطعاً غیر تحقیقی ہے۔

ظہیر حافظ عبدالرحمن مدنی کی نظر میں

میاں فضل حق صاحب اہل حدیث پاکستان کے راہنما اور سنجیدہ شخصیت کے مالک ہیں، ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور ان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ اس پرچے کا شمارہ ۱۲ گست ۱۹۸۴ء ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں صفحہ پانچ سے سات تک، حافظ عبدالرحمن مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی کا ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے:

”احسان الہی ظہیر کے لیے چیلنج مباہلہ“

ذیل میں اس مضمون کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

● حقیقت یہ ہے کہ دنیا اس شخص کی محبت میں نہیں، بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لیے اسے سلام کرنے کی روادار ہے۔ چنانچہ اس کے چھپوے پن کا یہ عالم ہے کہ بات بات پر لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔

● الحمد للہ، مجھے اس شخص کی طرح کسی احساس کمتری کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں کہ اپنی تعریف میں خود ہی مضمون لکھ کر دوسروں کے نام سے یاد دہاؤں۔ میں سے مضامین اور کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کروں، اس سلسلہ میں میں کسی غیر کی گواہی کا محتاج بھی نہیں، بلکہ میرے گواہ، میرے اپنے شاگرد ہیں۔ جو خود احسان الہی ظہیر کے لیے عربی، اردو میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الہی ظہیر ان کا نام دیتے بغیر اپنے نام سے یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔

● کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اُس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اُس کے نام سے شائع ہوں گی۔ جہاں تک عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہی ہے ورنہ اُس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامریا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا۔ چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الہی ظہیر کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔

● یہ شکایت اس کی کتابوں میں اُردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اُردو عبارت کچھ ہوتی ہے اور عربی عبارت کچھ، جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔

● مسیٰ چینیانوالی اور احسان الہی ظہیر کے سابق اہل محلہ، ان دنوں کو نہیں بھولے جب یہ شخص چھوٹے بچوں کو چند ٹکے بلکہ بسا اوقات روپے دے کر یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے علامہ کہا کرو اور اب بھی اس شخص نے اپنی ذات سے دو تہی یاد شمنی کا یہی معیار قرار دے رکھا ہے کہ کون اُن کے نام سے پہلے علامہ لکاتا ہے اور کون نہیں۔

● ان خود ساختہ علامہ صاحب کے کویتی سرپرستوں کو تو ہم نے مباہلہ کا چیلنج پہلے سے دے رکھا ہے۔ اب ہم ان کے پیش کردہ نہ صرف جملہ نکات پر ان کا مباہلہ کا چیلنج قبول کرتے ہیں، بلکہ ان نکات میں ان حضرات کے بدنام زمانہ کردار کا اضافہ کر کے اس کو بھی شامل مباہلہ کرتے ہیں،

یعنی:

۱۔ لیا ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قومی اتحاد کی تحریک میں اس شخص نے قومی اتحاد کی جاسوسی کے عوض بھٹو حکومت سے لاکھوں روپے بطور رشوت

یا برائے نام قیمت پر پلاٹ اور کاروں کے پرمٹ حاصل نہ کیے تھے؟
(۲) یورپ کے نائٹ کلبوں میں پاکستان کے یہ علامہ صاحب "میں التحریر مجتہ
ترجمان الحدیث" کیا گل کھلاتے رہے ہیں؟

(۳) اس شخص کے وڈ راز ہتے دروں "جو اس کی جوتوں اور خلوتوں کے امین
ساتھیوں کی شہادتوں سے منظر عام پر آنے کا سعاد حاصل کرتے ہیں، کیا
یہ ان کی صداقت کے خلاف مبالغہ کر سکتا ہے۔

(۴) اپنے گھر میں جوان نوکرائیوں کے قتلوں کے بارے میں مبالغہ کی جرأت
پاتا ہے؟

(۵) حکومت عراق سے لاکھوں روپے آپ نے کس کار خیر کے سلسلہ میں
وصول فرمائے تھے؟

(۶) حکومت سعودیہ کو ورغلانے کے لیے موجودہ حکومت پاکستان کی شیعہ حمایت
کے بے بنیاد قصوں کے محاسبہ اور دونوں حکومتوں کے درمیان جاسوسی کے
متضاد کردار کو بھی شامل مبالغہ فرمایا جیتے۔

(۷) شاہی مسجد لاہور کے حالیہ واقعہ "یار رسول اللہ کالفرنس" کے سلسلہ میں
حکومت پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کے لیے حکومت سعودیہ کو رپورٹیں
دینے اور کویتی وفد سے طویل مجلس کو بھی عنوان مبالغہ کا شرف عنایت کیجئے۔
۸۔ "البریلویہ" کے نام سے عرب ممالک میں ایک عربی کتاب کی وسیع پیمانہ
پراشاعت، لیکن انہی دنوں میں پاکستان کے بریلویوں سے اتحاد، جسے
اخبارات نے "سہ جماعتی اتحاد" کا نام دیا۔

اسی طرح "الشیعہ والسنۃ" لکھنے کے باوجود شیعہ علماء کے لیے عرب
ممالک کے ویزے کے لیے کوششیں کرنے، نیز حکومت کے ایک اعلیٰ

عہدیدار کی والدہ کی وفات کی رسم نقل میں شرکت، لیکن سٹیجوں پر اس رسم کو بدعت قرار دینے کو بھی موضوع مباحلہ بنالیجئے۔

(۹) ریس کورس کے لیے گھوڑوں پر شرطیں پڑنے اور اس خلاف اسلام کاڑبا میں شرکت پر بھی مباحلہ کے سلسلہ میں نظر کرم ہو جائے۔

(۱۰) کویتی وفد کی اعلیٰ حیثیت اور ان کی طرف سے کروڑوں روپے کے تعاون کے اعلانات کے پس پر وہ حالیہ حکومت پاکستان کے خلاف، اسلام دشمن سیاسی تنظیموں کی سرپرستی اور ایم۔ آر۔ ڈی کو تقویت بھی مباحلہ میں شرکت کی اجازت چاہتی ہے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا الزامات، جناب علامہ (احسان الہی ظہیر) صاحب کے خلاف سماجی اور سیاسی حلقوں میں مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض رسائل و جرائد میں چھپ بھی چکے ہیں، لیکن حقیقت حال کی وضاحت نہ کی گئی اور ایک چُپ میں ہزار بلائیں ٹال دی گئیں۔

علاوہ ازیں ان جملہ خدمات کے ثبوت کے عینی شاہد ان حضرت کے منبر پر یہ باتیں بیان کرنے کی خواہش رکھتے تھے، لیکن چونکہ بات مباحلہ تک پہنچ چکی ہے، اس لیے مباحلہ میں، مولویت کے لبادے میں اس فتنہ پرور آدمی کے کردار سے پردہ اٹھ ہی جانا چاہیے، جس کے باعث جماعت اہل بیت کسی بھی شرعی مسئلہ میں اختلاف نہ رکھنے کے باوجود بُری طرح انتشار کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

● درحقیقت مذکورہ بالا الزامات حکومت کے ریکارڈ اور عین (یعنی گواہوں کی شہادتوں سے ثابت کیے جاسکتے تھے، لیکن احسان ظہیر نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے گھناؤنے کردار کو چھپانے کے لیے خود پہلا وار کرنا مناسب

سمجھا اور بوکھلا کر خود ہی مباہلہ کا چیلنج دے دیا، حالانکہ یہ بھی ایک دھوکہ ہے۔

● ہمیں یقین ہے کہ انشاء اللہ اس مباہلہ کے ذریعے ہم سرفرو ہوں گے، اور اُس کے جھوٹوں اور بہتانوں، نیز اس کے اپنے کردار پر ایک عظیم اجتماع گواہ ہو سکے گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے یہ شخص جس کی دراز دستیوں اور زبان درازیوں کی ابتدا اپنے ہی باپ پر زیادتی سے ہوئی تھی اپنے انجام کو جلد پہنچنا چاہتا ہے۔^۱

یہ طویل اقتباسات کسی سُنتی بریلوی عالم کے نہیں ہیں، بلکہ خود ان کے ہم مسلک بھائی، اہل حدیث حافظ عبدالرحمن مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی کے ارشادات ہیں۔ شائستگی اور متانت ہمیں اس قسم کی گفتگو کی اجازت نہیں دیتی، ورنہ یہ سلسلہ مزید دراز ہو سکتا ہے، اسی لیے قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے انتہائی تند و تیز زبان میں عائد کیے گئے الزامات کے جواب میں وہ زبان استعمال نہیں کی، صرف حقائق کے چہرہ سے نقاب الٹنے پر اکتفا کیا ہے۔ کاش کہ شیخ عظیم محمد سالم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر تھوڑی سی توجہ مبذول کر دیتے:

يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا
ان تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم ندمين^۲
اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں
کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔
کنز الایمان،

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، شمارہ ۳، اگست ۱۹۸۴ء، ص ۵

۱۔ عبدالرحمن مدنی، حافظ:

المحجرات ۴۹ آیت ۶

۲۔ القرآن:

جہاں مذہبی اختلافات اس حد تک پہنچ جائیں کہ ایک فریق دوسرے کو کافر و شرک قرار دے رہا ہو، وہاں محض کسی ایک فریق کے بیان پر اعتماد کر کے دوسرے کے حق میں فیصلہ صادر کر دینا کسی طرح بھی معقول نہیں، جب تک خود دوسرے فریق کے اقوال و معتقدات کا جائزہ نہ لے لیا جائے۔

غزوة بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کے بعد کعب بن اشرف پیچ و تاب کھاتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا، ابوسفیان (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) نے پوچھا، کیسے آئے؟ کعب نے کہا، ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے معاہدہ ختم کر کے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان کے کہنے پر کعب نے بت کو سجدہ کیا، پھر ابوسفیان نے کہا تم کتاب پڑھتے ہو اور ہم اُمی ہیں، یہ تو بتاؤ کہ ہم میں سے کون ہدایت پر ہے، ہم یا محمد؟ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کعب نے کہا تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا،

”ہم حجاج کے لیے اونٹ نحر کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں کو رہائی دلانا، بیت اللہ شریف کی تعمیر اور اس کا طواف ہمارا کام ہے اور ہم اہل حرم ہیں۔“

اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اپنا آبائی دین اور حرم بیت اللہ چھوڑ دیا، قطع رحمی کی، ہمارا دین قدیم اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دین نیا ہے۔ کعب نے آنکھیں بند کر کے ابوسفیان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا،

انتم والله اهدى سبيلا مما علي، محمد له

اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

المترالى الذين او توائصيبا من الكتاب يؤمنون
بالحبت والطاعوت ويقولون للذين كفر واهولاء

اهدى من الذين امنوا سبلا اولئك الذين
لعنهم الله ومن يلعن الله فلن تجد له نصيراً
”کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا، ایمان لاتے ہیں بت اور
شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں یہ ہیں جن
پر اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے، تو سب گزاس کا کوئی یار نہ پائے گا“
کہنا یہ ہے کہ محض مخالف کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے بلا تحقیق فیصلہ صادر کر دینا
نہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ ہے اور نہ ہی اسے اہل علم و دانش قبول
کر سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے جس طرح اپنے دین کی خوبیاں اور دین مصطفیٰ کی خامیاں بیان
کیں، کیا کوئی ہوشمند اور منصف حج اس بیان پر ایک طرف فیصلہ کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو شیخ
عطیہ محمد سالم کے لیے یک طرفہ فیصلہ کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟
شیخ عطیہ محمد سالم نے محض ایک مخالف کے بیانات پر اعتماد کر کے اہل سنت و جماعت
کے خلاف جو یک طرفہ فیصلہ دیا ہے اور جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے، اس سے ان کے
غیر علمی اور غیر ذمہ دارانہ انداز فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔
وہ کہتے ہیں:

”اس کتاب (البریلویہ) کے مصنف نے فرقہ بریلویہ اور ان کے قریبی فرقوں
قادیانیہ اور بابیہ کو قوی اسلوب اور علمی تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے (ترجمہ مختصراً)
”اس کی تمام تخریبات نچنگی، اعتدال، دلائل اور سداقت سے
مالا مال ہیں۔“

۱	الآیة	النساء ۴	۱
۲	ص	تقدیم البریلویہ	۲
۳	ص	”	۳

کاش! کہ وہ انصاف اور دیانت کے تقاضوں کے مطابق اہل سنت کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی زحمت اٹھا لیتے، تو ان کا فیصلہ یقیناً مختلف ہوتا۔

دور زوال یا دورِ کمال؟

امام احمد رضا بریلوی (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء = ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کا دورِ سیاسی اعتبار سے پہلے زوال اور پھر عروج کا زمانہ ہے، لیکن علمی، ادبی اور فکری لحاظ سے یہ دور مسلمانانِ ہند کا زریں دور ہے۔ اس عرصے میں جتنی قدآور شخصیتیں، اُفق متحدہ پاک و ہند پر نمودار ہوئیں، بعد کے زمانوں میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

حکیم عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں علماء ہند کا تذکرہ کیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں جلد میں تیرھویں اور چودھویں صدی کے علماء کا تذکرہ ہے۔ ایک نظر ان جلدوں کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی صداقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

ابوالحسن علی ندوی، آٹھویں جلد کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”اس جلد میں سابقہ تمام زمانوں کی نسبت، حالاتِ علماء کی کثرت اور رنگارنگی میں زیادہ وسعت ہے، اس میں بڑے بڑے علماء، نابغہ عصر مؤلفین اجلہ مشائخ، تربیت دینے والے اربابِ قلوب، عظیم معلم، اصحابِ درس و تخریج ہیں، ان میں جدید فکر کے قائدین اور تحریکوں کے راہنما ہیں، ان میں ادبا ہیں، شعراء ہیں اور سیاسی معرکوں میں بے خطر کود جانے والے لیڈر ہیں۔ شیخ عطیہ محمد سالم نے تاریخ ہند کا مطالعہ نہیں کیا، اس لیے وہ کہتے ہیں: ”یہ دور ہند میں علمی، فکری، حقیقی کہ ادبی ترقی کا دور نہیں ہے۔“

ج ۸، ص ۸

مقدمہ نزہۃ الخواطر (نور محمد کراچی)

ابوالحسن علی ندوی:

ص ۳

تقدیم البریلوی

شیخ عطیہ محمد سالم:

لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف علمی اور فکری لحاظ سے اس دور کو نہری قرار دے

رہا ہے، اہی کا بیان ہے:

”۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۵ء تک وہابیوں کو بیخ و بن سے اُکھٹانے کے لیے ان کے علماء، زعماء اور قائدین کو تختہ دار تک پہنچایا گیا“ اس دور میں نہیں قید کیا گیا وہ اہل توحید کے عموماً اور اہل حدیث کے خصوصاً سربراہ اور وہ علماء تھے۔ مثلاً شیخ جعفر تھانی، شیخ عبد الرزیم، عبدالغفار، شیخ المسلمین، شیخ یحییٰ علی صادق پوری اور شیخ احمد اللہ وغیرہ۔ پھر ان کے بعد اہل حدیث کے قائد، زعمیم اور سلف صالح کے متبع، العلم الرفیع، شیخ الكل سید نذیر حسین دہلویؒ لے

جبکہ عطیہ محمد سالم، اس دور کو بانجھ اور ناقابل ذکر قرار دے رہے ہیں گویا تقدیم گزار خود مصنف کی تکذیب کر رہے ہیں، بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ گئے کہ:

”استعمار کی عادت یہ ہے کہ ہر اس تحریک کا گلا گھونٹ دے جس میں زندگی کی رمت موجود ہو، لہذا یہ ظائفہ (بریلویہ) استعمار کے سامنے میں اس کی خدمت کے بغیر ابھری نہیں سکتا تھا۔“ لے

یہ تو آپ الگ باب میں ملاحظہ کریں گے کہ اہل حدیث نے انگریزی دور میں کتنی ترقی کی اور کس قدر خادمانہ روابط استوار رکھے۔ اس جگہ صرف ایک اقتباس پیش کرنا مناسب ہے گا۔ ایک دفعہ کسی مخالف کی شکایت پر میاں نذیر حسین دہلوی گرفتار ہو گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد رہا کر دیئے گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟

”انگریز ان کی سمیت علمی، بلند مقام اور مسلمانوں میں ان کے اثر و رسوخ

ص ۳۷

البریلویہ

لے نمبر:

ص ۳

تقدیم البریلویہ

لے عطیہ محمد سالم

سے خائف تھے، اس لیے ان کے معاملہ میں پریشان ہو گئے کہیں مسلمان
بھڑک نہ اٹھیں اور قیامت نہ آجائے۔“

عظیۃ محمد سالم کے بیان کی روشنی میں سوچیے کہ میاں صاحب کو اس قدر عروج
اور قوت و شوکت کیسے حاصل ہو گئی؟ جبکہ استعمارِ اُس تحریک کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے
جس میں زندگی کی کوئی بھی علامت موجود ہو۔

مرزا غلام قادر بیگ

بٹلر کے دستِ راست گوئبلز کا قول ہے کہ جھوٹ اتنا بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے
لگے۔ امام احمد رضا بریلوی کے چند ابتدائی کتب کے استاد، مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ
کے بارے میں مخالفین نے اسی مقولے پر عمل کرتے ہوئے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کیا کہ وہ
مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

مرزا کا بھائی ۱۸۸۲ء میں فوت ہو گیا تھا، جبکہ مرزا غلام قادر بیگ، ۱۸۹۷ء میں کلکتہ
میں حیات تھے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ کی جائے۔ دراصل نام کے اشتراک سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو مرزائی اور کافر بنا دیا اور اس سے
ان کے دل پر کوئی ملال نہیں آیا کہ کسی دلیل اور ثبوت کے بغیر ہم نے ایک مسلمان کو کافر کیوں قرار
دیا؟ اور ملال آئے بھی تو کیوں کہ جبکہ یہ لوگ تمام عامۃ المسلمین کو کافر قرار دے کر بھی اپنے
ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے۔

عظیۃ محمد سالم بھی اسی پروپیگنڈے کے زیر اثر یہ کہہ گئے:

”بریلویہ کے بانی کا پہلا استاد، مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی

ص ۳۸

البریلویہ

۱۰ طہیر:

ص ۴

تقدیم البریلویہ

۲۰ عظیۃ محمد سالم،

کا بھائی تھا، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ قادیانیت اور بریلویت دونوں استعمار

کی خدمت میں بھائی بھائی ہیں۔

اگر کسی دعوے کا ثابت کرنا واقعی محتاج دلیل ہوتا ہے تو ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے دعوے کی صداقت پر کوئی دلیل پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ قیامت تک کوئی دلیل نہ لاسکیں گے۔

نادرا استدلال

عطیہ محمد سالم، نہ جانے کس قابلیت کی بنا پر قاضی بنا دیئے گئے کہ وہ فیصلہ دیتے وقت محض سنی سنائی باتوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ دلائل و شواہد پر توجہ دینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے اور جن امور کو وہ منطقی دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں، انہیں دیکھ کر منطوق کا ابتدائی طالب علم بھی مسکراتے بغیر نہ رہ سکے گا۔

ذرا انداز استدلال ملاحظہ ہو، مغالطہ کی صحیح تصویر آپ کے سامنے آجائے گی، وہ

لکھتے ہیں:

”بریلویوں نے دیوبندیوں کی تکفیر کی ہے

دیوبندی حنفی ہیں

بریلوی بھی حنفی ہیں

لہذا بریلوی خود کافر ہوں گے

یہ واضح منطقی قیاس ہے۔“

اگر عطیہ محمد سالم نے منطوق کی کوئی ابتدائی کتاب بھی پڑھی ہوتی تو وہ کبھی اس مغالطہ

ص ۴

تقدیم البریلویہ

ان عطیہ محمد سالم

ص ۱۲

”

بہ ایضاً

کو قیاس منطقی قرار دینے کی جرأت نہ کرتے۔ ان کی منطق کے مطابق کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے،
 "عظیۃ محمد سالم اور دیگر نجدی علماء بریلویوں کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں
 واللہ!"

بریلوی کلمہ گو ہیں

• اور نجدی بھی کلمہ گو ہیں

لہذا نجدی خود کافر و مشرک ہوں گے

اور یہ واضح قیاس منطقی ہے

منطقی اصطلاح کے مطابق یہ قیاس اقترانی عملی شکل ثانی ہے جس میں حد اوسط،
 صغریٰ اور کبریٰ دونوں میں محمول ہوتی ہے۔ لیکن اس شکل کے نتیجہ دینے کے لیے ضروری ہے
 کہ دونوں مقدمے ایجاب و سلب میں مختلف ہوں۔ یعنی ایک موجب ہو تو دوسرا سالب ہو۔
 علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

وفي الثاني اختلافهما في الكيف و كليات الكبرياء له
 "شکل ثانی میں شرط یہ ہے کہ دونوں مقدمے ایجاب و سلب میں مختلف ہوں

اور کبریٰ کلیہ ہو۔"

شیخ عظیۃ کے پیش کردہ دونوں مقدمے موجبے ہیں،

دیوبندی حنفی ہیں

بریلوی بھی حنفی ہیں

اول تو یہ قیاس منطق کے قواعد کی رُو سے ہے ہی غلط اور اگر صحیح بھی ہوتا تو اس کا نتیجہ

یہ ہوتا: — دیوبندی، بریلوی ہیں

شہان اللہ! کیا منطق ہے اور کیا شان استدلال؟

لہ سعود بن عمر تفتازانی، سعد الدین: تہذیب مع شرح (سکندر علی، کراچی) ص ۴۱

یہ تو عقلی استدلال تھا، نقلی دلیل بھی ملاحظہ ہو:

”علماء کا قدیم مقولہ ہے کہ جس نے اپنی جنس کو گالی دی، اس نے اپنے آپ

کو گالی دی، تو انہوں نے غیر محسوس طریقے پر اپنے آپ کو کافر قرار دے دیا۔

قطع نظر اس سے کہ حکم شرعی کے بیان کو گالی دینا نہیں کہہ سکتے، یہ کہنا سہ سے غلط ہے

کہ دیوبندی بریلوی کی جنس ہے، انہوں نے خود کہا ہے:

”دیوبندی مذہب حنفی کی طرف منسوب ہونے میں بریلویوں کے ساتھ

شریک ہیں۔“

اس لیے دیوبندی اور بریلوی میں سے کسی کو دوسرے کے لیے جنس نہیں کہہ سکتے۔

ہر ایک الگ الگ نوع ہے اور نہ وری نہیں کہ ایک نوع کا حکم دوسری نوع پر بھی لگے۔

قائد اعظم اقبال اور نسیا۔

تحریک پاکستان کے دور میں سیاسی لیڈر مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ کچھ لوگ

انگریزوں کے حامی اور نوید تھے، کچھ انگریزوں کے دشمن لیکن ہندو کے دل و جان سے دوست

اور اتحادی تھے۔ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء کا دین اور اسلامی

نقطہ نظر یہ تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں ہی جہالت و دشمنی ہیں۔ ہندو اور مسلمان دو الگ

الگ قومیں ہیں یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جسے بعد میں علامہ اقبال اور قائد اعظم نے اپنایا

اور اسی نظریے کی بنا پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا بنارس میں تاریخی اجلاس ہوا جس میں اہل سنت

و جماعت بریلوی کے تمام علماء اور مشائخ نے شرکت کی اور مطالبہ پاکستان کی بھرپور

ص ۴

تقدیم بریلوی

لے عطیہ محمد سامی

ص ۴

لے البقا

حمایت کی۔ اس دور میں مسلم لیگ اور قائد اعظم کے مطالبہ پاکستان کی حمایت جس زور اور جہت سے انداز میں اہل سنت و جماعت کے سٹیج سے کی گئی اور کسی طرف سے نہیں کی گئی۔

عظیہ محمد سالم کی تاریخ سے بے خبری ملاحظہ ہو، وہ کہتے ہیں:

”بریلویوں نے بانی پاکستان محمد علی جناح اور شاعر اسلامی پاکستانی محمد اقبال بلکہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کی تکفیر کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بریلویوں کے دوست انگریزی استعمار کے دشمن تھے اور انہوں نے انگریزوں کو نکلانے کے لیے جہاد کیا تھا۔“

حالانکہ تحریک پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ اگر علماء اور مشائخ اہل سنت حمایت نہ کرتے تو یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکتی تھی یا پھر پاکستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔
تفصیل آئندہ اوراق میں ”اسلامی سیاست“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ ہو۔

علامہ اقبال اور قائد اعظم کے خلاف فتویٰ دینے کے سلسلے میں تجانب اہل السنۃ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ مولانا محمد طیب کی انفرادی رائے تھی جسے علماء اہل سنت کی جماعتی طور پر پتہ نہیں ہوئی۔ شخص واحد کی انفرادی رائے کو پوری جماعت پر ٹھونس دینا کسی طرح بھی قرین النساف نہیں ہے۔

احسان الہی ظہیر لکھتے ہیں:

”ہم یہ عقائد و معتقدات اور ان کے دلائل خود احمد رضا بریلوی، ان کے خواص اور اس گروہ کے خواص و عوام کے نزدیک معتمد حضرات اور ان نمایاں شخصیات سے نقل کریں گے جو ان کے نزدیک بغیر کسی اختلاف کے مسلم ہوں۔“

ص ۵

تقدیم البریلویہ

لہ عظیہ محمد سالم

ص ۲۰۵-۷

البریلویہ

ظہیر

ص ۵۶

”

ظہیر

اب ان لوگوں سے کون پوچھے کہ تجانب اہل السنۃ کے مصنف مولانا محمد طیب کہاں کی مسلم نمایاں اور غیر متنازع فیہ شخصیت ہیں؟ خود ظہیر صاحب نے بریلویوں کے جن زعماء کا ذکر کیا ہے۔ ان میں مولانا محمد طیب کا ذکر نہیں ہے، یہ کہاں کی دیانت ہے کہ ان کے اقوال تمام اہل سنت کے رتھوپ دیتے جائیں؟

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

”مولانا طیب صاحب ہمدانی مصنف تجانب اہل سنت علمی اعتبار سے کسی گنتی اور شمار میں نہیں ہیں، وہ مولانا حشمت علی کے داماد تھے اور ان کا مبلغ علم فقط اتنا تھا کہ وہ شر قیور کی ایک چھوٹی سی مسجد کے امام تھے اور بس، تجانب اہل سنت میں جو کچھ انہوں نے لکھا وہ ان کے ذاتی خیالات تھے اہل سنت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ نے بنارس کانفرنس میں قرارداد قیام پاکستان منظور کر کے مولانا حشمت علی کے سیاسی افکار اور تجانب اہل سنت کے مندرجات کو عملاً رد کر دیا تھا، لہذا سیاسی نظریات میں ایک غیر معروف مسجد کے غیر معروف امام (مولانا طیب) اور غیر مستند شخص کے سیاسی خیالات کو سوادِ اعظم اہل سنت پر لاگو نہیں کیا جاسکتا۔ نہ یہ شخص ہمارے لیے محبت ہے اور نہ اس کے سیاسی افکار تھے۔“

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں،

”تجانب اہل سنت کسی غیر معروف شخص کی تصنیف سے جو مدتے نزدیک قطعاً قابل اعتماد نہیں ہے، لہذا اہل سنت کے مسلمات میں اس کتاب کو شامل کرنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کا کوئی حوالہ ہم پر مثبت نہیں

تھے، سالہا سال سے یہ وضاحت اہل سنت کی طرف سے ہو چکی ہے کہ ہم اس کے کسی حوالہ کے ذمہ دار نہیں۔

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ تحریک پاکستان کے زمانے میں علمائے اہل حدیث اور علماء دیوبند کی اکثریت مخالف تھی البتہ بعض علماء جامی تھے۔ مولوی داؤد غزنوی اہل حدیث اور علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی آخر میں جا کر مسلم لیگ میں شریک ہوئے، جبکہ اہل سنت و جماعت دیوبندی کے تمام تر علماء پاکستان اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ اکاؤنٹا علماء جیسے مولانا شمس علی وغیرہ ضرور اختلاف رکھتے تھے، لیکن وہ بھی نظریہ پاکستان کے مخالف یا کانگریس کے حامی نہ تھے۔ ان کا اختلاف محض اس بنا پر تھا کہ مسلم لیگ مختلف بد مذہبوں کا ملعوبہ ہے، ہم اس کی حمایت نہیں کر سکتے۔ اہل سنت کی نمائندہ تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس چونکہ مسلم لیگ کی حامی تھی، اس لیے وہ اس تنظیم سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کے اجلاس میں پانچ بڑے علماء و مشائخ نے ڈٹے کی چوٹ پر مطالبہ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کر کے ان حضرات کا انفرادی موقف مسترد کر دیا تھا۔ بعد میں مولانا شمس علی خاں نے بریلی جا کر سنی کانفرنس کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا، جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے سنی کانفرنس کی مسلم لیگ کی حمایت کو تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت علامہ امدادیہ عابدی کاظمی مدظلہ فرماتے ہیں:

”مولانا شمس علی خاں کے بارے میں مشہور اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ انہوں نے بریلی شریف جا کر عقی اعظم ہند حمد اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں منعت جوئے والی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کی مخالفت سے توبہ کی تھی۔“

لہ قلمی یادداشت حضرت مولانا محمد تقی عثمانی، ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۰ء، سنوٹا نزد، قمر شرف تادی

لے ایضاً

علامہ عثمانی دیوبندی نے غفلتِ زمین میو بارونی وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندھی کالیاں اور نشی اثتہارات اور کارٹون

جمائے متعلق چسپاں کیے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا بننا زوالا کیا

آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا؟“

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی حمایت کرنے پر دیوبند کی فضا میں ان

کے خلاف کس قدر اشتعال تھا؟

مجاہد ملت مولانا عبد الشارح نیا زئی نے یہ عنوان تحریر کیا پاکستان میں غیر متقدمین کا

طریقہ عمل لکھتے ہیں:

”بہ نسبت پاک و ہند کے ہر کہ وہ کو معلوم ہے کہ آپ نے الٹا اکابر نے تحریک

پاکستان کی نہ تو مزاحمت کی بلکہ پاکستان دشمن جماعتوں کے سرخیل اور سرکردہ بن

ہیں۔ مولانا سید اسماعیل صاحب غزنوی کی ذاتِ مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے اصولی

طور پر پاکستان کی حمایت کی مگر ان کا کردار نمایاں نہیں رہا دوسرے عظیم رہنما

حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی جو پنجاب میں ہندو نیشنل کانگریس کے

صدر تھے، کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے

ساتھ مل کر مسلمانوں پر ذلت و ذلت کو ساطیلا، البتہ عوام اہل حدیث کا دھما

نظر یہ پاکستان کے حق میں تھا اور بالآخر ان کے دباؤ سے مولانا سید محمد داؤد صاحب

غزنوی بھی تحریک پاکستان میں شامل ہو گئے۔“

اسان ابی ظہیر، وکیل اہل حدیث محمد حسین بٹالوی کی انگریزی نوازی سے اساتذہ میں گزرتے

اس لیے کلو خلائق کو رائے کے لیے اپنے خیال میں اسان راستہ تجویز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الطہارۃ المدقانی معانۃ الصمدین، الامت دیوبند، ص ۱۱

مجاہد ملت مولانا عبد الشارح نیا زئی، گجرات، ص ۱۱

”رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا، تو ہم اس سلسلہ میں متنبی
 قادیانی کی امت کی طرح کسی قسم کی تاویل و تحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے
 اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا، تو غلط کیا، ہم انہیں
 نہ معصوم سمجھتے ہیں نہ صاحب شریعت کہ ان کی بر بات ہمارے لیے حجت و سند ہو
 قوم میں ایسے لوگ بھی جوتے ہیں جن سے غلطیوں اور لغتوں کا صدور ہوتا ہے
 ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بنا پر
 کسی گروہ کو مطعون کیا جاسکتا ہے“ لہ

یہی فارمولا اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جائے، تو قابل قبول کیوں نہیں ہے۔ چند
 افراد کے افکار کی ذمہ داری تمام جماعت پر کس طرح ڈالی جاسکتی ہے؟ ہمارے علم نے بھی
 لگی لپٹی کے بغیر تجانب اہل السنۃ کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

پھر یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ جن ایڈریسوں کی ذمہ داری تنہا بٹالوی صاحب پر ڈالی جا رہی
 ہے ان میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ اہل حدیث کے بڑے بڑے (شیخ الكل قسم کے) علماء بھی شامل
 ہیں۔ چند اسماء ملاحظہ ہوں۔ لارڈ ڈفرن، گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کو دیئے گئے ایڈریس
 (سپاس نامہ) میں شامل چند علماء کے نام یہ ہیں:

”مولوی سید محمد نذیر حسین دہلوی، ابوسعید محمد حسین (بٹالوی) وکیل اہل حدیث، ہند
 مولوی محمد یونس خاں، رئیس دتا ولی علیگرہ، مولوی قطب الدین، پیشوائے
 اہل حدیث روپڑ، مولوی محمد سعید، بنارس، مولوی الہی بخش پلڈر، لاہور۔
 مولوی سید نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس وغیرہ“ لہ

اُس وقت، کے اہل حدیث، کے جتنے بڑے بڑے پیشوا ہیں وہ سب اس ایڈریس (سپاس نامے)

مرزائیت اور اسلام (ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور) ص ۲۳۳

لہ ظہیر:

ج ۱۱ شمارہ ۰۲ ص ۴۱-۴۲

اشاعت السنۃ

لہ محمد حسین بٹالوی:

میں شریک ہیں، مگر پوری قوم کا جرم ایک بے چارے بٹالوی کے سر منڈھا جا رہا ہے اس کے برعکس اہل سنت و جماعت کے چند افراد کے افکار کی ذمہ داری پوری جماعت پر ڈالی جا رہی ہے۔ اس الٹی گنگا کا کیا علاج؟

پھر نطف کی بات یہ کہ سر فہرست میاں نذیر حسین دہلوی کا نام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ خود ان سے سنیے:

”قائد اہل حدیث، سلف صالح کے متبعین کے زعمیم، بلند پہاڑ شیخ الکل“

سید نذیر حسین محدث دہلوی ر۔ ل۔

”محدث جلیل عالم نبیل اپنے دور میں طائفہ منصورہ کے شیخ ربانی اولاد رسول سید نذیر حسین دہلوی جنہوں نے پاک و ہند میں سنت کا جھنڈا بلند کیا، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کو دور کیا، اس خطے کو کتاب و سنت کے نور سے منور کیا، ہوشاہ ولی اللہ دہلوی کی مسند پر بیٹھا اور اس نے ان کی تعلیمات کی تنقیح، تہذیب اور تجدید کی“

ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں اہل حدیث کے شیخ الکل کی اس سپاس نامے میں مذکور ہی پوری جماعت اہل حدیث کی حاضری تھی بسن ان کے ساتھ ساتھ علی گڑھ روپڑ بنارس لاہور اور مدراس وغیرہ مقامات کے پیشوایان اہل حدیث بھی شامل ہوں تو اس سپاس نامے کی ذمہ داری صرف بٹالوی کے سر ڈال دینا انصاف کا خون بہا دینے کے مترادف ہو گا پھر محمد حسین بٹالوی بھی اہل حدیث جماعت کا کوئی معمولی فرد نہیں ہے بلکہ امام الحدیث کا وکیل ہے اس کی ایک اپیل پر ہزاروں قراردادیں ملک کے طول و عرض سے موصول ہو جاتی ہیں۔

علامہ اقبال نجدی علماء کی نظر میں

علیہ محمد سالم، علامہ اقبال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں،
اسلامی پاکستانی شاعر، محمد اقبالؒ

البریلویہ کے مسندت ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں،
”شاعرِ رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، ہندو پاک میں مسلمانوں
کا شاعر جس نے اس خطے کے لوگوں میں جہاد کی روح بھوسٹی۔ . . .
ڈاکٹر محمد اقبالؒ“

غالباً ان دونوں مسندت اور مقدمہ نگار، کو معلوم نہیں ہے کہ نجدی علماء کی علامہ اقبال
کے بارے میں کیا رائے ہے؛ روزنامہ نوائے وقت لاہور میں جناب محمد امین کا ریاض سے
بھیجا ہوا مراسلہ چھپا تھا جس کا عنوان ہے:

سعودی عرب میں اقبالیات کا ابلاغ

ان کا بیان ہے کہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۰ء کو ریاض یونیورسٹی میں اسلامی فکر کی تجدید کے
عنوان سے ایک سیمینار ہوا جس میں سعودی عرب کے سب سے بڑے مذہبی رہنما شیخ
عبد العزیز بن باز، معروف مصری مفکر محمد قطب (سید قطب شہید کے بھائی) سوڈان
کے ڈاکٹر جعفر شیخ ادیس اور معروف مؤلف اور روشن نظر عالم دین جناب محمد صباح نے
خطاب کیا۔ سیمینار کے آخر میں سوال و جواب کا ایک پروگرام ہوا اور اس نشست کا
آخری سوال اقبال کی کتاب تشکیل جدید البیات اسلامی کے بارے میں تھا جس کا عربی
ترجمہ تجدید التفکر الدینی فی الاسلام کے نام سے موجود ہے۔ ڈاکٹر جعفر شیخ ادیس نے

ص ۵

تقدیم البریلویہ

اد علیہ محمد سالم،

ص ۲۰۵

البریلویہ

تہ ظہیر:

یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ اس کتاب میں کچھ باتیں قابل اعتراض ہیں۔ معتدل موقف اختیار کیا لیکن استاذ صباغ نے اقبال پر شدید تنقید کی اور کہا:

”اس کتاب کی عبارتیں گمراہ کن ہیں، بلکہ اس میں بعض باتیں کفر تک لے جانے والی ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک کتاب ہے اور طلباء کو اس سے متنبہ رہنا چاہیے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار بھی کیا کہ ایسی کتا ہیں بغیر تعلیق اور حواشی کے نہیں چھپنی چاہئیں۔“

مراسلہ نگار لکھتے ہیں:

”سوء اتفاق سے جناب محمد قطب نے بھی استاذ صباغ کی تائید کی اور کہا کہ اس کتاب کا پڑھنا عام طلباء کے لیے خطرے سے خالی نہیں، اس میں بہت سی باتیں خلاف حقیقت ہیں۔ نیز یہ کہ اقبال مغربی فلسفے اور خاص کر جرمن فلسفے سے متاثر ہے اور تصوف کے بعض غیر اسلامی نظریوں کا قائل ہے۔“

کیا البرلویہ کے مصنف، اور تقدیم نگار یہ وساحت کریں گے کہ شاعر اسلامی، شاعر رسالت محمد کے بارے میں یہ روئے کیوں اختیار کیا گیا؟ اور شیخ عبدالعزیز اور دیگر سکالروں نے یہ سب فتوے سن کر اختلاف کیوں نہ کیا؟ کیا یہ نجدی علماء کا اجماع سکوئی نہ ہوگا؟ پھر تصوف کے ان غیر اسلامی نظریوں کی وضاحت بھی ہونی چاہیے، جن کا اقبال قائل ہے۔

صدرِ پاکستان

عطیہ محمد سالم کہتے ہیں کہ ”یہ لوگ تکفیر میں جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کو بھی کافر قرار دے چکے ہیں۔“ لہ

لہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱ شماره یکم دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۳
 ۲ عطیہ محمد سالم: تقدیم البرلویہ ص ۵

اس کھوکھلے دعوے کی بنیاد یہ فراہم کی گئی ہے کہ جب مسجد نبوی اور مکہ معظمہ کے امام پاکستان آئے، تو صدر اور گورنر پنجاب سوار خاں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی، کسی نے سوال کیا کہ ان کا حکم ہے؟ مفتی سید شجاعت علی قادری نے جواب دیا:

”حضرت نورانی فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص وہابی

سجدوں کو مسلمان جانے یا ان کے پیچھے نماز پڑھے، وہ کافر و مرتد ہے۔“

اس مضمحکہ خیز دعویٰ اور اس کی دلیل کا بودا پن اس سے ظاہر ہے کہ مفتی سید شجاعت علی قادری کو حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیا ہے۔ کیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ صدر پاکستان محمد ضیاء الحق اس شخص کو وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیں گے جو ان کے کفر کا فتویٰ دے چکا ہو، گویا تکفیر اہل کفر کا نامہ ہے جس پر اعزاز و اکرام سے نوازا جا رہا ہے۔

مفتی سید شجاعت علی قادری کی وضاحت بھی ملاحظہ ہو:

”میرے نام سے بہت سے ایسے فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں، جن پر کوئی ذی ہوش

انسان کبھی یقین نہیں کر سکتا ہے اور جن کی تردید میں بارہا کر چکا ہوں، مثلاً یہ کہ میں

نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب وغیرہ کو کافر کہا ہے“

پاکستان کے موجودہ صدر سعودی عرب حکومت اور علماء کے منظور نظر ہیں۔ سعودی عرب

اور اس کے زیر اثر عرب ریاستوں میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ

قرآن کنزالایمان اور مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر خزان العرفان پر پابندی عائد

کی گئی، تو علماء اہل سنت کا ایک وفد صدر صاحب سے ملا، صدر نے کہا کہ یہ ان ممالک

کا داخلی معاملہ ہے، میں کس طرح مداخلت کر سکتا ہوں؟ بادشاہی مسجد میں ”نعرہ رسالت

کے جواب میں ذلیل جواب دینے والے شخص کے خلاف، یا رسول اللہ کا نعتیں

لے ظہیر

البریلویہ

ص ۲۰۸

۲۰ قلمی یادداشت، مفتی سید شجاعت علی قادری، تحریر ۱۱ جولائی ۱۹۸۲ء، محفوظ نزد راقم شہر فادری

کے مطالبہ پر قائم کردہ ٹریبونل کا فیصلہ آج تک منظرِ عام پر نہ آسکا، حالانکہ یہ تو پاکستان کا خالص داخلی معاملہ تھا۔

سعودیہ کا مکتبۃ الدعوة لاہور، کروڑوں روپے کا دل آزار لٹریچر پاکستان میں مفت تقسیم کر رہا ہے، جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بت پرست قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ تو پاکستان کا خالص داخلی معاملہ ہے، لیکن حکومت نے اس کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

● "پاکستان میں قبروں پر پھپھول و نذر و نیاز کے سلسلے کی وجہ سے لوگوں کی عقیدت اللہ تعالیٰ سے ختم کی جا رہی ہے۔ ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔" لہ

● "جو شخص حضور علیہ السلام کی قبر کی طرف منہ کرتا ہے، اُس نے آپ کی قبر کو قبلہ و کعبہ بنا لیا، یہی شرکِ اکبر ہے اور یہی بعینہ بتوں کی عبادت ہے۔" لہ

● "بارہ سے آنے والے لوگ قبر النبی کو بت سمجھ کر پوجتے ہیں۔" لہ

● "تمام عالم اسلام میں شرک کیا جا رہا ہے اور وہ ہے قبروں کی عتیدت" لہ

● "صحابہ کرام اور اہل بیت کی قبروں کے سامنے دغا مانگنا اور غارِ حراء و ثور سے تبرک لینا حرام ہے۔" لہ

● "مسجد نبوی اور قبر شریف (روضۂ رسول علیٰ صاحبہا التسلوٰۃ والسلام) کے درمیان

۱۔	مقدمہ محمد بن عبدالوہاب	۱۔ محمد صادق خلیل، فیصل آباد
۲۔	المشابدات المعنویۃ رادارات البحوث العلمیۃ السعودیۃ، ص ۲	۲۔ محمد سلطان المعصومی المکی
۳۔	"	۳۔ ایضاً
۴۔	تظہیر الاعتقاد رادارات البحوث العلمیۃ السعودیۃ، ص ۴	۴۔ محمد بن اسماعیل مینی
۵۔	جان اوزبیرت کے شرعی آداب فصیح الغہ "ریاض" ص ۴	۵۔ عبدالعزیز بن عبداللہ

ایک یو ایک کڑی کی بجائے تاکہ وہ خدا کو الہی بنان ہو۔ لہ
 انبیاء اور صالحین کو سفارش مانی ماننا بالکل منہ کون کا عقیدہ ہے۔ لہ
 ”سالیقین کی قبروں سے تہ تک حاصل کرنے والے اس زمانے کے مسلمان
 توشہ کین، بے تہ کین آگے ہیں، لہ
 ”طیبہ کا سالم کتے ہیں،

” اس وقت جبکہ ہمیں وحدت کلمہ اور اپنی سفوں میں اتحاد کی شدید ضرورت
 ہے، بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتا ہے۔ لہ

یہ سب بہتان ہے کہ فاضل بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتے ہیں۔ انہوں نے
 صرف ایسے لوگوں کی تکفیر کی، جنہوں نے خدا و رسول کی بارگاہ میں نہ سچ گستاخی کی یا گستاخی پر
 آگاہ ہو کر بھی اسے سچ قرار دیا۔

شیخ عطیہ نے اپنے ہم خیال نجدی علماء کے رویے پر غور نہیں کیا جو اپنے علاوہ
 دنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ چند اقتباسات ابھی ابھی
 پیش کیے جانے ہیں، چند مزید حوالے دیکھ لیجئے؛

مترجم قرآن پاک جلد دو

شیخ عبدالعزیز بن باز ایک مکتوب میں لکھتے ہیں؛

۵ ص	تقدیم ابریلویہ	لہ طیبہ محمد سالم
۱۲۵ ص	قبروں پر مسجدیں (ضیاء السنۃ، لائل پور)	لہ ناصر الدین السبانی
۷۵ ص	اشوجید (الدار السلفیہ، بمبئی)	لہ احمد بن یونس ابوطامی سلمی
۵۵ ص	بداية المستفید شرح کتاب التوحید ترجمہ (انصار السنۃ، لاہور) ج ۱ ص	لہ عبد الرحمن بن حسن

”ہمیں بھی مختلف اداروں کی طرف سے اس مترجم کے نمونے موصول ہوئے ہیں، جن کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اس میں تحریفیات، اور جھوٹ بھرا پڑا ہے۔ لہذا تمام متعلقہ اداروں کو یہ اطلاع کر دی جاتے کہ جن مساجد میں اس کے نسخے ہیں یا کسی اور جگہ ہوں تو ان کو ضبط کر لیا جائے اور جلا دیا جائے۔“ لے

قصیدہ بُردہ اور دلائل الخیرات جلد دو

محمود مہدی استانبولی کی ایک تصنیف کُتُبُ یَسْتُ مِنْ الْإِسْلَامِ (غیر اسلامی
ابیں، المکتب الاسلامی، بیروت سے طبع ہوئی ہے اس کا ایک عنوان ہے:
حرقوا هذه الكتب لے (ان کتابوں کو جلا دو)
اس میں غیر اسلامی کتب میں سرفہرست جن کتابوں کو شمار کیا گیا ہے وہ ہیں:
قصیدہ بُردہ اور دلائل الخیرات لے

بخاری شریف جلد دو

۱۹۸۲ء میں عالمی سیرت کانفرنس، تہران میں اتحاد امت کے موضوع پر اظہارِ خیال
اتے ہوئے گوجرانوالہ کے اہل حدیث کے مولوی بشیر الرحمن مستحسن نے اپنی تقریر میں کہا:
”اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، وہ قابلِ قدر ضرور ہے، قابلِ عمل نہیں، اختلاف
ختم کرنا ضروری ہے، مگر اختلاف ختم کرنے کے لیے اسبابِ اختلاف کو مٹانا

۳۵ ص	اتحاد بین المسلمین (مکتبہ رضویہ، لاہور)	عبدالستار خاں نیازی، مولانا:
۷ ص	کتب یست من الاسلام (بیروت)	محمود مہدی استانبولی:
۱۱-۲۷ ص	”	لے ایضاً،

ہوگا۔ فریقین کی جو کتب قابل اعتراض ہیں، ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کر رہی ہے، کیوں نہ ہم ان اسباب ہی کو ختم کر دیں۔

اگر آپ صدقِ دل سے اتحاد چاہتے ہیں، تو ان تمام روایات کو جلا نا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں، ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں، آپ اصول کافی کو نذر آتش کر دیں۔ آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ صاف کر دیں گے۔ لے

اگر خدا نخواستہ جلانے اور آگ لگانے کی یہ تحریک چل پڑی اور کامیاب ہو گئی، تو اس کا نتیجہ تخریب ہی تخریب ہوگا، تعمیر کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

حکومت پاکستان فتوے کی زد میں

ارباب اقتدار کو اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ یہ سب

اہل سنت و جماعت کا مسئلہ ہے، ہمیں اس سے کیا سروکار؟ کیونکہ اس فکر کے حاملین حکومت پاکستان کے بارے میں بھی وہی رائے رکھتے ہیں جو عامۃ المسلمین سے متعلق رکھتے ہیں۔ فیصل آباد کے محمد صادق خلیل لکھتے ہیں:

”جس ملک میں مزارات کو مذہبی حیثیت دی جاتے اور ان کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے کوششیں کی جاتیں، ان پر قیے تعمیر کیے جاتیں اور ان پر سالانہ عرسوں کا انعقاد حکومت کی جانب سے کیا جائے، ان کی عظمت کو اجاگر کیا جائے، مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جائیں۔ عرق کلاب اور خوشبودار عطریات سے ان کو غسل دیا جائے اور نذر و نیاز کے سلسلے کو بجائے بند کرنے کے اس کو بقا عطا کیا جائے اور اللہ پاک سے لوگوں کی عقیدت کو ختم کر کے مزارات کی جانب ان کی عقیدت کو پھیرا جائے اور اللہ پاک کے

ساتھ بغاوت کا ثبوت پیش کیا جائے تو

ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔^۱
یاد رہے کہ یہ کتاب سعودی عرب کے خرچ پر چھاپ کر پاکستان میں مفت تقسیم کی گئی ہے

یہ سب آل شیخ کا کیا دھرا ہے

سعودی عرب میں ملکی زمام اقتدار آل سعود اور مذہبی قیادت آل شیخ کے ہاتھ میں ہے۔
یہ فرقہ وارانہ لٹریچر اور پروپیگنڈا سب آل شیخ کی کوششوں سے ہے۔ حکومت پاکستان
فرقہ وارانہ انتشار کے حق میں نہیں ہے، تو اسے حکومت سعودیہ سے براہ راست اس مسئلے پر
گفتگو کرنی چاہیے کہ منافسرت انگریز لٹریچر کی پاکستان میں تقسیم پر پابندی عائد کی جائے اور ملک کے
داخلی امن عامہ کو تباہ کرنے کے اسباب مہیا نہ کیے جائیں۔

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ جب نجدی علماء عامۃ المسلمین کو بے دریغ
کافر و مشرک قرار دیں گے، تو اس کے جواب میں انہیں دوستی اور اخوت و محبت کی سرگز تو قیام نہیں
رکھنی چاہیے۔ جواباً جتنا بھی سخت سے سخت لب و لہجہ اختیار کیا جائے، وہ جائز اور روا
ہوگا۔ وہ اگر اپنے دلوں میں وسعت پیدا کریں اور تنگ نظری کا راستہ چھوڑ دیں تو عامۃ المسلمین
کو اپنے سے زیادہ وسیع القلب پائیں گے

شُرک کا ہوا کنیوں؟

نجدی اور اہل حدیث علماء کو ہر وقت شرک کی فکر سوار رہتی ہے۔ بات بات پر
وُنیا بھر کے مسلمانوں کو بلا ترقود، مشرک اور شرک اکبر میں مبتلا قرار دے دیتے ہیں حالانکہ
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے،

قریب قیامت، حالت اس سے البتہ مختلف ہوگی)

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی، اس کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے، انداز ایسا تھا گویا زندوں اور مردوں کو الوداع فرما رہے ہوں، دورانِ خطبہ فرمایا:

إِنِّي لَكُنْتُ أَخْشَى أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا وَتَقْتُلُوا فَتَهْلِكُوا
كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

”مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، البتہ مجھے خوف ہے کہ تم دنیا میں دلچسپی لو گے اور مرنے مارنے پر تامل جاؤ گے، تو تم ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے ہلاک ہو گئے۔“

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوتِ خفییہ کا خطرہ ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی؟ فرمایا: ہاں!

أما انهم لا يعبدون شمساً ولا قمراً ولا حجراً ولا
وثناً ولكن يراءون باعمالهم
”یہ لوگ چاند، سورج یا کسی پتھر اور بت کی عبادت نہیں کریں گے بلکہ اپنے
اعمال کی نمائش کریں گے۔“

دیکھا آپ نے کہ سنو۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ میری امت بت پرستی نہیں کرے گی، اس کے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن

۱۔ سلم بن الجحانی القشیری، امام،
۲۔ ولی الدین، امام شیخ،
۳۔ مسلم شریف عربی (رشیدیہ، دہلی) ج ۶ ص ۲۵۰
۴۔ مشکوٰۃ شریف، باب الریاء والسمعة ص ۶-۷

نجدیوں و یابیوں پر شرک کا بھوت اس طرح سوار ہے کہ ہر طرف شرک ہی شرک دکھائی دیتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا اور مال و زر کے خطرے کی واضح نشان دہی فرمائی ہے، لیکن اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔

اسی طرح ایران، عراق جنگ میں محض دنیا کی خاطر اربوں، کھربوں روپے ضائع کیے جا چکے ہیں۔ امریکہ، روس اور دیگر ممالک کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کو بہترین مارکیٹ مل چکی ہے۔ کئی سال سے فریقین کا خون بہا کر غیر مسلموں کے خزانے بھرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ عطیہ محمد سالم کہتے ہیں:

”میں بریلوی جماعت کو اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی ابتدا کی طرف لوٹ جائے

اور اپنے مذہب اور اپنے امام (ابوصنیفہ) رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقیدے اور

خاص طور پر ان کی کتاب ”الفقہ الاکبر“ پر از سر نو نظر ڈالیں۔ کتاب سنت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اُمتِ مسلمہ کے سلف صالحین کی سیرت

میں غور کرے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی بصیرتوں کو روشن فرمادے۔

آئندہ ابواب میں انشاء اللہ العزیز اہل سنت و جماعت کے عقائد اور معمولات،

کتاب و سنت اور سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے۔

اسی کو قائل کر دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ دلوں کی دنیا کو بدایت آشنا کرنا،

نب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔

وهو ولي التوفيق والهداية وصلى الله تعالى على

حبيب محمد وعلى آله واصحابه اجمعين۔

ذرائع جنگ، لاہور، ۲۰ جون ۱۹۸۴ء

لے رپورٹ عبداللہ طارق سہیل

ص ۲

تقدیم پر مبنی

لے عطیہ محمد سالم

امام احمد رضا بریلوی
مفکر اسلام — امام اہل سنت

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی ۱۰ شوال المکرم ۱۴۰۱ جون ۱۲۷۲ء/۱۹۵۶ء
کو بریلی (یوپی - بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا شاہ نقی علی خاں اور جد ماجد مولانا
رضا علی خاں اپنے دور کے اکابر علماء اہل سنت اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔

حبیب کبریا علیہ التحیۃ والتناہ کی محبت و اطاعت آپ کی رگ و پے میں رچی بسی
تھی۔ اپنے نواپنے بیگانے بھی بر ملا اقرار کرتے ہیں کہ وہ واقعی عاشقِ رسول تھے۔ صرف یہی
نہیں بلکہ آپ کی تسانیف اور نعتیہ کلام نے لاکھوں دلوں کو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی حلاوت سے آشنا کر دیا۔

امام احمد رضا اکثر و بیشتر اپنے نام کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا سابقہ نام استعمال کیا کرتے
تھے۔ بعض لوگ اس کے جواز اور عدم جواز میں کلام کرتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں شرعی حکم معلوم کیا جائے۔

عبدالمصطفیٰ

لفظِ عبد و معنوں میں استعمال ہوتا ہے؛ (۱) عابد (۲) غلام اور خادم۔ پہلے معنی

حیات مولانا احمد رضا خاں (اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ) ص ۹۲

لے محمد سعود احمد پروفیسر؛

کے اعتبار سے اس کی اصناف صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔ اپنے آپ کو اس کے ماسوا کا عبد کہنا شرک ہوگا، لیکن دوسرے معنی کے اعتبار سے محبوبانِ خدا کی نسبت سے اپنے آپ کو عبد کہنا قطعاً شرک نہیں ہے۔

ارشادِ بانی ہے :

وَأَنْتُمْ أَوْلَىٰ بِالْآيَاتِ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ
”اور نیکانِ سرور اپنیوں میں ان کا جو بے شکا ہوں اور اپنے لائق بندوں اور
کنیزوں کا۔“

اس جگہ غلاموں کے لیے عباد کا لفظ وارد ہوا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ

”تم فرماؤ! اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی
رحمت سے ناامید نہ ہو۔“

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصل بحق ہیں، عباد اللہ کو عبادِ رسول
کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ
أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ مَرْجِعِ ضَمِيرِ مُتَكَلِّمِمْ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ہیں۔“ ۱

۱ لہ القرآن، النور ۲۴ الآیۃ ۳۲

۲ لہ القرآن، الزمر ۳۹ الآیۃ ۵۳

۳ لہ امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی، شام امدادیہ (قومی پریس لکھنؤ) ص ۱۳۵

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

”قرینہ بھی انہیں معنی کا ہے، آگے فرماتا ہے: لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ط

اگر مزاج اس کا اللہ ہوتا فرماتا من تَرَحُّمَتِي تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رادی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ

خیبر کی طرف نکلے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ غنیمت میں سونا چاندی تو نہیں ملا البتہ ساز و سامان

اور طعام و ستیاب ہوا، واپسی پر ایک جگہ قیام فرمایا اس اثنا میں:

قامر عبد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحلب دحلۃ

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ساز و سامان کھولنے لگا۔“

اس حدیث میں صراحتاً عبد کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وقد ذهب الجمهور الى انه يجوز للستيد ان يكره

عبدہ وامت علی النکاح۔“

”جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ آقا اپنے غلام اور کنیز کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔“

اس جگہ عبد غلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور فقہ کی کتابوں میں استعمال بے ثبات سے

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی کا نام عبد النبی یا عبد الرسول رکھنا شرک نہیں ہے۔

مولوی اسماعیل ولبون لکھتا ہے:

”کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد النبی رکھتا ہے۔ کوئی غلام کو عبد النبی

کوئی غلام معین الدین اور دعویٰ سلطانی کیے جاتے ہیں۔“

ص ۱۳۶

شما تم امدادیہ

لے امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی

مسلم شریف (نور محمد کراچی) ج ۱ ص ۷۴

لے مسلم بن الحجاج القشیری

تفسیر فتح القدیر (دار المعرفۃ بیروت) ج ۲ ص ۲۵

لے محمد بن علی الشوکانی

سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ آسے

امام احمد رضا بریلوی نے اس قسم کے فتویوں کا نہ صرف تحریری رد کیا، بلکہ اپنے نام کے ساتھ

عبدالمصطفیٰ کا اضافہ فرمایا:

احسان الہی ظہیر لکھتے ہیں:

”ان کا نام محمد رکھا گیا، والدہ نے امین میاں، والد نے احمد میاں اور دادا نے

احمد رضا نام رکھا، لیکن وہ ان میں سے کسی نام پر راضی نہ ہوئے اور اپنا نام

عبدالمصطفیٰ رکھا اور اسے بالالتزام استعمال کرتے تھے (زرجمہ)۔

حالانکہ یہ کسی ظن بھی صحیح نہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کسی نام پر بھی راضی نہ ہوئے کیونکہ

انہوں نے ہمیشہ دستخط کرتے ہوئے اپنا نام احمد رضا ہی لکھا ہے اور اکثر اس نام کی ابتدا

میں عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کیا ہے، ”اگر نام سے پہلے ہی علامتی مصطفیٰ کا پتہ چل جاتے۔ یہ کہنا کسی

ظن بھی صحیح نہ ہوگا کہ والد ماجد نے عبدالمجید کا اور والدہ ماجدہ نے والد ماجد کا تجویز کیا ہو، نام

پسند نہ آیا اور اپنی طرف سے ایک نام رکھ دیا، بلکہ تو یہ ہے کہ سرپرست اپنی اپنی پسند کا نام

تجویز کر دیتے ہیں، یہ بھی اظہارِ محبت کا ایک انداز ہوتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خدا کے بندے تو ہیں سزاواروں، بنوں میں پھرنے میں مائے مہرے

میں اس کا بندہ بنوں کا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

ظہیر صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

”ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا اور ان کے منہ لہین ہمیشہ چہرے کی سیاہی

کا مظہر دیا کرتے تھے۔ اس کا اقرار ان کے بھتیجے نے بھی کیا ہے“ (زرجمہ)۔

تقریب الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۵-۶

البریلویہ ص ۱۳

ص ۱۴

لہ شاہ اسماعیل دہلوی

لہ احسان الہی ظہیر

لہ ایضا

مولانا حسنین رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں :

ابتدائی عمر میں آپ کارنگ چمکدار گندمی تھا۔ ابتدا سے وصال تک مسلسل

محنت ہائے شاقہ نے رنگ کی آب و تاب ختم کر دی تھی۔ اسلئے

دن رات کی محنت سے وہ چمک نہیں رہتی جو ابتدا میں ہوتی ہے، لیکن یہ کہاں لکھتا

ہے کہ ان کارنگ انتہائی سیاہ تھا؛ جہاں تک مخالفین کا تعلق ہے تو ان کی مخالفت ہی خوبصورت
کو بد صورت دکھانے کے لیے کافی ہے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

دید بوجہلے محمد را و گفت

زشت زونے در بنی ہاشم شگفت

کیا ابو جہل کا قول بھی بہ طور حجت پیش کیا جاسکتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

چشم بداندیش کہ برکت دہد

عیب نماید ز شش در نظر

ڈاکٹر عبدالحق صاحب مہتمم بیت القرآن بہنجاہ پبلک لائبریری لاہور اپنا مشاہدہ

بیان کرتے ہیں :

”منبر پر ان کے بیٹھنے اور ان کے حلیہ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں

کے سامنے رہتا ہے۔ حضرت والا بلند قامت، خوب رو اور سرخ و سفید رنگ کے

مالک تھے۔ ڈاڑھی اس وقت سفید ہو چکی تھی، مگر نہایت خوبصورت تھی۔ اسلئے

مشہور ادیب اور نقاد نیاز فتح پوری نے آپ کو دیکھا تھا، وہ لکھتے ہیں :

ان کا نورِ علم ان کے چہرے بشہرے سے بوبدانتھا، فردوسی، خاکساری کے باوجود

اعلیٰ حضرت بریلوی درمکتبہ نبویہ لاہور، ص ۲۰

اسلئے نسیم بستی :

مقالات یوم رضا، رضا انسٹیٹیوٹ لاہور، حصہ ۲، ص ۱۰۰

اسلئے عابد احمد علی، ڈاکٹر :

اُن کے روتے زیبا سے حیرت انگیز حد تک رعب ظاہر ہوتا تھا،^۱

ص ۱۴ پر لکھا،

”انہیں ہمیشہ شدید درد سر اور بخار رہتا تھا۔“

یہ ہمیشہ اور شدید کی قید کہاں سے آگئی؟ ملفوظات میں صرف اس قدر ہے،

”الحمد للہ! کہ مجھے اکثر حرارت اور سرد رہتا ہے،“^۲

ص ۱۴ پر یہ بھی لکھا،

”اُن کی داہنی آنکھ پانی اُتر آنے سے بے نور ہو گئی تھی۔“

حقیقتاً یہ بالکل واقع کے خلاف ہے، ہوا یہ کہ ۱۳۰۰ھ میں مسلسل ایک مہینہ بائیک

خط کی کتابیں دیکھتے رہے۔ گرمی کی شدت کے پیش نظر ایک دن غسل کیا،

”سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے داہنی آنکھ میں اُتر آئی،

بائیں آنکھ بند کر کے داہنی سے دیکھا تو وسط شے مرنی میں ایک سیاہ حلقہ

نظر آیا۔“^۳

مولانا سید اشفاق حسین سہسوانی نے آنکھ کا معائنہ کر کے کہا کہ بیس سال بعد پانی اُتر

آئے گا۔ پھر ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب نے رائے دی کہ چار سال بعد پانی اُتر آئے

گا۔ پہلے طبیب کے مطابق ان کا حساب بالکل درست تھا۔ امام احمد رضا بریلوی، حضور اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی دُعا ردِ چشم کے مریض کو دیکھ کر پڑھ چکے تھے وہ دُعا

یہ ہے، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلٰی

كَثِيرٍ مِّنْ خَلْقٍ تَفْضِيلاً۔

^۱ افتاحیہ خیابان رضا (عظیم پبلی کیشنز، لاہور) ص ۱۷

^۲ محمد مسعود احمد پروفیسر

^۳ ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص ۶۴

^۴ محمد مصطفیٰ رضا ناں، مفتی اعظم

امام احمد رضا خاں بریلوی کا یقین محکم دیکھئے، فرماتے ہیں:

”محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے متنزل نزل ہوتا۔ الحمد للہ! کہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ بھڑ بھی نہیں بڑھا، نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے، نہ میں نے کتاب بینی میں کمی کی، نہ انشاء اللہ تعالیٰ کمی کروں۔“

لیکن مخالف لوگوں نے سہینہ زوری سے لکھ دیا:

”وانطفئت لنزول الماء فیہا۔“

خدا نہ کرے اگر کسی کو واقعی ایسا عارضہ لاحق ہو جائے، تو کیا اس بنا پر اس کے علم

فضل پر طعن کیا جاسکتا ہے؟

”مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر عبدالعزیز بن باز نابینا ہیں۔ ریاض

مائی کورٹ کے چیف جج محمد ابراہیم اور مسجد نبوی کے ایک خطیب بھی نابینا ہیں۔“

ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟

قوتِ حافظہ

”امام احمد رضا بریلوی کی زیارت کرنے والے جانتے ہیں کہ ان کا حافظہ

غضب کا انتہا، ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ان کی یادداشت اور

قوتِ استحضار پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، انہوں نے ایک ماہ میں

قرآن پاک یاد کیا۔“

ملفوظات ص ۲۱

۱۔ محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا،

حضور الحرمین (مکتبہ فریدیہ، ساہیوال) ص ۶۳

۲۔ منظور احمد شاہ، مولانا،

اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ لاہور) ص ۲-۱۰۱

۳۔ نسیم بستوی، مولانا،

ایک دن اور رات میں یسوع الفناوی الحامدیہ کی دو جلدیں دیکھ کر مولانا وصی احمد
محدث سورتی کو واپس کر دیں اور جب انہوں نے فرمایا کہ ملاحظہ فرمائیں تو بھیج دیں۔ امام
احمد رضا نے فرمایا:

” اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دو تین مہینے تک تو جہاں کی عبارت
کی ضرورت ہوگی، فتویٰ لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لیے
محفوظ ہو گیا۔“

۱۳۲۳ء میں دوبارہ حج و زیارت کے لیے گئے تو مکہ معظمہ میں مسئلہ علم غیب میں عظیم و
جلیل کتاب ”الدولة المکیة“ مجموعی طور پر آٹھ گھنٹوں میں لکھوا دی، ہاں جو دیکھ آپ کے پاس
کتابیں موجود نہ تھیں اور مدینہ طیبہ حاضری کی جلدی تھی۔ مزید برآں بخار کی حالت میں
آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ سے اپنے موقف کو ثابت کیا اور بڑی عمدگی
سے ثابت کیا۔

ان کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مبدا فیاض نے
انہیں حیرت انگیز حافظہ اور قوت استحضار سے نوازا تھا۔

لیکن دیانت کے بجائے محض مخالفت کی عینک سے دیکھا جائے تو اس قسم کا تاثر ابھرتا ہے،
”وہ غائب و مابغ نہ تھے، یادداشت کمزور اور نسیان غالب تھا۔ ایک دفعہ
عینک اونچی کر کے ماتھے پر رکھ لی، گفتگو کے بعد تلاش کرنے لگے، کچھ دیر بعد
ہاتھ چہرے پر پھیرا تو عینک مل گئی۔“

۱۔ نسیم بستوی، مولانا، اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۸۲

۲۔ احمد رضا البریلوی، امام، الدولة المکیہ (مکتبہ الشیخ، ترکی) ص ۱۵۱

۳۔ ایضاً، ص ۹

۴۔ احسان الہی ظہیر، البریلوی ص ۱۵۱

واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کی توجہ اس پاس کی کئی چیزوں کی طرف نہیں ہوتی۔ امام مسلم (صاحب صحیح مسلم) ایک حدیث کے تلاش کرنے میں اس قدر مہمک ہوئے کہ پاس رکھی ہوئی کھجوروں کی بڑی مقدار تناول فرما گئے اور یہی حادثہ ان کے وصال کا سبب بن گیا۔ عینک کی طرف توجہ نہ ہونے کو غلبہ نسیان کی دلیل بنانا اور تحقیق مسائل کے دوران صرف سالن کھانے اور روٹی کی طرف نظر نہ جانے سے آنکھ کے بے نور ہونے پر استدلال کسی طرح بھی معقول نہیں ہے۔

قوتِ ایمان

حدیث شریف میں سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا، اس بلا سے محفوظ رہے گا، وہ دعا یہ ہے:

الحمد لله الذي عافاني مما ابتلاك به وفضلني

على كثير ممن خلق تفضيلا۔

امام احمد رضا بریلوی، طاعون کے کئی بیماروں کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ چکے تھے اور انہیں

یقین تھا کہ یہ مرض مجھے لاحق نہ ہوگا۔

ایک دعوت میں گائے کے گوشت کے کباب تیار کیے گئے تھے۔ گائے کا گوشت آپ کی طبیعت کے لیے سخت مضر تھا، لیکن ازراہ اخلاق صاحب خانہ سے کوئی اور چیز طلب نہ کی،

وہی کباب کھا لیے۔ اسی دن مسوڑھوں میں درم ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ بات چیت بند ہو گئی۔

کان کے پیچھے گلٹیاں نمودار ہو گئیں۔ ساتھ ہی تیز بخار آ گیا، ان دنوں بریلی شریف میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ طبیب کو بلایا اس نے کہا یہ وہی ہے۔ امام احمد رضا مطمئن تھے کہ طاعون

نہیں ہے۔ رات کے آخری حصے میں بے چینی بڑھی تو دعا کی

اللَّهُمَّ صَدِّقِ الْحَبِيبِ وَكَذِّبِ الطَّبِيبِ۔

”اے اللہ! اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات سچی کر دکھا
اور طبیب کی بات جھوٹی بنا دے۔“

اتنے میں کسی نے دائیں کان کے قریب منہ کر کے کہا گالی مرچ اور مسواک استعمال کر
ان دونوں چیزوں کا استعمال کرنا تھا کہ کلی بھر خون آیا اور طبیعت بحال ہو گئی اور طبیب کو پیغام
بھیجا دیا کہ آپ کا وہ طاعون دفع ہو گیا۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”میں خوب جانتا تھا کہ یہ (طبیب) غلط کہہ رہا ہے، نہ مجھے طاعون ہے نہ
انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا، اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بار بار وہ دُعا
پڑھ لی ہے۔“

اس کے برعکس مخالف کا قلم یہ کہتا ہے:

”وہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور خون کی قے کی۔“

خود انصاف کیجئے کہ اس بیان کا حقیقت سے ذرہ بھر بھی تعلق ہے؟

غیرت عشق

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کی محبت میں سرشار ہونا ایک عالم کے نزدیک مسلم ہے اور محبت وہ نازک اور لطیف جذبہ
جو محبوب کی شان میں کسی توہین اور بے ادبی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ امام احمد رضا
وصیت کے الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

”جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا

۱۹ - ۲۰ ص (سما داہینڈ کمپنی، لاہور) ملفوظات

۱۹ محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم،

البریلویہ، ص ۱۵

۱۹ احسان الہی ظہیر

کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔۔۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی
گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظّم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے
دُودھ سے مکھٹی کی طرح نکال کر پھینک دو۔“ ۱۹

پروفیسر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا کے اس انداز پر اظہار خیال کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ مخالفین کی قابل اعتراض تحریرات پر فاضل بریلوی نے
سخت تنقید فرمائی ہے اور بسا اوقات لہجہ بھی نہایت درشت ہے، لیکن کسی
مقام پر تہذیب و شائستگی سے گرا ہوا نہیں ہے۔ وہ ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں شمشیر بکف نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے مخالفین،
ناموسِ اسلاف کی حفاظت میں تیغ بُراں لیے نظر آتے ہیں، دونوں کے طرزِ عمل
میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔“ ۲۰

پروفیسر صاحب، امام احمد رضا کے اس وصف کو تعریف و تحسین کے انداز میں پیش
کر رہے ہیں، لیکن مخالفت اپنے جگر کی ٹھنڈک کے لیے تحریف کر کے اسی وصف کو مذموم
انداز میں پیش کرنا ہے، ملاحظہ ہو:

سویح الانفعال، شدید الغضب، طویل اللسان ۲۱

”وہ جلد منفعّل ہو جاتے، سخت غضب ناک اور زبان دراز تھے۔“

ہمیں تسلیم کہ امام احمد رضا بہت غیور تھے، لیکن کس لیے؟ خدا اور رسول کے بے ادب
اور گستاخ کے لیے، جبکہ اہل ایمان و محبت کے لیے سراپا لطف و کرم تھے، بقول اقبال:

۱۹ حسنین رضا خاں، مولانا، وصایا شریف، مکتبہ اشرفیہ، مرید کے، ص ۱۹

۲۰ محمد مسعود احمد، پروفیسر، فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظریں (مرکزی مجلس رضائے سبور، ص ۲۰-۱۹۹)

۲۱ احسان الہی ظہیر: البریلویہ، ص ۱۵

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

نرم حق و باطل ہو تو شمشیر ہے مومن

لیکن یہ سریع الانفعال، طویل اللسان، کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ یہ تو سراسر ایجاب و بندہ ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے پاس سے یہ بھی اضافہ کر دیا۔

لعانا سبابا، فاحشا لہ

”کثرت سے لعنت بھیجتے، گالیاں دیتے اور فحش گوئی کرتے تھے۔“

یہ ہے خالص تحریف اور تلبیس، یہ عبارت نہ ما قبل سے متعلق ہے اور نہ ما بعد سے، درمیان میں اپنے پاس سے یہ الفاظ بڑھا دیئے اور تاثر یہ دینے کی کوشش کی کہ یہ حوالہ بات کی باری ہے، حالانکہ اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ یہ انداز دین اور وہ بات کے سراسر خلاف ہے۔

حرم و احتیاط

امام احمد رضا بریلوی کی شان افتار اور فقہی جزئیات پر عبور کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں، ابو الحسن علی مدوی لکھتے ہیں،

یتدر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی
وجزئیات یشہد بذالک مجموع فتاواہ و کتابہ
کفل الفقہ الفاہم فی احکام قرطاس الدواہم
”فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر عبور رکھنے میں ان کے زمانے میں شاید ہی کوئی
ان کا ہم پلہ ہو، اس پر ان کا فتاویٰ اور ان کی تصنیف ”کفل الفقہ“ شاہد ہے۔“

ص ۱۵

البریلویہ

نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۱

لہ احسان الہی ظہیر
۲۰ عبدالحی لکھنوی حکیم

مسئلہ تکفیر میں امام احمد رضا بریلوی کی احتیاط کے بارے میں قاضی عبدالنبی کوکب

لکھتے ہیں:-

”مقالاتِ یومِ رضا کی تقدیم میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے فتوائے تکفیر کی حیثیت اور اہمیت اور اس فتویٰ میں ان کی شرعی احتیاط اور احساسِ ذمہ داری کے بارے میں، میں نے کس انداز میں بحث کی ہے؟ تقدیم مذکور کے ص ۱۲ پر میں نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جن دیوبندی عبارات پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، وہ مفتی شرع کے نزدیک واقعی اور حتمی طور پر کفریہ تھیں، جن میں کسی تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔

میرے الفاظ یہ ہیں:

مولانا احمد رضا کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا، یعنی ان کے نزدیک عبارات زیر بحث یقیناً کفریہ عبارات تھیں اور کفریہ بھی ایسی کہ جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں پاسکتے تھے:-

اس کے بعد میں نے اسی تقدیم کے ص ۱۳ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بارے میں بتایا ہے کہ مسئلہ تکفیر میں وہ از حد محتاط اور احساسِ ذمہ داری سے معمور تھے اور یہاں اعلیٰ حضرت کی عباراتِ سبحانِ استبوح نقل کرتے ہوئے ان کا اپنا موقف دکھایا ہے کہ کفر کا حکم صرف اسی وقت لگایا جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی اس احتمال بھی حکمِ اسلام کا باقی نہ رہے۔

نیز اپنی کتاب مقالاتِ یومِ رضا کے ص ۱۵ پر اس بندہ قاصر نے اعلیٰ حضرت کے فتوائے تکفیر کے بارے میں پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ انہوں نے یہ فتویٰ کامل نیک نفسی اور دیانتِ شرعیہ سے لگایا کہ وہ بالیقین عباراتِ دیوبندیہ کو ہرگز قابلِ تاویل تصور نہیں فرماتے تھے، میرے الفاظ صفحہ مذکور پر حسبِ ذیل ہیں:

”مولانا احمد رضا داد علی حضرت قدس سرہ العزیز نے جن عبارات پر کفر کا فتویٰ لگایا، وہ یقیناً نیک نفسی اور شرعی دیانت سے لگایا تھا اور یہ کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ عبارات قابل تاویل بہ گز نہ تھیں۔“
(مقالاتِ یومِ رضا ص ۱۵)

قارئین نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ میں نے مقالاتِ یومِ رضا کی تقدیم میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو بحیثیت مفتیِ شرع مبین، کس قدر محتاط اور حقیقت پسند ان کے فتاویٰ مبارکہ کو قاطبہ (تمام کے تمام) مبینی بر اصول افتاء قرار دیا ہے، لیکن مخالفانہ ذہنیت یہ تاثر دیتی ہے،

”اُن (امام احمد رضا) کے محب اور ان کے معتقدات و افکار کے معاون (کو کب) یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ مخالفین پر بہت سخت اور شدید تھے اور اس بارے میں شرعی احتیاط نہیں رکھتے۔“

یہی بات گلکھڑ کے مولوی سرفراز نے اپنی کتاب عباراتِ اکابر میں لکھی تھی جس کے جواب میں قاضی عبدالنبی کو کب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیان جاری کیا، جس کا طویل اقتباس اس سے پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ اس بیان میں قاضی صاحب لکھتے ہیں:

”کچھ عرصہ ہوا مجھے ایک دیوبندی مولف کی کتاب دکھائی گئی اور نشان دہی کی گئی کہ اس کے صفحات ۲۹ تا ۴۱ پر آپ (مضمون نگار، کو کب) کی طرف یہ نظریہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ تکفیر دیوبند کو برحق نہیں سمجھتے بلکہ اس فتویٰ کو مبینی بر جذباتیت قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس فتویٰ میں شرعی حدود اور افتاء کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ) ص ۱۱-۹

۱۔ قاضی عبدالنبی کو کب

البریلویہ (جوالہ مقالاتِ یومِ رضا للکوکب، ص ۲۰) ص ۱۵

۲۔ احسان الہی ظہیر

اس افتراء سے اظہارِ برأت کیا اور اس پر لعنۃُ اللہ علی الکاذبین

پڑھنا ضروری سمجھا۔ لہ

قاضی صاحب کے اس بیان کے بعد مخالف کے الزامی حوالہ جات کی کیا حیثیت

ہے جاتی ہے؟ ص ۱۵ پر لکھا،

”ان کی شدت کے سبب ان کے مخلص ترین لوگ الگ ہو گئے، مثلاً شیخ محمد یسین

ناظم مدرسہ اشاعت العلوم۔“

یہ بات حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھی گئی ہے، حالانکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ

مولوی محمد یسین صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور اشاعت العلوم، بریلی کے بانی تھے۔

ایک زمانہ تک خاموشی سے درس و تدریس میں مصروف رہے۔ امام احمد رضا بریلوی کو اپنے استاد

کے مرتبہ میں سمجھتے تھے، کیونکہ وہ اعلیٰ حضرت کے دوست مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے۔

۱۳۲۶ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے تمام فارغ ہونے والوں کو جمع کر کے ان کی دستار بندی

کی گئی، تو ان کا رجحان دیوبندی مکتب فکر کی طرف ہو گیا۔ واقعہ صرف اتنا ہے باقی خود ساختہ داستان

ہے کہ وہ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے سبب ان سے الگ ہو گئے تھے۔

ص ۱۶-۱۵ پر حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھتے ہیں،

”مولانا احمد رضا خاں کے والد کا قائم کردہ مدرسہ مصباح التہذیب ان کی

شدت کے سبب ان سے جدا ہو گیا اور عین ان کے گھر میں بریلویوں کے

لیے کوئی مدرسہ نہ رہ گیا۔“ (ترجمہ)

حالانکہ مولانا ظفر الدین بہاری تحریر فرماتے ہیں،

”بریلی میں ۱۲۸۹ھ میں اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے ایک

مدرسہ قائم کیا اور اس کا تاریخی نام مصباح التہذیب (۱۲۸۹ھ) رکھا تھا، دستبر

رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ) ص ۹

لے عبدالنہی کو کب قاضی،

زمانہ سے آہستہ آہستہ تنزل کرتا دوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا.....

اہل سنت کے لیے سوا بارگاہِ رضوی کے دوسری جگہ تعلیم کی نہ تھی۔ لہ

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مدرسہ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے بعد

دوسروں کے ہاتھوں چلا گیا۔ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کا اس میں دخل نہ تھا۔ نیز یہ کہ

بارگاہِ رضوی میں اہل سنت کی تعلیم کا انتظام تھا، لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ خود ان کے گھر میں کوئی مدرسہ نہ رہ گیا۔

عبقریت

بعض افراد پیدائشی طور پر جنینس ہوتے ہیں۔ قدرتِ کاملہ انہیں حیرت انگیز صلاحیتیں

عطا فرما کر دنیا میں بھیجتی ہے۔ بڑے بڑے عقلا ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں

رہ جاتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی بھی ایسے ہی عبقری تھے، ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

استاذ نے جب ابتدائی قاعدہ شروع کروایا، تو الف باء تاء پڑھاتے ہوئے جب

لام الف (لا) پڑھنے پر عرض کیا کہ جہاد سے خاموش ہو گئے۔ استاذ نے جب کہا پڑھو لام

الف، تو عرض کیا یہ دونوں تو پہلے ہی پڑھ لیے، دوبارہ کیوں؟ آپ کے جد امجد حضرت

مولانا رضا علی خاں پاس ہی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا، سب سے پہلے جو الف

پڑھا گیا ہے، وہ دراصل ہمزہ ہے، الف چونکہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتدا

مشکل ہوتی ہے، اس لیے اس کی ابتدا میں لام ملا کر پڑھا جاتا ہے تاکہ الف حالت سکون

میں پڑھا جاسکے۔ اس پر ذہین صاحب جہاد سے نے عرض کیا کہ پھر لام ہی کی کیا خصوصیت ہے؟

باء، تاء وغیرہ کوئی اور حرف ملا کر بھی پڑھ سکتے تھے۔ جد امجد نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا،

دعائیں دیں اور فرمایا،

لہ نظیر الدین بہاری، مولانا،

حیاتِ اعلیٰ حضرت (مکتبہ رضویہ، کراچی) ج ۱، ص ۲۱۱

”لام اور الف میں سورۃ خاص مناسبت ہے اور ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک ہی ہے لا یا لا اور سیرۃ اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف اور الف کا قلب لام، یعنی یہ اس کے بیچ میں اور وہ اس کے بیچ میں ہے۔“

احسان الہی ظہیر اس باریک بینی سے پوچھتے ہیں اور تعجب سے پوچھتے ہیں: ان عجیبوں سے کوئی پوچھے کہ الف اور لام میں سورۃ اور سیرۃ کو نسا اتفاق ہے جسے تین چار سال کے بچے نے سمجھ لیا اور جسے لسانیات کے معلم اور ماہر نہیں سمجھ سکے؟ (ترجمہ)

حالانکہ بات ظاہر ہے کہ لام اور الف میں سورۃ مناسبت یہ ہے کہ دونوں کو ملا کر اس طرح لکھا جاتا ہے لا سے اگر الٹ لکھیں تو بھی لا ہی لکھا جائے گا، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ لام بصورت الف اور الف بصورت لام لکھا گیا ہے اور سیرۃ مناسبت یہ ہے کہ ل حرف ہے اور اس کا اسم لام (ل ام) ہے جس کے درمیان الف آیا ہوا ہے اور حرف تہجی کا پہلا حرف ا ہے، اس کا اسم الف (ال ف) ہے، اس کے درمیان لام آیا ہوا ہے، چونکہ ان کے درمیان سورۃ و سیرۃ مناسبت ہے، لہذا جب الف کو کسی حرف کے ساتھ ملا کر لکھنے کا ارادہ کیا گیا، تو لام کو الف کے ساتھ ملا کر لکھا گیا۔ لا یہ وہ باریک نکتہ تھا جو امام احمد رضا نے بچپن میں سمجھ لیا اور نام کے ماہرین تعلیم اب بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اتباع سنت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات طیبہ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں

اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۲۶-۲۷

البریلویہ، ص ۱۷

لہ نسیم بستوی، مولانا:

لہ احسان الہی ظہیر

کہ انہیں اتباعِ سنت سے کس قدر شغف تھا، ان کے ایک ایک فعل کو میزانِ سنت میں تولی جا سکتا تھا، انہیں اکثر طور پر دروسر اور بخار کا عارضہ رہتا تھا، اگرچہ یہ غیر اختیاری اور تکلیف دہ امر تھا، لیکن انہوں نے اس میں بھی اتباعِ سنت کا پہلو ڈھونڈھ نکالا، فرماتے ہیں:

”دروسر اور بخار وہ مبارک امراض ہیں جو انبیاءِ علیہم السلام کو ہوتے تھے، ایک ولی اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے دروسر ہوا اپنے اس شکر میں تمام رات نوافل میں گزار دی کہ رب العزت نے مجھے وہ مرض دیا جو انبیاءِ علیہم السلام کو ہوتا تھا۔ ہر ایک مرض یا تکلیف جسم کے جس موضع پر ہوتی ہے، وہ زیادہ کفارہ اسی موقع کا ہے کہ جس کا تعلق خاص اس سے ہے، لیکن بخار وہ مرض ہے کہ تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، جس سے باذنہ تعالیٰ تمام رگ رگ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحمد للہ کہ مجھے اکثر حرارت دروسر رہتا ہے۔“ **مختصاً**

نگاہِ عداوت، اتباعِ سنت کی فضیلت کو کس انداز میں پیش کرتی ہے۔ آپ بھی

ملاحظہ فرمائیں:

”وہ (امام احمد رضا) انبیاء سے کم شان پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے مریدین کو دروسر اور بخار کی شکایت کرتے ہوئے کہا:

یہ بیماریاں مبارک ہیں اور ہمیشہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہوا کرتی تھیں، الحمد للہ مجھے بھی لازم ہیں، جیسے انہیں لازم تھیں۔“

دیکھا آپ نے کہاں اتباعِ سنت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور کہاں انبیاء کی ہمسری کا

دعویٰ کرنا؟ پھر یہ کہ انہوں نے ان عوارض پر شکایت کہاں کی ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ ارادۂ و اختیار کے بغیر سنتِ انبیاء حاصل ہو گئی۔

۱۔ محمد مصطفیٰ رضا خان، مولانا، ملفوظات (عامد اینڈ کمپنی لاہور) ص ۶۴

البریلویہ، ص ۱۷

۲۔ ظہیر

ہمسری کا دعویٰ دیکھنا ہو تو تقویۃ الایمان کا مطالعہ کر ڈالیے لکھتے ہیں،
 "اولیاء و انبیاء و امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ
 سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی
 وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے
 بھائی ہیں۔" لہ

یہ دعویٰ ہمسری کہ ہمارے اور انبیاء کے درمیان اتنا ہی فرق ہے کہ وہ
 بڑے بھائی اور ہم چھوٹے بھائی۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی کا تبصرہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

چوں من و دروچی اورا بر تربست	آں یکے گویاں محمد آدمی ست
من برادر خورد باشم او کلاں	جز رسالت نیست فرقی درمیاں
یا خود ست این ثمره ختم خدا	این نداند از عمی آں ناسزا
کے بود ہم سنگ او، سنگ و خرف	کہ بود مرعل را فضل و شرف
کے بفضل مشک اذ فرمی رسد	واں دے کز حلق مذبو سے جہد
کے بود شایان آں تدر رفیع	بے چه گفتم این چنین شبہ شنیع
مشک چه بود خون ناف و حشیئے	لعل چه بود جوہرے با سُرخیئے
آفتاب برج علم من لدن	مصطفیٰ نور جناب امر کُن
برزخ بحرین امکان و وجوب	معدن اسرار علم الغیوب

● "ایک شخص کہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میری طرح آدمی ہیں،
 انہیں وحی میں مجھ پر برتری حاصل ہے۔"

● رسالت کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں، وہ بڑے بھائی ہوئے اور میں چھوٹا

تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۷۲	لہ محمد اسمعیل دہلوی؛
عدائق بخشش (مدینہ پیشنگ، کراچی) ج ۲، ص ۸۸	لہ احمد رضا بریلوی، امام؛

- وہ نالائق نامہ بنائی کے سبب نہیں جانتا، یا یہ خدائی مہر کا نتیجہ ہے۔
 - کہ سنگریزہ اور ٹھیکرا، فضیلت و شرافت میں لعل کا ہمسریہ کیسے ہو سکتا ہے؟
 - وہ خون ہو ذبیحہ کی شہرگ سے نکلتا ہے، وہ مشکِ اذفر کا، ہم پایہ کیسے ہو سکتا ہے؟
 - ہائے افسوس! میں نے یہ نامناسب تشبیہ کیا بیان کر دی،
 - یہ اس شانِ بلند کے شایانِ شان کیسے ہو سکتی ہے؟
 - مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ الہی کا نور اور علمِ لدنی کے بروج کا آفتاب ہیں
 - علام الغیوب جل وعلا کے اسرار کی کان اور امکان و وجوب کے دریاؤں کی
- حدفاصل ہیں۔“

امام احمد رضا بریلوی، حروفِ ابجد کے لحاظ سے تاریخ نکالنے میں بے نظیر تھے، ان کی اکثر تصانیف کے نام ایسے چمکے ہوئے تھے کہ وہ کتاب کے موضوع کی نشان دہی بھی کرتے اور اس کے ساتھ ہی سن تصنیف کی تعیین بھی کر دیتے تھے اور کیا مجال کہ عربی عبارات میں کوئی جھجھول پیدا ہو۔ انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش اس آیت سے استخراج کی، یعنی ابجد کے حساب سے اعداد حروف کو جمع کیا جائے تو مجموعہ ۱۲۷۲ ہوگا، یہی آپ کا سال ولادت ہے؛

أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ۔

”یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے رُوح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد فرمائی۔“

اور فرماتے ہیں،

اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دوسرے پر لکھا ہوگا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ۔ اور بجز اللہ تعالیٰ

ہر بند مہربان پر ہمیشہ فتح و ظفر حاصل ہوتی۔ رب العزیز جل جلالہ نے روح القدس سے تائید فرمائی ہے۔ ۱۰

اعداد کی نظر میں یہ بھی انبیاء کی ہمسری ہے، لکھا ہے:

وعلى ذلك كان يقول: ان تاريخ ولادتي يستخرج

من قول الله عز وجل والذي ينطبق على۔ ۱۱

”انبیاء کی شان سے کم پر راضی نہیں ہوتے، اسی بنا پر کہتے تھے کہ میری ولادت

کی تاریخ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے نکلتی ہے اور یہ فرمان مجھ پر منطبق ہے۔“

اسے کہتے ہیں سینہ زوری، دعویٰ اور دلیل میں ہے کوئی مناسبت؟ آیت مبارکہ سے

تاریخ ولادت کیا نکالی کہ انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ ہو گیا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی

معصوم کون؟ نبوت سے متعلق عقائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک (فرشتے) کا خاصہ

ہے کہ نبی اور فرشتے کے سوا کوئی معصوم نہیں، اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم

سمجھنا گمراہی و بدوینی ہے۔ عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے حفظ

الہی کا وعدہ ہو لیا، جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے،

بخلاف ائمہ و اکابر اولیاء کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے اور ان سے

گناہ ہوتا نہیں۔ اگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔“ ۱۲

خلاصہ یہ کہ انبیاء کرام اور ملائکہ معصوم ہیں اور اولیاء کرام محفوظ۔ حیات اعلیٰ حضرت

۱۰ نظر القین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱

۱۱ طہیر البریلوی، ص ۱۸-۱۷

۱۲ بہار شریعت (مکتبہ اسلامیہ لاہور) ج ۱، ص ۱

مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم (مطبوعہ فیصل آباد) اور انوارِ رضا میں مختلف واقعات کے ضمن میں لکھا گیا کہ امام احمد رضا بریلوی غلطی اور خطا سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے پرے میں تھے۔ مخالفت آلود قلم نے ان کتابوں کے اقتباس نقل کیے اور حفاظت کا ترجمہ عصمت سے کر دیا اور تافریہ دیا کہ امام احمد رضا کے معتقدین انہیں مقامِ نبوت پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔

حیاتِ اعلیٰ حضرت کا ایک اقتباس نقل کر کے اپنے پاس سے یہ جملہ بڑھا دیا:

یعنی ان العصمة كانت حاصله له

”واقعی قلم کی آبرو سے کھیلنا اسی کو کہتے ہیں“

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ

”تم میں سے کوئی کامل الایمان نہیں ہوگا، جب تک اس کی خواہش میرے

لانے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔“

ایک دوسری حدیث قدسی میں فرمایا کہ بندہ فریض کے بعد نوافل ادا کرتے کرتے اس

پر فائز ہو جاتا ہے، ولسانہ البذی یتکلم بہ ۳

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کی زبان ہوتا ہوں، جس سے وہ کلام کرتا ہے۔

اسی بنا پر حضرت عارفِ رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

ص ۱۸

البریلویہ

۱۔ احسان الہی ظہیر

مشکوٰۃ شریف (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۳۰

۲۔ شیخ ولی الدین، امام،

صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ۱۳

۳۔ محمد اسمعیل دہلوی،

محدثِ اعظم ہند سید محمد کچھو چھوی، امام احمد رضا بریلوی کے متعلق فرماتے ہیں؛
 در حقیقت اعلیٰ حضرت، غوثِ پاک کے ہاتھ میں چون قلم در دست کاتب
 تھے، جس طرح غوثِ پاک، سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
 کے ہاتھ میں چون قلم در دست کاتب تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسولِ پاک اپنے
 رب کی بارگاہ میں ایسے تھے جیسے قرآن کریم نے فرمایا، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ
 الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ ۙ

اس عبارت کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے، کیا اس سے سوائے اس کے کچھ اور معلوم ہوتا ہے
 کہ امام احمد رضا بریلوی مکمل طور پر سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تابع فرمان تھے اور
 حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرامینِ نبوی کے مکمل طور پر پیروکار۔ اور حضور نبی اکرم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو یہ ہے، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ آپ کی
 گفتگو بھی اپنی خواہش سے نہیں۔“

لیکن مخالفت کی عینک سے دیکھنے والے کو اس میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ امام احمد رضا
 کو اپنا ہمسر انبیاء پنا یا جبار ہا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک۔

ملک شیر محمد اعوان (کالا باغ) نے لکھا ہے؛

”آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں، وہ اس بات
 کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیاتِ خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا
 درجہ رکھنا تھا۔“

”یہ عبارت بھی بعض لوگوں کو کھٹکتی ہے۔“

۱۔ سید محمد محدث کچھو چھوی، انوارِ رضا (شکرکت حنفیہ، بمبئی) ص ۲۷۰

۲۔ شیر محمد خاں اعوان، ملک، ص ۱۰۰

۳۔ ظہیر، البریلویہ، ص ۱۹

حالانکہ ظاہر ہے کہ آیت سے مراد قرآن پاک کی آیت تو ہے نہیں، آیت کا لغوی معنی مراد ہے۔ امام احمد رضا کی حیات مبارکہ سے واقفیت رکھنے والا ہر منصف اس بات کا اعتراف کرے گا۔ مولوی اسماعیل دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”سیدالعلماء وسندالاولیاء، حجة اللہ علی العالمین وارث الانبیاء والمرسلین“

حضرت شاہ صاحب کو حجة اللہ علی العالمین کہا جاسکتا ہے تو امام احمد رضا بریلوی کو آیت من آیات اللہ کیوں نہیں کہہ سکتے۔

منظر صحابہ کرام

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات طیبہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت سے عبارت تھی۔ ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی کہ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا کو نہ صرف محفوظ کیا جائے، بلکہ اس پر عمل بھی کیا جائے۔ نیز سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تقویٰ و طہارت اور حبِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عکس جمیل تھے۔

امام احمد رضا بریلوی کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ”بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے سنا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتباع سنت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا لطف آگیا، یعنی اعلیٰ حضرت قبلہ

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے زہد و تقویٰ کا مکمل نمونہ تھے۔

وصایا شریف کے پہلے ایڈیشن کا کاتب اہل سنت و جماعت کا مخالف تھا۔ اُس نے یہ عبارت تبدیل کر دی اور غلط عبارت چھپ گئی۔ مرتب وصایا مولانا حسنین رضا خان نے وضاحت کی کہ میری مصروفیت کے سبب ”وصایا شریف“ ویسے ہی چھپ گیا۔ پھر انہوں نے مذکورہ بالا صحیح عبارت بھی بیان کر دی کہ چونکہ میری غفلت اور بے توجہی شامل ہے، اپنی غفلت سے توبہ کرتا ہوں اور سنی مسلمانوں کو اعلان کرتا ہوں کہ وصایا شریف کے صفحہ ۲۴ میں اس عبارت کو کاٹ کر عبارت مذکورہ بالا لکھیں:

اس کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا

وعلى ذلك قال احد المهينين لاصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم ان زيارة البريلوى قلت اشتباقتنا
الى زيارة اصحاب النبي عليه السلام۔ ۳

قابل رشک بچپن

”امام احمد رضا بریلوی کا بچپن بھی عام بچوں سے حیرت انگیز حد تک مختلف تھا، چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید پڑھ لیا۔“
”چھ سال کی عمر میں بڑے مجمع کے سامنے ماہ ربیع الاول میں میلاد شریف کے موضوع پر پہلی طویل تقریر کی۔ اور تیرہ سال و س ماہ کی عمر میں مرتبہ علوم سے

۱۔ یسین اختر مصباحی، مولانا،	ضمیمہ ایمان افروز وصایا (مکتبہ اشرفیہ مرید کے)	ص ۳۴
۲۔ ایضاً،	” ” ” ” ”	ص ۳۵
۳۔ ظہیر،	البریلویہ، ص ۱۹	
۴۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو،	انوارِ رضا ص ۳۵۵	
۵۔ نسیم بستوی، مولانا،	اعلیٰ حضرت بریلوی	ص ۳۰

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ایک مرتبہ فرمایا،

”میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگی۔ ایک صاحب، اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوتے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے فصیح عربی میں ان سے گفتگو کی، اس بزرگ مستی کو کچھ سمجھ نہ سکیا۔“

کرامات کو تسلیم کرنے والے اس واقعہ کو حیرت بلکہ انکار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حالانکہ خود انہیں تسلیم ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علمی خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ اس میں تعجب کی کوئسی وجہ ہے کہ والد ماجد اور جد امجد کی توجہات کی بدولت وہ بچپن میں عربی میں گفتگو کرنے پر قادر ہوں، قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ کے نیچے بھی عربی میں گفتگو کرتے ہیں۔

یہ مشہور اور مسلم ہے کہ سید احمد بریلوی، شاہ اسمعیل دہلوی کے پیرو مرشد مروجہ درسی علوم حاصل نہیں کر سکے تھے، اس کے باوجود انہیں کتاب و سنت کا عالم ثابت کرنے کے لیے مولانا اسمعیل دہلوی نے ایک طریقہ اختیار کیا، وہ لکھتے ہیں،

”اللہ تعالیٰ کی عادت اسی قانون پر جاری ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین، کتب عربیہ اور فنون ادبیہ کے حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، لیکن بعض نفوس کاملہ کو خرق عادت (کرامت) کے طور پر ان مضامین لطیفہ پر پہلے اطلاع دے دیتے ہیں اور اسے قوم کی اصطلاح میں علم لدنی کہتے ہیں

۱۷ تھظرفالذین بہاری، مولانا حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۲

۱۸ تھظہیر، السیریلویہ ص ۱۹

۱۹ تھ ایضاً، ” ” ص ۱۳

اور وہ فنونِ ادبیہ بعد میں میسر ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات مبادی کے حاصل کرنے میں مبتدیوں کی طرح ان فنون کے اساتذہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ابتدائی علوم و فنون سے خالی رہتے ہیں۔“ لہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے، اپنے پیرومرشد کا کمال ثابت کرنے کے لیے خرقِ عادتِ کرامت بھی تسلیم، علم لدنی بھی مسلم، بلکہ کتبِ عربیہ اور فنونِ ادبیہ سے محروم رہنے کے باوجود کتابِ سنت کے مضامین کا حصول نہ صرف مانا جا رہا ہے، بلکہ دوسروں کو منوانے پر زور بیان صرف کیا جا رہا ہے۔ لیکن امام احمد رضا بریلوی کا بچپن میں عربی میں گفتگو کرنا ایسا بعید امر ہے کہ حلق سے اترتا ہی نہیں، اس جگہ نہ کرامت تسلیم نہ علم لدنی کی گنجائش!

اہل سنت و جماعت پر بلا وجہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء سے تشبیہ دینا چاہتے ہیں، بلکہ انبیاء سے بلند مرتبہ دکھانا چاہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اور یہ کہ امام احمد رضا بریلوی، اساتذہ کی تعلیم کے محتاج نہ تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدائش کے وقت ہی علم عطا فرما دیا تھا۔ پھر طنز یہ انداز میں کہتے ہیں: ”یا پھر ولادت سے پہلے ہی علم دے دیا تھا۔“ لہ

حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ولی کو نبی کے برابر یا افضل ماننا کفر ہے۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

”ولی کتنا ہی بڑے مرتبے والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔“ لہ

باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ پیدائش کے وقت یا اس سے پہلے بھی علم عطا فرما دے،

لہ محمد اسمعیل دہلوی، صراطِ مستقیم فارسی، ص ۶-۱۶۵

لہ ظہیر، البریلویہ، ص ۱۷

لہ امجد علی اعظمی، مولانا، بہار شریعت (شیخ غلام علی، لاہور)، ج ۱، ص ۱۵

تو اس میں تو ہی بات قابل اسرار ہے؛ ایسا یہ کہ اس وقت انسان میں قابلیت نہیں ہے
 تو اس کے لیے سید صاحب کے بارے میں مذکورہ بالا عبارت میں نفوس کاملہ، خرقِ عادت
 اور علم لدنی کے الفاظ کی یاد دہانی کافی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شبہ ہے، تو خود
 سوچ لیجیے کہ آپ کا ٹھکانا کہاں ہے؟

نبوت کا دعویٰ کون؟

مولوی اسماعیل دہلوی نے صراطِ مستقیم نامی کتاب سید صاحب کی امامت بلکہ اس
 بھی بلند مقام ثابت کرنے کے لیے لکھی تھی، اس کا انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں،
 ”جو شخص ذات کا مراقبہ اس لحاظ سے کرے کہ وہ کمالاتِ نبوت کا منشا ہے،
 اسے نبوت کے ایک معنی پر فائز کر دیں گے، جس کا ادنیٰ درجہ اچھی خواہیں ہیں،
 اسی طرح دوسرے درجے میں معنی رسالت کا اس پر فیضان ہوگا اور اسے تقہیم،
 تعظیم اور فافلوں، جاہلوں اور معاندوں سے مناظرہ کا الہام کیا جائے گا۔
 تیسرے درجے میں نافرمانوں، سرکشوں کو ہلاک کرنے اور اطاعت کرنے والے
 مخلصین کو انعام و اکرام کی ہمتِ قویہ بخشتے ہیں۔“ ۱

غور فرمایا آپ نے کہ مراقبہ کے پہلے درجے میں معنی نبوت، دوسرے درجے میں معنی رسالت
 اور تیسرے درجے میں معنی نعمت و ہلاکت دینے کی قوت دی جاتی ہے، یعنی آخر میں حسدائی
 دے دی جاتی ہے۔ ”تقویۃ الایمان“ کا فتویٰ بھی سامنے رہے؛
 ”یعنی اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور
 نقصان نہیں پہنچا سکتے، محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے
 ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجئے۔“ ۲

صراطِ مستقیم، فارسی
 ص ۱۲۸
 تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۱۶۳

۱۔ محمد اسماعیل دہلوی،
 ۲۔ ایضاً

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کو فائدہ اور نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے
 یہی بات صراطِ مستقیم کے مطابق مراقبہ کے تیسرے درجے میں حاصل ہو جاتی ہے۔
 صراطِ مستقیم کا خاتمہ پوری کتاب کا مقصد معلوم ہوتا ہے، اس کے چند اقتباسات
 دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھ لیجئے، لکھتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ حضرت (سید احمد بریلوی) ابتداء فطرت سے طریقی نبوت
 کے اجمالی کمالات پر پیدا کئے گئے تھے۔“ لہ

پھر سید صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ
 میں بیعت ہوئے۔ اس بیعت کے اثرات شاہ اسماعیل دہلوی کی زبانی سنئے؛
 ”حصولِ بیعت اور حضرت شاہ صاحب کی توجہات کی برکت سے بڑے
 وقیع معاملات ظاہر ہوئے۔ ان عجیب واقعات کے سبب سے وہ کمالات
 طریقی نبوت جو ابتداء فطرت میں اجمالاً مندرج تھے، تفصیل اور شرح کو پہنچ گئے۔“
 اس کے بعد ایک خواب بیان کرتے ہیں؛

”ایک دن ولایت مآب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء
 فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خواب میں دیکھا۔ جناب علی مرتضیٰ نے حضرت
 سید صاحب کو اپنے دست مبارک سے غسل دیا اور ان کے بدن کو خوب
 اچھی طرح دھویا، جیسے باپ اپنے بیٹوں کو غسل دیتے ہیں اور جناب
 حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بہت قیمتی لباس اپنے دست
 مبارک سے انہیں پہنایا۔“ لہ

۱۶۳ ص	صراطِ مستقیم، فارسی،	لہ محمد اسماعیل دہلوی،
۱۶۴ ص	” ” ”	لہ ایضاً؛
۱۶۴ ص	” ” ”	لہ ایضاً؛

اس وقت دہلوی صاحب کو نہ تو یاد رہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بعد از وصال تصرف ثابت کیا جا رہا ہے اور نہ ہی حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے ادبی کا احساس رہا، کیونکہ وہ تو سید صاحب کے لیے کمالاتِ راہِ نبوت کی راہ کھولنے میں مصروف تھے آخر میں ٹیپ کا بند بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

پس بسبب ہمیں واقعہ کمالاتِ طریقِ نبوت، نہایت جلوہ گر گردید اجتنابی ازلی کہ درازل الازال مکنون بود بر منصفہ ظہور رسید و عنایتِ رحمانی و تربیتِ یزدانی بلا واسطہ احدی مکتفل حال ایشان شد و معاملات متواترہ و وقائع منکاترہ پی در پی بوقوع آمد۔ لکن روزے حضرت جل و علا دست راست ایشان را بدست قدرتِ خاص خود گرفتہ و چیزے را از امور قدسیہ کہ بس رفیع و بدیع بود پیش روئی حضرت ایشان کردہ فرمود کہ ترا این چنین دادہ ام و چیز ہائے دیگر خواہم داد۔ لے

اسی واقعہ کے سبب کمالاتِ طریقِ نبوت کامل طور پر جلوہ گر ہوئے اور ازلی انتخاب کہ ازل الازال میں پوشیدہ تھا، منصفہ ظہور پر پہنچا اور رحمانی عنایت اور یزدانی تربیت کسی کے واسطہ کے بغیر ان کے حال کی کفیل ہو گئی۔ معاملات اور واقعات تواتر اور تسلسل سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کا ہاتھ، اپنی قدرتِ خاص کے ہاتھ میں پکڑا اور امورِ قدسیہ میں سے بلند عجیب چیز حضرت کے چہرے کے سامنے کی اور فرمایا تمہیں یہ کچھ دیا ہے اور بہت سی دوسری چیزیں بھی دوں گا۔

مزید واشتکاف انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں،

القصدہ امثال این وقائع و اشباہ این معاملات صدقہ در پیش آمد تا این کہ

لے محمد اسماعیل دہلوی، صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۱۶۴

کمالاتِ طریقِ نبوتِ بذروۃِ علیائے خود رسید و البام و کشفِ بعلمِ حکمت
انجامید این ست طریق استفاوۃ کمالاتِ راہِ نبوتِ یہ

”القصۃ ایسے صد ہا واقعات اور معاملات پیش آئے، یہاں تک کہ کمالاتِ
طریقِ نبوتِ اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ گئے اور البام و کشفِ علومِ حکمت تک
پہنچ گئے۔ یہ ہے کمالاتِ راہِ نبوت کے حاصل کرنے کا طریقہ۔“

اہل سنت پر محض الزام ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء کے برابر بلکہ ان سے بڑھ کر
نابت کرنا چاہتے ہیں۔ ”بہارِ شریعت“ کے حوالے سے اہل سنت کا عقیدہ اس سے پہلے بیان
لیا جا چکا ہے کہ کسی ولی کو نبی کے برابر یا افضل بتانا کفر ہے، لیکن مذکورہ بالا عبارات کا ایک
دفعہ پھر مطالعہ کیجئے، تو کھل جائے گا کہ کس طرح سید صاحب کی ابتداءِ فطرت میں کمالاتِ
طریقِ نبوت اجمالاً مندرج دکھائے گئے۔ پھر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بیعت کے
بعد وہ کمالاتِ طریقِ نبوت شرح و تفصیل تک پہنچے۔ پھر کمالاتِ طریقِ نبوت نہایت
جلوہ گر و دید اور اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور پھر تصریح کی کہ
کمالاتِ طریقِ نبوت بذروۃِ علیائے خود رسید“ کمالاتِ طریقِ نبوت اپنی انتہائی بلندی
کو پہنچ گئے۔

اب ہمیں بتایا جائے کہ اپنے پیرومرشد کو منصبِ نبوت پر کون فائز دکھانا چاہتا ہے
اہل سنت یا غیر مقلدین؟ یاد رہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک
مسلم امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

و کذلک من ادعی مجالسۃ اللہ والعروج الیہ

ومکالمۃ لہ

صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۱۶۵

الشفار (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ج ۲، ص ۲۴۵

لے محمد اسماعیل دہلوی،

۲ قاضی عیاض، امام،

”اسی طرح وہ شخص کافر ہے جو دانتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی، اس کی طرف عروج اور اس کے ہم کلام ہونے کا دعویٰ کرے۔“

امام احمد رضا بریلوی کے معتقدین پر تو یہ اعتراض ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے انہیں بیداشتش کے وقت ہی علم عطا فرمایا تھا، لیکن غیر مقلدین کے پیرومرشد کے بارے میں جو کہا جا رہا ہے اور اس پر کسی غیر مقلد کو اعتراض بھی نہیں۔

”حضرت ابتدائے فطرت سے طریق نبوت کے اجمالی کمالات پر پیدا کیے گئے تھے۔“

”پھر یہ کمالات شرح و تفصیل تک پہنچے۔“

”پھر براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہم کلامی۔“

”پھر کمالاتِ طریق نبوت انتہائی بلندی کو پہنچ گئے۔“

بچپن کا ایک واقعہ

امام احمد رضا بریلوی کی نو عمری کا زمانہ ہے، والد ماجد مولانا نقی علی خاں سے اصول فقہ کی دقیق ترین کتاب مسلم الثبوت پڑھ رہے تھے، ایک جگہ حاشیہ پر والد ماجد نے ایک جواب کی تقریر لکھی تھی، اب جو دیکھتے ہیں، تو اس سے آگے کتاب کا مطلب اس انداز میں لکھا ہوا تھا کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ ہوتا تھا اور نہ جواب کی ضرورت رہتی تھی۔ اس تقریر کو دیکھ کر انہیں مسرت ہوئی اور یہ معلوم کر کے تو بہت ہی مسرور ہوئے کہ یہ تقریر ان کے

۱۶۳ ص	صراطِ مستقیم، فارسی	۱۰
۱۶۴ ص	” ” ”	۱۱
۱۶۴ ص	” ” ”	۱۲
۱۶۵ ص	” ” ”	۱۳

ہو نہا رصا جزا دے اور شاگرد نے لکھی تھی، اٹھ کر سینے سے لگایا اور فرمایا:

” احمد رضا! تم مجھ سے پڑھتے نہیں، بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو۔“ لہ

اعتراض برائے اعتراض کرنے والوں کے لیے یہ امر بھی باعث حیرت و انکار ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی عمق کی عمق صلاحتیوں کو دیکھ کر ایک دنیا انگشت بندوں سے

مرزا غلام قادر بیگ کون تھے؟

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے مخالفین کی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ پادر ہوا
الزامات عائد کرنے سے بھی نہیں چپکتے اور یہ نہیں سوچتے کہ شکوک و شبہات کی تاریکی چھٹنے
کتنی دیر لگے گی اور جب ظلمت شب اعتراضات دور ہوگی، تو امام احمد رضا بریلوی کا قد اور
اونچا ہو چکا ہوگا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے :

والمجدیر بالذکر ان المدرس الذی کان یدرسہ
مرزا غلام قادر بیگ کان اخالہم ذاعلام احمد المتنبی
القادیانی۔ لہ

” قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو مدرس انہیں پڑھایا کرتا تھا۔ مرزا غلام قادر بیگ
نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔“

اس سلسلے میں چند امور توجہ طلب ہیں :

ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ ثابت کیا جائے کہ امام احمد رضا بریلوی کے استاذ

ص ۱۳۷

حیات اعلیٰ حضرت

لہ ظفر الدین بہاری، مولانا

ص ۱۹

السبریلویہ

لہ ظہیر

ص ۲۰

” ”

لہ ایضاً

مرزا غلام قادر بیگ، مرزائے قادیانی کے بھائی تھے، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَكِنْ تَفْعَلُوا
فَاتَّقُوا النَّاسَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

کان یدرسہ کا یہ مطلب ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ مستقل استاذ تھے جن سے
امام احمد رضا بریلوی نے تمام یا اکثر بیشتر کتابیں پڑھی تھیں، حالانکہ ان سے صرف چند
ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:
”میزان منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا
شروع کیا۔“^۱

”جب عربی کی ابتدائی کتابوں سے حضور فارغ ہوئے، تو تمام دینیات کی
تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مولوی تقی علی صاحب سے
تمام فرمائی۔“^۲

رومرزائیت

امام احمد رضا بریلوی کے مخالفین بھی تسلیم کریں گے کہ وہ مرزائیوں اور اسلام کے نام
پر بد مذہبی پھیلانے والے تمام فرقوں کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔ مرزائیوں کے خلاف
متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ چند نام یہ ہیں:

- (۱) الْمُبِينُ نَحْتَمُ النَّبِيْنَ
- (۲) الشُّعْرُ وَالْعِقَابُ عَلَى الْمَسِيحِ الْكَذَّابِ۔
- (۳) قَهْرُ الدِّيَانِ عَلَى مُرْتَدِّ بَقَادِيَانِ
- (۴) جَزَاءُ اللَّهِ عَدُوَّهُ بِأَبَائِهِ خَتَمَ النَّبُوَّةِ
- (۵) الْجُرْازُ الدِّيَانِي عَلَى الْمُرْتَدِّ الْقَادِيَانِي

ص ۳۲

ص ۳۳

حیات اعلیٰ حضرت،

” ” ”

سہ ظفر الدین بہاری، مولانا،

سہ ایضاً،

کے استاذ، مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے بریلی میں رہے۔ پھر کلکتہ چلے گئے اور بریلی سے بذریعہ استفتاء رابلہ رکھتے رہے۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

”میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم و مغفور (مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا

تھا، گورا چٹا رنگ عمر تقریباً اسی سال داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید

عمامہ باندھے رہتے۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت

بہت ہی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب

کا قیام کلکتہ، امرتالین میں تھا، وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھی کرتے

فتاویٰ میں اکثر استفتاء ان کے ہیں۔ انہیں کے ایک سوال کے جواب میں

اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ ”تحتی الیقین بان نبینا سید المرسلین“ تحریر فرمایا ہے

فتاویٰ رضویہ جلد سوم مطبوعہ مبارک پوز انڈیا کے ص ۸ پر ایک استفتاء ہے جو مرزا

غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کو ارسال کیا تھا،

ان تفصیلات کو پیش نظر رکھیے، آپ کو خود بخود یقین ہو جائے گا۔ مرزا سے قادیانی

کا بھائی اور امام احمد رضا بریلوی کے استاذ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں:

● وہ قادیان کا معزول تھا نیدار۔ یہ مدرس ٹائپ مولوی

● وہ پچپن سال کی عمر میں مر گیا۔ یہ اسی سال کی عمر میں حیات تھے

وہ ۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں فوت ہوا۔ یہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں زندہ تھے

کیونکہ عادتاً ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ۱۸۸۳ء میں قادیان میں فوت ہوا اور وفات

کے ٹھیک چودہ برس بعد ۱۸۹۶ء میں کلکتہ سے بریلی استفتاء بھیج دیا ہو۔

پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک مکتوب میں لکھا:

یہ افرمائے محض ہے، مرزا غلام قادر بیگ بریلوی قطعاً دوسری شخصیت ہیں
میں تفصیلی جواب ارسال خدمت کروں گا، اطمینان فرمائیے، لہ

شعبہ تاریخ احمدیت، ربوہ سے دوست محمد شاہ نے پروفیسر محمد مسعود احمد بریلوی
گورنمنٹ سائنس کالج، ٹھٹھہ کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے:

”بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب نے آپ کے دعوائی مسیحیت (۱۸۹۱ء) سے

آٹھ سال قبل ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا۔ آپ خود یا آپ کے کوئی بھائی،

بائس بریلی، رائے بریلی یا کلکتہ میں مقیم نہیں رہے۔“

اس کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں کہ امام احمد رضا کے استاذ مرزا غلام احمد قادیانی
کے بڑے بھائی تھے۔

علامہ عبدالحق خیر آبادی سے ملاقات

امام احمد رضا بریلوی ایک مرتبہ اپنے خاص رشتہ داروں کے ہاں رامپور گئے،
آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم، نواب کلب علی خاں کے ہاں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے،
انہوں نے نواب صاحب سے تذکرہ کیا، تو انہوں نے ازراہ اشتیاق آپ کو طلب کیا۔
نواب صاحب نے آپ کو اپنے خاص پلنگ بٹھایا اور کچھ علمی باتیں پوچھتے رہے۔
دوران گفتگو کہنے لگے یہاں مولانا عبدالحق خیر آبادی مشہور منطقی ہیں۔ ان سے متقدمین کی کچھ منطقی
کتابیں پڑھیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر والد ماجد کی اجازت ہوگی، تو کچھ دن ٹھہر سکتا ہوں۔

لہ مکتوب بنام راقم، تحریر ۳۱ مئی ۱۹۸۳ء

نوٹ: افسوس کہ ۲۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب ایک ایکسیڈنٹ میں
جاں بحق ہو گئے، اس لیے انہیں تفصیلات لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ۱۲ شرف قادری

لہ محمد مسعود احمد، پروفیسر، مکتوب بنام راقم، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۳ء

اتنے میں اتفاقاً علامہ عبدالحق خیرآبادی تشریف لے آئے۔

نواب صاحب نے تعارف کرانے کے بعد اپنے مشورہ کا ذکر کیا اور بتایا کہ نو عمری کے باوجود ان کی سب کتابیں ختم ہیں۔ علامہ خیرآبادی فرمایا کرتے تھے:

”دنیا میں صرف اڑھائی عالم ہوئے ہیں، ایک مولانا بحر العلوم، دوسرے

والد مرحوم اور نصف بندہ معصوم۔“

انہیں تعجب ہوا اور دریافت کیا منطق کی آخری کتاب کونسی پڑھی ہے؟ امام احمد رضا نے فرمایا: قاضی مبارک! علامہ نے پوچھا، شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں؟ آپ نے ان کے طنز کو محسوس کر کے فرمایا، کیا جناب کے ہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے؟

اب علامہ نے موضوع سخن تبدیل کرتے ہوئے پوچھا، اب کیا مشغلہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تدریس، افتاء، تصنیف، فرمایا، کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، مسائل میں اور رد و ہابیہ، یہ سن کر فرمایا، رد و ہابیہ؟ ایک میرا وہ بدایونی خطبہ ہے کہ ہمیشہ اسی خطبہ میں رہتا ہے۔ یہ اشارہ مولانا عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ فضل حق خیرآبادی کے شاگرد اور علامہ عبدالحق خیرآبادی کے دوست تھے، اسی لیے انہیں مبرا فرمایا۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا،

”جناب کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے مولانا فضل حق، جناب کے والد ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسماعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام تحقیق الفتویٰ تحریر فرمایا“ لے

لے ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۴-۳۳

نوٹ: بحمدہ تعالیٰ علامہ فضل حق خیرآبادی کی تصنیف لطیف تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ فارسی مع ترجمہ چھپ چکی ہے اور مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ سے مل سکتی ہے۔ ۱۲ شرف قادری

علامہ عبدالحق خیرآبادی نے فرمایا، اگر ایسی ہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی تو میں پڑھا

نہیں سکوں گا۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”آپ کی باتیں سن کر میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا کہ ایسے شخص سے منطق پڑھنی

اپنے علمائے ملت، حامیانِ سنت کی توہین و تحقیر سُننی ہوگی، اسی وقت پڑھنے

کا خیال بالکل دل سے دُور کر دیا، تب حضور کی بات کا ایسا جواب دیا۔“ لہ

اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ امام احمد رضا بریلوی اس وقت کا مروجہ نصاب پڑھ چکے تھے۔ نواب رامپور نے

منطق کی ان کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیا تھا جو نصاب سے خارج اور متقدمین مثلاً

ابن سینا، محقق طوسی اور میر باقر وغیرہ کی تصنیف تھیں۔

۲۔ امام احمد رضا بریلوی نے علامہ خیرآبادی کی گفتگو میں علماء اہل سنت کی تخفیف عمول

کر کے علامہ سے کچھ نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا، ورنہ علامہ نے پڑھانے سے انکار نہیں کیا تھا۔

مخالفت بلکہ مخالفت کے زاویہ نگاہ سے دیکھنے والے اس واقعہ کو دوسرے رنگ

میں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”بریلوی اپنے قائد کو بچپن ہی میں نابغہ ثابت کرنے کے لیے بار بار اس قول

کو دہراتے ہیں کہ ان کے قائد چودہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے۔

پھر اس جھوٹ اور اپنے قائد کے اس معجزے کو بھول گئے اور بیان کیا کہ

انہوں نے اس وقت کے مشہور معقولی عالم عبدالحق خیرآبادی ابن قاضی فضل حق

خیرآبادی سے پڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ دباہیوں سے ان کی شدید مخالفت

کی بنا پر راضی نہ ہوئے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ان کی عمر صرف

بیس سال تھی۔“

علامہ خیر آبادی کی ملاقات کا واقعہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔
اسے ایک دفعہ پھر پڑھیے اور خوردبین لگا کر دیکھیے کہ اس مخالفانہ بیان میں کتنی صداقت
ہے؟ چند امور غور طلب ہیں:

۱۔ چودہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہونے کو معجزہ کس نے کہا ہے؟

یہ مخالف کی کج نظری کا نتیجہ ہے یا نیت کا فساد؟

۲۔ امام احمد رضا بریلوی تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم اور درسی کتب سے فارغ

ہو گئے اور بیس سال کی عمر میں علامہ خیر آبادی سے پڑھتے، تو منطق کی بعض خارج از نصاب
کتابیں پڑھتے، ان دونوں باتوں میں کیا تخالف ہے؟ اور کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ چودہ سال کی عمر
میں مروجہ درسی کتب سے فارغ نہیں ہو گئے تھے۔

۳۔ علامہ خیر آبادی کی گفتگو سے علماء اہل سنت کی شان میں تحقیف آمیز گفتگو سن کر

امام احمد رضا بریلوی نے خود نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ قطعاً صحیح نہیں کہ علامہ پڑھانے
کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔

۴۔ یہ بھی درست نہیں کہ وہابیوں کے شدید مخالف ہونے کے سبب وہ پڑھانے پر

راضی نہیں ہوئے تھے، انہوں نے صرف اتنا کہا تھا،

”اگر یہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی، تو میں پڑھا نہیں سکوں گا۔“

دونوں بیان ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں

حضرت شاہ آل رسول مارہروی سے اجازت

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) فرماتے ہیں،

”۱۲۹۴ھ میں مارہرو حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی

کے مرید ہوئے اور خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث سے

مشرف ہوئے۔“ لہ

حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری سے استفادہ

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد نقل کرتے ہیں؛
”جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا، تعلیم طریقت
پیر و مرشد برہتی سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا، تو قبل وصال
مجھے حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عبد و
سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت
و علم تفسیر، جفر وغیرہ علوم میں نے حاصل کیے۔“ لہ
اب سمجھ کا پھیر یا نیت کا فتور کہ ان دونوں بزرگوں سے استفادہ کی بنا پر
امام احمد رضا بریلوی کے چودہ سال کی عمر میں مرقبہ علوم و کتب سے فارغ ہونے کو جھوٹ
را دیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے؛ لا ذاکرۃ لکذاب“ دُرُوعُ گُورِ حَافِظِہ نَبَاشِدُہ
یا تبصرہ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں؛

”اُس سے بھی بڑی بات یہ کہ انہوں نے لکھا کہ (احمد رضا) بریلوی نے
سید آل رسول شاہ کی ۱۲۹۴ھ میں شاگردی اختیار کی اور ان سے حدیث
وغیرہ علوم کی اجازت حاصل کی۔

اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابوالحسین احمد سے بعض علوم پڑھے اور یہ

۱۲۹۶ھ کا واقعہ ہے۔“

۳۵۶ ص	الوارِ رضا	لہ مختار الدین آرزو، ڈاکٹر؛
۳۴-۵ ص	حیاتِ اعلیٰ حضرت	لہ ظفر الدین بہاری، مولانا؛
۲۰ ص	البریلویۃ	لہ ظہیر؛

اہل علم جانتے ہیں کہ مروجہ علوم و کتب سے فراغت الگ چیز ہے اور کسی بزرگ سے
 تبرکاً حدیث کی سند اور طریقت کی تعلیم حاصل کرنا یا علم تکسیر اور علم جفر حاصل کرنا جو مروجہ
 علوم میں داخل نہیں، قطعاً دوسری چیز ہے۔ عموماً یہی ہوتا ہے کہ مدارس میں پڑھائے جانے
 والے نصاب کے پڑھنے کے بعد کسی روحانی شخصیت سے طریقت وغیرہ کے علوم کا استفادہ
 کیا جاتا ہے۔ شاید ان صاحب کے نزدیک مروجہ نصاب سے فارغ ہونے کے بعد تحصیل
 علم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ بی اے کا سند یافتہ گریجویٹ بن جاتا ہے پھر اعلیٰ تعلیم
 کے لیے ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کرتا ہے اب اگر کوئی شخص کہے کہ اس نے ڈگری حاصل
 نہیں کی، یہ تو ابھی تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہے، تو اسے کیا کہا جائے؟

امام احمد رضا

اور شیعہ

پاسبانِ مسک اہل سنت امام احمد رضا بریلوی دیگر فرق باطلہ کی طرح شیعہ کا بھی سخت رد فرمایا۔ شیعہ عام طور پر دو گروہ ہیں؛ ایک وہ جو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلیفہ برحق مانتا ہے، لیکن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان سب سے افضل جانتا ہے، یہ تفضیلیہ ہیں۔ دوسرا گروہ معاذ اللہ! خلفائے ثلاثہ کو خلیفہ برحق نہیں مانتا، انہیں غاصب قرار دیتا ہے اور خلیفہ بلا فصل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتا ہے۔ دیگر صحابہ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔ ابوطالب کے بارے میں اصرار رکھتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے رد شیعہ میں متعدد رسائل لکھے جن میں سے چند یہ ہیں:

- | | |
|-----------------------------|--|
| (۱) رد الرضا | (روافضی زمانہ کارڈ کہ نہ سنی ان کا وارث نہ ان سے نکاح) |
| (۲) الاذلة الطاعة | (روافضی کی اذان میں کلمہ خلیفہ بلا فصل کا شدید رد) |
| (۳) اعالی الافادہ | (تعزیرہ داری اور شہادت نامہ کا حکم) |
| فی تعزیر المندوبین والشہادہ | |
| (۱۳۲۱ھ) | |

(۴) جَزَاءُ اللَّهِ عَدْوًا
(مرزا بیوں کی طرح روافض کا بھی رد)

بَابُ خَتَمِ النَّبِيِّ (۱۳۱۷ھ)

● مناقب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

(۵) غایۃ التحقیق (پہلے خلیفہ برحق کی تحقیق)

فی امامۃ العلی والصدیق

(۶) الكلام البهی

حضرت صدیق اکبر کی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم سے مشابہتیں،

(آیہ کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

کی تفسیر اور مناقب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(شیخین کریمین کی افضلیت پر

مبسوط کتاب)

(شیخین کریمین کے وہ اسماء مبارکہ جو

احادیث میں وارد ہیں)

(قرآن کریم کیسے جمع ہوا اور حضرت عثمان غنی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر جامع القرآن

کیوں کہتے ہیں؟)

فی تشبیه الصدیق بالنبی (۱۲۹۷ھ)

(۷) الزلال الأتقی (عربی)

من بحر سبقة الأتقی (۱۳۰۰ھ)

(۸) مطلع القمیین

فی ابانۃ سبقة العمیین (۱۲۹۷ھ)

(۹) وجه المشوق

بجلوة اسماء الصدیق والفاروق (۱۲۹۷ھ)

(۱۰) جمع القرات

ویم عزوہ لعثمان (۱۳۲۲ھ)

● مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

(تفضیلیہ اور مستقان امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رد)

(مناقب حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۱۱) البشوی العاجلہ

من تحت آجلہ (۱۳۰۰ھ)

(۱۲) عرش الاغزانی والاکوام

لاول ملوک الاسلام (۱۳۱۲ھ)

(۱۳) ذَبُّ الْأَهْوَاءِ الْوَاهِيَةِ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فِي بَابِ الْأَمِيرِ مُعَاوِيَةَ (۱۳۱۲ھ) پر مطاعن کا جواب)

(۱۴) أَعْلَامُ الصَّعَابَةِ الْمُؤَافِقِينَ (حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور

لِلْأَمِيرِ مُعَاوِيَةَ وَأُمِّ الْمُؤْمِنِينَ (۱۳۱۲ھ) امیر معاویہ کے ساتھ کون سے صحابہ تھے)

(۱۵) الْأَحَادِيثُ الرَّاَوِيَةَ (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

لِمَدْحِ الْأَمِيرِ مُعَاوِيَةَ (۱۳۱۳ھ) مناقب کی احادیث)

● رد تفضیلیہ

(تفضیلیہ اور مفستقہ کا رد)

(۱۶) الْجَرْحُ الْوَالِجُ

فِي بَطْنِ الْخَوَارِجِ (۱۳۰۵)

(تفضیلیہ اور مفستقہ کا رد)

(۱۷) الْقَصْمَامُ الْحَيْدَرِي

عَلَى حُمَيِّ الْعِيَارِ الْمُفْتَرِي (۱۳۰۴ھ)

(مسئلہ تفضیل اور تفضیل من جمیع الوجوه

(۱۸) الرَّائِحَةُ الْعَنْبَرِيَّةُ

کا بیان)

عَنِ الْجَمْرَةِ الْحَيْدَرِيَّةِ (۱۳۰۰ھ)

(تفضیل و تفسیق سے متعلق سات سوالوں

(۱۹) لَمَعَةُ الشُّعْبَةِ

کا جواب)

لِمُدَى شَيْعَةِ الشُّعْبَةِ (۱۳۱۲ھ)

● ابوطالب کا حکم

(ایک سو تیس کتب تفسیر و عقائد وغیرہ

(۲۰) شَوْحُ الْمَطَالِبِ

سے ایمان نہ لانا ثابت کیا)

فِي مَبْحَثِ أَبِي طَالِبٍ (۱۳۱۶ھ)

ان کے علاوہ وہ رسائل اور قصائد جو سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان

میں لکھے ہیں، وہ شیعہ و روافض کی تردید ہیں، کیونکہ شیعہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ساتھ خوش عقیدگی نہیں رکھتے، اس لیے کہ حضرت غوث اعظم فضائل صحابہ کے قائل ہیں۔

سُنیت اختیار کریں، ورنہ شفا نہیں

ایک دفعہ ایک امیر کبیر کی بیگم بیمار ہوئی جو سُنتی نہ تھی۔ مارہرہ شریف کے حضرت سید مہدی حسن میاں کی معرفت سوال کیا گیا کہ وہ صحت یاب ہوگی یا نہیں؟ امام احمد رضا یلوی نے علم جفر کے ذریعے معلوم کر کے جواب ارسال کیا:

”سُنیت اختیار کریں، ورنہ شفا نہیں۔“ لے

حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ امیر انجمن حزب لائونٹین، بہور نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ یہ واقعہ سابق نواب رام پور حامد علی خاں کی بیگم اقبال بیگم واقعہ ہے اور وہ شیعہ تھی اور شیعہ ہی اس دنیا سے رخصت ہوئی۔

ایک مرتبہ علامہ ابوالحسنات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم جفر کے ذریعے سوال کا جواب اثبات میں آتا ہے یا نفی میں، لیکن یہ جواب نہیں آسکتا کہ اگر سُنتی ہوگا تو یوں ہوگا اور شیعہ ہوگا، تو یوں ہوگا۔ محمد جعفر شاہ پھلواری نے اس کی توجیہ کی کہ:

”حضرت فاضل بریلوی نے در اسل دو سوالوں کا جواب نکالا تھا،

کیا وہ اچھی ہوگی۔ جواب آیا نہیں

کیا وہ سُنتی ہوگی۔ جواب آیا نہیں

پھر انہوں نے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا، یعنی نہ وہ اچھی ہوگی اور نہ سُنتی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اگر وہ سُنتی ہوگی، تو تندرست ہو جائے گی۔“

یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں، حیدرآباد (دکن) کے ایک فاضل نے امام احمد رضا سے سوال کیا کہ ایک شخص دلاور علی، ایک کافرہ عورت کا طلب گار ہے، کیا وہ اس سے

لے ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۳

لے مرید احمد چشتی، جہانِ رضا (مرکزی مجلسِ رضا، لاہور)، ص ۱-۱۳۰

نکاح کر سکے گا؟ امام احمد رضا بریلوی نے علم جفر سے سوال کیا، جواب آیا،
 "اس سے کیسے نکاح کرے گا، جبکہ وہ مشرک ہے اور کبھی بھی ایمان نہیں
 لائے گی۔" ۱۰

دو مرتبہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، اسی جواب کو یوں بیان کیا جاسکتا
 ہے کہ اگر وہ عورت ایمان لے آئے، تو نکاح ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

شیعوہ کا حکم؟

روافض کا حکم کیا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں،
 "رافضی اگر امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دے، تو مبتدع
 ہے جیسے فتاویٰ خلاصہ، عالمگیری وغیرہ میں ہے اور اگر شیخین یا ان میں سے ایک کی
 امامت کا انکار کرے تو فقہاء نے اسے کافر قرار دیا اور متکلمین نے بدعتی اور اسی میں
 زیادہ احتیاط ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بدلہ کا قائل ہو، کہ اسے پہلے علم نہیں ہوتا
 شے واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے، یا کہے کہ موجودہ قرآن ناقص ہے۔ صحابہ یا کسی
 دوسرے نے اس میں تحریف کی ہے یا یہ کہ امیر المؤمنین (علی مرتضیٰ) یا اہل بیت میں سے
 کوئی امام اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء سابقین صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سے افضل ہے
 جیسے کہ ہمارے شہر کے رافضی کہتے ہیں اور ان کے اس دور کے مجتہد نے تصریح کی
 ہے، تو وہ قطعاً کافر ہے اور اس کا حکم مرتدوں والا ہے جیسے کہ فتاویٰ ظہیریہ کے
 حوالے سے عالمگیری میں ہے۔" ۱۱

اس کے علاوہ احکام شریعت (مدیریت پبلشنگ کمپنی، کراچی) کے درج ذیل صفحات،

الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ (مرکزی مجلس رضا، لاہور) ص ۶

۱۰ امام احمد رضا بریلوی، امام؛

فتاویٰ الحرمین برصفت ندوة المین (مکتبہ ایشق، ترکی) ص ۱۰

۱۱ ایضاً؛

اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم مطبوعہ مبارک پور انڈیا، کے درج ذیل صفحات ملاحظہ کیے جائیں:

۲۲۹ — ۱۶۹ — ۱۵۸ — ۹۴ — ۳۷ — ۳۵ — ۳۲ — ۲۵

۴۷۷ — ۲۸۴ — ۲۸۶ — ۲۹۰ — ۵۲۷ — ۵۲۸

اسی طرح فتاویٰ رضویہ کی باقی جلدیں دیکھیے، معلوم ہو جائے گا کہ امام احمد رضا بریلوی نے شیعہ اور روافض کے بارے میں کیا کیا احکام بیان کیے ہیں۔

مشہور زمانہ سلام کے چند اشعار دیکھیے۔

یعنی اس افضل المخلوق بعد الرسل	ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سفر	اس خداداد حضرت پہ لاکھوں سلام
در منشور قرآن کی سبک بہی	زوجِ دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیصِ بدنی	حُذہ پوشش شہادت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین	ساتی رشیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اولیں دافعِ اہلِ رنض و حسد و ج	چار می رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
ماحقِ رنض و تفضیل و نصب و خروج	حامی دین و سنت پہ لاکھوں سلام

سبحان اللہ کس عمدگی کے ساتھ مسلکِ اہل سنت کی ترجمانی فرمائی ہے۔ بے شک اہل سنت کا امام ہی اتنی نفیس ترجمانی کر سکتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے ردیف بار میں ۲۱۶ اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ کہا جس میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بڑی شرح و بسط سے بیان کیے اور آخر میں بد مذہبوں پر تند و تیز تنقید کی ہے۔ زورِ بیان، شکوہ الفاظ اور مطالب کی بلندی دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

علی سے محبت عمر سے عداوت
روافض پر والد قہر علی ہے
کہیں بھی ہوئے جمع نور وغیاہب
خوارج پر فاروق اعظم معاتب
تقیے کی تہمت سرشیر غالب ہے
وہی تو محبتانِ حیدر جو رکھتیں

شیعہ ہونے کا الزام

دین و دیانت رکھنے والے حضرات کے لیے یہ امر باعث حیرت ہوگا کہ اہل سنت کے امام مولانا شاہ احمد رضا بریلوی پر لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات میں سے ایک الزام یہ بھی ہے:

”وہ ایسے شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے اہل سنت کو

نقصان پہنچانے کے لیے بطور تقیہ، سنی ہونا ظاہر کیا تھا۔“

پندرھویں صدی کا یہ عظیم ترین جھوٹ بولتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ کیا ساری دنیا اندھی ہو گئی ہے جسے امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا جو شخص فتاویٰ رضویہ اور دیگر بلند پایہ علمی تصانیف کا مطالعہ کرے گا، وہ آپ کی صداقت اور دیانت کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ کیا قیامت کے دن، واحد قہار کی بارگاہ میں جواب دہی کا یقین بالکل ہی جاتا رہے؟ یا روز قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں ہے۔ اس دعوے پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، وہ اس قدر بے وزن اور غیر معقول ہیں کہ دلائل کھلانے کے قابل ہی نہیں، ذیل میں ان کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

الزام ۱: ان کے آباؤ اجداد کے نام شیعوں والے ہیں، ایسے نام اہل سنت میں رائج نہ تھے اور وہ یہ ہیں:

عداوت بخشش (ناجسہ سلیم پریس، ناچھ، ج ۳، ص ۲۶)

اے محمد محبوب علی خاں، مولانا،

البریلویہ ص ۲۱

اے ظہیر!

احمد رضا، ابن لقی علی ابن رضا علی ابن کاظم علیؑ

"نواب صدیق حسن خان کے والد کا نام حسن، دادا کا نام علی الحسنین، بیٹے

کا نام میر علی خاں اور میر نور الحسن خانؑ

غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی ہیں، مدراس کے مولوی صاحب کا نام محمد باقر ہے۔ قنوج کے مولوی کا نام ہے رستم علی ابن علی اصغر، ایک دوسرے مولوی کا نام غلام حسنین ابن مولوی حسین علی۔ ان لوگوں کا تذکرہ نواب بھوپالی کی کتاب بحب العلوم کی تیسری جلد میں کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے جریدے اشاعت السنۃ کے ایڈیٹر کا نام

محمد حسین بٹالوی ہے۔ کیا یہ سب شیعہ ہیں؟

الزام ۲: "بریلوی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ایسے کلمات کہے کہ انہیں سُتی کبھی زبان پر نہیں لاسکتا۔" ۳

اللہمَّ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

حدائق بخشش حصہ سوم

امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان دو حصے پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں مرتب اور شائع ہوا۔ ماہ صفر ۱۳۲۰ھ / ۱۹۲۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ وصال کے دو سال بعد ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد محبوب علی قادری لکھنوی نے آپ کا کلام متفرق مقامات سے حاصل کر کے حدائق بخشش حصہ سوم کے نام سے شائع کر دیا۔ انہوں نے مسودہ نابھہ ٹیم پریس، نابھہ کے سپرد کر دیا، پریس والوں نے کتابت کروائی اور کتاب چھاپ دی۔

۱ ظہیر: البریلویہ ص ۲۱
۲ صدیق حسن خان بھوپالی، نواب، بحب العلوم ج ۳ ص ۲۱
۳ ظہیر: البریلویہ ص ۲۱

کاتب بد مذہب تھا، اُس نے دانستہ یا نادانستہ چند ایسے اشعار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدح کے قصیدے میں شامل کر دیئے جو ام زرع وغیرہ منکر عورتوں کے بارے میں تھے، ان عورتوں کا ذکر حدیث کی کتابوں مسلم شریف، ترمذی شریف اور نسائی شریف وغیرہ میں موجود ہے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں سے چند ایک تسامح ہوئے،

(۱) چھپائی سے پہلے انہوں نے اپنی مصروفیات اور پریس والوں پر اعتماد کر کے چھپنے سے پہلے کتابت کو چیک نہ کیا۔

(۲) کتاب کا نام "حداائق بخشش حصہ سوم رکھ دیا، حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ باقیاتِ رضا یا اسی قسم کا کوئی دوسرا نام رکھتے۔

(۳) ٹائٹل پیج پر کتاب کے نام کے ساتھ ۱۳۲۵ھ بھی لکھ دیا، حالانکہ یہ سن پہلے دو حصوں کی ترتیب کا تھا جو مصنف کے سامنے ہی چھپ چکے تھے۔ تیسرا حصہ تو ۱۳۲۲ھ میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اسی لئے ٹائٹل پیج پر امام احمد رضا بریلوی کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھا ہوا ہے۔ اگر ان کی زندگی اور ۱۳۲۵ھ میں یہ کتاب چھپتی، تو ایسے عائبہ کلمات برگزینہ درج ہوتے۔

(۴) یہ مجموعہ مرتب کر کے امام احمد رضا بریلوی کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں یا بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں کو دکھائے اور منظوری حاصل کیے بغیر چھاپ دیا۔

(۵) کتاب چھپنے کے بعد جیسے ہی صورتِ حال سامنے آئی تھی، اس غلطی کی تصحیح کا اعلان کر دیتے، تو صورتِ حال اتنی سنگین نہ ہوتی، لیکن یہ سوچ کر خاموش رہے کہ اہل علم خود ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ اشعار غلط جگہ چھپ گئے ہیں اور آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔

محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی کے صاحبزادے حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں فراتہ میں

”مجھے محبوب الملّت (مولانا محمد محبوب علی خاں) کے خلوص سے انکار نہیں اور

نہ ہی میں یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم بخشش کی بنا پر ایسا کیا، لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پا رہا ہوں کہ محبوب الملّت نے کسی سے مشورہ کیے بغیر حدائق بخشش میں تیسری جلد

کا اضافہ کر کے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے۔ ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ایسی فاش غلطی جس کی تہہ ذمہ داری محبوب الملّت پر عائد ہوتے

ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی۔ سوچ کر بتائیے

کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو، آنے والا مورخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کرے گا۔“ لہ

ایک عرصہ بعد دیوبندی پکّتب فکر کی طرف سے پورے شد و مد سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ

مولانا محمد محبوب علی خاں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں گستاخی کی ہے، لہذا انہیں کبھی کی سنی جامع مسجد سے نکال دیا جائے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور وہ کچھ کیا جو ایک سچے مسلمان کا کام ہے۔ انہوں نے مختلف جرائد اور اخبارات میں اپنا توبہ نامہ شائع کرایا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی مصنف خون کے آنسو نے ایک ہفت روزہ کے ذریعے انہیں غلطی کی طرف متوجہ کیا تھا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ کو کبھی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تخریر حدائق بخشش

حصہ سوم کے متعلق دیکھی، جو اب پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے

ہوتے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا ہے اور استغفا

کرتا ہے، خدا تعالیٰ معافی بخشے، آمین! (ماہنامہ سنی دنیا شمارہ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ ص ۲۱)

۱۔ شرکت حنفیہ، لاہور؛
۲۔ محمد مظہر اللہ بلوی، مفتی؛
۳۔ فتاویٰ مظہری (مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) ج ۲ ص ۲۹۳

اس کے باوجود مخالفین نے اطمینان کا سانس نہیں لیا، بلکہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ توبہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر علمائے اہل سنت سے فتوے حاصل کیے گئے کہ ان کی توبہ یقیناً مقبول ہے، کیونکہ انہوں نے یہ اشعار نہ تو ام المومنین کے بارے میں کہے اور نہ لکھے ہیں، ان کی غلطی صرف اتنی تھی کہ کتابت کی دیکھ بھال نہ کر سکے۔ اس کی انہوں نے علی الاعلان اور بار بار توبہ کی ہے اور در توبہ کھلا ہوا ہے۔ پھر کسی کے کہنے کا کیا جواز ہے کہ توبہ قبول نہیں۔ یہ فتاویٰ فیصلہ مقدسہ کے نام سے ۱۳۷۵ھ میں چھپ گئے اور تمام شور اور شر ختم ہو گیا، اس میں ایک سو اسی علماء کے فتوے اور تصدیقی دستخط ہیں۔ الحمد للہ کہ فیصلہ مقدسہ، مرکزی مجلس رضالامور نے دوبارہ چھاپ دیا ہے۔ تفصیلات اس میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مقام غور ہے کہ جو کتاب امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد مرتب ہو کر چھپی ہو، اس میں پاتی جانے والی غلطی کی ذمہ داری ان پر کیسے ڈالی جاسکتی ہے؟ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء میں بھی جس یہ ہنگامہ کھڑا کیا گیا تو تمام ترمذی مولانا محمد محبوب علی خاں مرتب کتاب پر ڈال دی گئی تھی کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ امام احمد رضا بریلوی نے حضرت ام المومنین کی شان میں گستاخی کی ہے لیکن آج حقائق سے منہ موڑ کر گستاخی کا الزام انہیں دیا جا رہا ہے۔

آج تک امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء پر یہی الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ انبیاء و اولیاء کی محبت و تعظیم میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ پھر یہ ایک یہ کاپاپلٹ کیے ہو گئی کہ انہیں گستاخی کا مرتکب قرار دیا جا رہا ہے؟ دراصل امام احمد رضا بریلوی نے بارگاہ خداوندی اور حضرات انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سخت علمی و قلمی محاصرہ کیا تھا، جس کا نہ تو جواب دیا جاسکا اور نہ ہی توبہ کی توفیق ہوتی، لہذا انہیں بے بنیاد الزام جانے لگا کہ یہ گستاخی کے مرتکب ہیں۔

مولوی محمد اسماعیل دہلوی اپنے پیر و مرشد سید احمد رائے بریلی کے بارے میں کہتے ہیں کہ کمالاتِ طریقِ نبوت اجمالاً تو ان کی فطرت میں موجود تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ یہ کمالات

راہِ نبوت تفسیلاً کمال کو پہنچ گئے اور کمالات طریق ولایت بطریق احسن جلوہ گر ہو گئے۔ ان کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”جناب علی رضی نے حضرت کو اپنے دست مبارک سے غسل دیا اور ان کے بدن کو خوب دھویا، جیسے باپ اپنے بچوں کو مل کر غسل دیتے ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا نے ہمیشہ قیمت لباس اپنے ہاتھ سے انہیں پہنایا۔ پھر اسی واقعہ کے سبب کمالاتِ طریقِ نبوت انتہائی جلوہ گر ہو گئے۔“

یہ اگرچہ خواب کا واقعہ بتایا جا رہا ہے، لیکن ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ ایسے واقعات کاتبوں میں درج کرنا اور پھر فارسی اور اردو میں انہیں بار بار شائع کرنا حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں سزاوارتہ ادب نہیں ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے توجہ دلانے کے باوجود علماء اہل حدیث نے اس کا تدارک نہ کیا اور نہ ہی توبہ کی۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

مشکلے دارم زدانش منذ مجلس باز پرس !!

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کسترمی کنند

الزام ۳، انہوں نے ایسے عقائد و افکار کو رواج دیا جو ان سے پہلے پاک و ہند کے اہل سنت میں رائج نہیں تھے اور وہ تمام شیعہ سے مانع ہیں جیسے انبیاء و اولیاء کے لیے علم غیب، مسند علم ماکان و مایکون اور اختیار و قدرت وغیرہ۔

یہ تو آپ آئندہ ابواب میں دیکھیں گے کہ یہ عقائد قرآن و حدیث اور علماء اسلام کے اقوال سے ثابت ہیں اور وہ عقائد ہیں جو ابتداء اسلام ہی سے چلے آئے ہیں۔ اس وقت صرف چند حوالے درج کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا بریلوی نے قدیم سنی حنفی

طریقے کی حمایت و حفاظت کی ہے اور دوسرے فرقوں نے سلف صالحین کے راستے سے انحراف کیا ہے۔

سید سلیمان ندوی جن کا میلانِ طبع اہل حدیث کی طرف تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد دو گروہ نمایاں ہوتے،

(۱) علماء دیوبند اور مولانا سخاوت علی جوہر پوری وغیرہ اس سلسلے میں توحید خالص کے جذبہ کے ساتھ حنفیت کی تقلید کا رنگ نمایاں رہا۔ (۲) میاں نذیر حسین دہلوی اس سلسلے میں توحید خالص اور ردِ بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کی بجائے براہِ راست کتبِ حدیث سے بقدرِ فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا اور اسی سلسلے کا نام اہل حدیث مشہور ہوا۔ ان دو گروہ ایک تیسرا سلسلہ بھی تھا، جس کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں،

”تیسرا فرقہ وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے کو اہل سنت کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تربیلی اور بدایوں کے علماء تھے۔ اس اقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ بریلی اور بدایوں کے علماء کسی نئے فرقے کے بانی نہ تھے، بلکہ اصلی سلفی حنفی تھے۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری مدیر اہل حدیث نے، ۱۹۳۷ء میں لکھا تھا:

”امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اسی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔“

چونکہ امام احمد رضا بریلوی نے مسلکِ اہل سنت اور مذہبِ حنفی کی زبردست حمایت و حفاظت کی تھی، اس لیے ان کی نسبت، اہل سنت کے لیے نشانِ امتیاز بن گئی ہے درنہ بریلوی کوئی نیا فرقہ نہیں ہے۔

حیاتِ نبوی ص ۴۴ تا ۴۶ (بہارِ نقیبتِ تذکرہ اکابر اہل سنت)
شمعِ توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴۰

سید سلیمان ندوی
ثناء اللہ امرتسری

شیخ محمد اکرام جو سرسید کے مکتب فکر سے اہل سنت اور اہل سنت و جماعت سے کھلم کھلا
 عناد رکھتے تھے، وہ بھی بریلوی پارٹی کے عنوان کے تحت امام احمد رضا بریلوی کے متعلق لکھ گئے،
 ”انہوں نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی ہے“
 ہندوستان کے معروف محقق اور ادیب مالک رام جو قادیانیت اور ندویت دونوں سے متاثر
 ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جیسا کہ سب کو معلوم ہے بریلی مولانا احمد رضا خاں مرحوم کا وطن ہے، وہ
 بڑے سخت گیر قسم کے قدیم الخیال عالم تھے، یہ
 اس کے باوجود کوئی شخص حقائق کا منہ چڑانے کی کوشش کرے، تو اسے کیا کہا جائے؟
اتمہ اہل سنت اور فضائل اہل بیت

الزام علیہ، وہ شیعہ روایات و احادیث کی روایت کرتے تھے اور انہیں
 اہل سنت میں رواج دیتے تھے، مثلاً ان علیاً قسیم النار علی مرتضیٰ
 دشمنوں کو آگ تقسیم کرنے والے ہیں۔ نیز یہ روایت کہ فاطمہ کا نام فاطمہ
 اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی ذریت کو آگ سے دور
 کر دیا ہے۔“

حضرت امام علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وقد خرج اهل الصبح والائمة ما اعلم به اصحابه
 صلى الله عليه وسلم متاوعدهم من الظهور على عدائه

موج کوثر (طبع ہفتم ۱۹۶۶ء) ص ۷۰ (بحوالہ تقریب مذکور)

نذر عرش (مطبوعہ دہلی) ص ۱۳ (ایضاً)

البریلویہ، ص ۲۱-۲۲

۱۔ شیخ محمد اکرام،

۲۔ مالک رام،

۳۔ ظہیر،

إلى ان قال، وقتل عليّ وأن اشقاها الذي يخضب
 هذه من هذه اى لحيته من رأسه، وانه قسيم النار
 يدخل وليائه الجنة واعداءه النار له

”اصحاب صحاح اور ائمہ حدیث نے وہ حدیثیں روایت کیں، جن میں حضور اکرم
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو غیب کی خبریں دیں، مثلاً یہ وعدہ کہ وہ
 دشمنوں پر غالب آئیں گے اور مولیٰ علی کی شہادت اور یہ کہ امت کا بد بخت ترین
 ان کے سر مبارک کے خون سے ریش مطہر کورنگے گا اور یہ کہ مولیٰ علی قسیم دوزخ
 ہیں، اپنے دوستوں کو بہشت میں اور اپنے دشمنوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے
 کیا قاضی عیاض شیعہ تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں، وہ اہل سنت کے مسلم بزرگ اور امام
 ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں،

كان امام وقته في الحديث وعلومه (إلى ان قال)
 وكان له عناية كثيرة به والاهتمام بجمعه وتقيد
 وهو من اهل اليقين في العلم والذكاء والنقطة والفهم
 ”قاضی عیاض اپنے دور میں حدیث اور علوم حدیث کے امام تھے۔ حدیث کی طرف
 ان کی توجہ بہت تھی۔ حدیث کے جمع کرنے اور ضبط کا اہتمام کرتے تھے،
 وہ علم و فہم اور ذکاوت، فطانت میں صاحب یقین تھے۔“

شافعیہ کے عظیم ترین عالم حضرت علامہ نووی مسلم شریف کی شرح میں اکثر و بیشتر علامہ
 قاضی عیاض کے حوالے بطور استشہاد نقل کرتے ہیں۔ اس خارجیت کا کیا کیا جائے کہ جسے
 محبت اہل بیت و بیٹا اُسے رافضی اور شیعہ کا لقب دے دیا، حالانکہ اہل سنت کا امتیازی

لہ قاضی عیاض مالکی، الشفاء، دفا روتی کتب خانہ، ملتان، ج ۱۔ ص ۲۲۳

لہ نواب صدیق حسن خاں، اسجد العلوم ج ۳، ص ۱۴۸

نشان یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام و اہل بیت عظام دونوں کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ امام شافعی کو بھی اہل بیت کی محبت پر افضلی ہونے کا الزام دیا گیا تھا۔ امام نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

لو كان مرفضاً حب آل محمد
فليسهد الثقلان انى مرفض له

”اگر آل محمد کی محبت مرفض ہے، تو جن و انسان گواہ ہو جائیں کہ میں مرفضی ہوں“
یعنی یہ غلط ہے کہ اہل بیت کی محبت مرفض ہے، مرفضی تو صحابہ کرام سے عداوت رکھتے ہیں،
جیسے خارجی اہل بیت کے دشمن ہیں، اہل سنت دونوں محبتوں کے جامع ہیں۔ امام احمد رضا
بریلوی فرماتے ہیں:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ سبے عزت رسول اللہ کی
شفا شریف کی شرح نسیم الریاض میں علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ ابن اثیر نے
نہایہ میں بیان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
انا قسم الناصر

علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

”ابن اثیر ثقہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا ہے وہ رائے
سے نہیں کہا جاسکتا، لہذا یہ حکماً حدیث مرفوعہ ہے کیونکہ اس میں اجتہاد کا
وخل نہیں ہے۔“ لہ

لہ ابن حجر مکی بیہمی ۱
الصواعق المحرقة، مکتبۃ القاہرہ، ص ۳۲

لہ احمد شہاب الدین الخفاجی، علامہ: نسیم الریاض، مکتبۃ سلفیہ، مدینہ منورہ، ج ۰۳ ص ۱۶۳

ج ۰۳ ص ۱۶۳

لہ ایضاً:

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد حضرت
شاذان فضلی نے جزر رد الشمس میں روایت کیا ہے۔ لہ

کیا اس کے باوجود بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ شیعہ روایت ہے؟

کیا حضرت شاذان فضلی، قاضی عیاض، ابن اثیر اور علامہ شہاب الدین خفاجی
سب ہی شیعہ ہیں؟

دوسری روایت کے بارے میں سنیہ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں،
فقد ورد مرفوعاً أنها سميت فاطمة لان الله قد
فطمها وذریتها عن النار يوم القيامة“ اخرجہ
المحافظ الدمشقی، وروی النسائی مرفوعاً أنها سميت
فاطمة لان الله تعالى فطمها ومحبتيها عن النار“

”مرفوعاً واروہے (یعنی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے) کہ
فاطمہ، اس لیے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو قیامت
کے دن آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ روایت حافظ الحدیث ابن عساکر دمشقی
نے بیان کی۔ امام نسائی حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ، اس لیے
نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبتیں کو آگ سے محفوظ کر دیا ہے“

اب بتایا جائے کہ اس روایت کے بیان کرنے پر صرف امام احمد رضا بریلوی

کو شیعہ ہونے کا الزام دیا جائے گا یا اس الزام میں حافظ ابن عساکر دمشقی، امام نسائی
اور ملا علی قاری کو بھی شریک کیا جائے گا؟ ان حضرات کو شیعہ قرار دینے والا کیا اپنا نام
خوارج کی فہرست میں داخل نہیں کرانے گا؟

الامن والعلی (کامیاب دار التبلیغ، لاہور) ص ۵۹

لہ احمد رضا بریلوی، امام؛

شرح فقہ اکبر (مصطفیٰ البابی، مصر) ص ۱۱۰

لہ علی بن سلطان محمد القاری؛

النظام ۵: وہ کہتے تھے کہ اغوات یعنی مخلوق کے مددگاروں اور وہ جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، کی ترتیب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہو کر حضرت حسن عسکری تک ہے۔ حضرت حسن عسکری شیعہ کے نزدیک بارہویں امام ہیں۔" لہ

یہ نقل، اصل کے بالکل خلاف ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں: "غوث اکبر و غوث بر غوث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر دست راست سے اعلیٰ ہوتا ہے، اور فاروق اعظم وزیر دست راست، پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المؤمنین فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزیر ہوئے۔"

پھر مولیٰ علی کو (غوثیت عطا ہوئی) اور امین مخرمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے۔ پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب مستقل غوث ہوتے۔ امام حسن عسکری کے بعد حضور غوث اعظم تک جتنے حضرات ہوئے، سب ان کے نائب ہوئے۔ ان کے بعد سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مستقل غوث، حضور تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔" لہ

البریلویہ، ص ۲۲

لہ ظہیر

ملفوظات (مطبوعہ لاہور) ص ۱۱۵

لہ محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا،

اس عبارت کے دو پیرے ہیں، الزام دینے کے لیے صرف دوسرے پیرے کا ایک حصہ نقل کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے نزدیک پہلے غوث حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آخری غوث حضرت حسن عسکری ہیں یعنی ان کے نزدیک صرف وہی شیعوں کے بارہ امام ہی غوث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاشیہ میں بطور حوالہ صرف "ملفوظات" لکھنے پر اکتفا کیا گیا، صفحہ نمبر نہیں لکھا گیا تاکہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت نہ کھل جائے! انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا نے امت میں سب سے پہلا غوث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرار دیا ہے اور آخر میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا ہے کیا شیعہ ان حضرات کو غوث مانتے ہیں؟ ہرگز نہیں پھر یہ کہنا کہ یہی شیعہ کے بارہ امام ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حضرات اہل سنت کے نزدیک بھی مسلم روحانی پیشوا ہیں، شیعہ سے فرق اس لحاظ سے ہے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حضرات معصوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظم مملکت کے لیے مقرر کردہ خلیفہ نہیں ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانتے ہیں، جبکہ شیعہ کا ان امور میں اختلاف ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

والمشائخ في علم السرة وتصفية الباطن فان المرجع فيه الى العترة الطاهرة له

"مشائخ نے علم ستر اور تصفیہ باطن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

استناد کیا ہے، کیونکہ اس علم کا سرچشمہ اہل بیت کرام ہیں۔"

علامہ نے نہ صرف یہ قول نقل کیا ہے، بلکہ اسے برقرار رکھا ہے۔ حضرت شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا:

علامہ سعد الدین مسعود التفتازانی، علامہ: شرح مقاصد (دار المعارف النعمانیہ، لاہور) ج ۷، ص ۳۰۰

جناب فخر المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب قدس سرہ در
تفسیحات، البیہ وغیرہ صفات اربعہ کہ عصمت و حکمت و وجاہت و قطبیت
باطنہ است برائے حضرات ائمہ اثناعشر علیہم السلام ثابت کردہ اندلہ
”فخر المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے تفسیحات البیہ وغیرہ
میں عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت چار صفتیں بارہ اماموں کے لیے
ثابت کی ہیں۔“

کیا یہ عقیدہ خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کے خلاف نہیں ہے؟

اس کے جواب میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں،
”قطبیت باطنہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو مخصوص فرما
دیتا ہے کہ فیض الہی اولاً وبالذات ان پر نازل ہوتا ہے، پھر ان سے دوسروں
کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگرچہ بہ ظاہر کوئی ان سے کسب فیض نہ کرے جیسے
سورج کی شعاعیں روشن دان کے ذریعے کسی گھر میں پہنچیں تو اولادہ روشن دان
روشن ہوگا اور اس کے واسطے سے گھر کی تمام چیزیں روشن ہوں گی۔ اس کو
قطب ارشاد بھی کہتے ہیں، برخلاف قطب مدار کے۔“

خلاصہ یہ کہ از روئے تحقیق ان چار صفات کا بارہ اماموں کے لیے ثابت
کرنا مذہب اہل سنت کے خلاف ہے، اگرچہ ظاہر بہن حضرات ان الفاظ
کے استعمال سے گھبرائیں گے اور نہ شیخین کی افضلیت کے خلاف ہے جس
پر تمام اہل حق کا اتفاق ہے۔“ (ترجمہ) ۱۲۷

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز

۱۲۷ لہ عبدالعزیز محدث دہلوی شاہ؛ فتاویٰ عزیزی فارسی دہلتبائی، دہلی، ج ۱، ص ۱۲۷

ص ۱۲۹

۱۲۷ ایضاً

محدث دہلوی کے نزدیک بارہ امام نہ صرف روحانی پیشوا ہیں، بلکہ عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ چاروں صفات کے حامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فیض اولاً ان پر نازل ہوتا ہے اور ان کے واسطے سے دوسروں تک پہنچتا ہے۔ کیا علامہ تفتازانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب کے سب شیعہ ہیں؟ یا یہ فتویٰ امام احمد رضا بریلوی ہی کے لیے مختص ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ ارشاد بھی توجہ طلب ہے :

و معنی امامت کہ در اولاد حضرت امیر باقی ماند و یکے مرویگرے راومی آن می ساخت ہمیں قطبیت ارشاد و منبعیت فیض ولایت بود و لهذا الزام این امر بر کافہ خلائی از ائمہ اطہار مروی نشدہ بلکہ یاران چیدہ و مصاحبان برگزیدہ خود را ہاں فیض خاص مشرف می ساختند و ہر یکے را بقدر استعداد او بایں دست می نواختند۔ لہ

”حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں جو امامت باقی رہی اور ان میں سے ایک دوسرے کو وصی بنا تا رہا۔ وہ یہی قطبیت ارشاد اور فیض ولایت کا منبع ہونا تھا، اسی لیے ائمہ اطہار میں سے کسی سے مروی نہیں کہ انہوں نے امامت کا تسلیم کرنا تمام انسانوں پر لازم قرار دیا ہو، بلکہ اپنے چیدہ چیدہ دوستوں اور منتخب مصاحبوں کو اس فیض خاص سے مشرف فرماتے تھے، اور ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اس دولت سے نوازتے تھے۔“

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک اور فرمان ملاحظہ ہو جو چشم بصیرت کے لیے سرمہ ثابت ہوگا :

”نیز کھیلے امام مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا تمام اہل سنت

لہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ : تحفہ اشنا مشربہ ، ص ۲۱۴

کے مقتدا اور پیشوا ہوتے ہیں کہ اہل سنت کے علماء مثلاً زہری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے ان حضرات کی شاگردی اختیار کی ہے اور اس وقت کے صوفیاء مثلاً حضرت معروف کرخی وغیرہ نے ان حضرات سے کسب فیض کیا اور مشائخ طریقت نے ان حضرات کے سلسلہ کو سلسلۃ الذہب قرار دیا اور اہل سنت کے محدثین نے ان بزرگوں سے ہر فن خصوصاً تفسیر و سلوک میں احادیث کے دفتروں کے دفتر روایت کیے ہیں۔^۱

اب تو اہل سنت کے ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین اور صوفیہ کو بھی شیعہ قرار دے دیجئے کہ وہ ائمہ اہل بیت سے بر قسم کا استفادہ اور استناد کرتے رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی تو بارہ اماموں کو غوث ہی مانتے ہیں، لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تو بارہ اماموں کو معصوم اور قطب ارشاد بھی مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کی تائید کر رہے ہیں، ان کے شیعہ ہونے پر تو بہت پختہ مہر ثبت ہوئی چاہیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہ اماموں کو چار صفات، عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ کا حامل قرار دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کے معصوم ہونے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عصمت کے دو معنی ہیں: (۱) گناہ پر قادر ہونے کے باوجود اس کا صدور محال ہو اور یہ معنی باجماع اہل سنت، حضرات انبیاء اور ملائکہ علویہ کے ساتھ مخصوص ہے (۲) گناہ کا صادر ہونا جائز ہے، اس پر کوئی محال لازم نہیں آتا لیکن اس کے باوجود صادر نہ ہو اور اس معنی کو صوفیہ محفوظیت کہتے ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے صوفیہ کے کلام میں اپنے لیے عصمت کی دعا واقع ہے (ترجمہ)۔^۲

۱۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تحفہ اثنار عشریہ ص ۲۲۳

۲۔ ایضاً؛ فتاویٰ عزیزی فارسی ج ۱ ص ۱۲۸

الزوام علا، انہوں نے کہا کہ علی مرتضیٰ اس شخص کی بلا کو دفع کرتے ہیں اور تکلیفوں کو دور کرتے ہیں جو مشہور دُعا سیفی سات بار، تین بار، یا ایک بار پڑھے اور وہ دُعا یہ ہے:

ناد علیا منظر العجائب والغرائب، تجده عونالك
فی النوائب، کل همّ وغم سینجلی بولا یتک
یا علی یا علی یا علی۔ ۱۷

امام احمد رضا بریلوی نے یہ دُعا ایک ایسی کتاب سے نقل کی ہے جس کی اجازتیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے اساتذہ حدیث سے لیتے اور اپنے شاگردوں کو دیتے رہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

”طرفہ ترسینے شاہ ولی اللہ صاحب کے ”انتباه فی سلاسل اولیاء اللہ“ سے روشن کہ شاہ صاحب والا مناقب اور ان کے بارہ اساتذہ علم حدیث و مشائخ طریقت جن میں مولانا طاہر بدنی اور ان کے والد و استاذ و پیر مولانا ابراہیم کرمی اور ان کے استاذ مولانا احمد قشاشی اور ان کے استاذ مولانا احمد شتاوی اور شاہ صاحب کے استاذ مولانا احمد نخلی وغیر ہم اکابر داخل ہیں کہ شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث انہیں علماء سے ہیں۔ جو ابراہیم خمسہ حضرت شاہ محمد گوالیاری علیہ رحمۃ الباری و خاص ”دُعائے سیفی“ کی اجازتیں لیتے اور اپنے مریدین و معتقدین کو اجازت دیتے۔“ ۱۷

اب بجائے اس کے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے اساتذہ اور حضرت

شاہ محمد غوث گوالیاری کو مشرک، بدعتی اور شیعہ قرار دیا جاتا، اٹا امام احمد رضا بریلوی پر

البریلویہ ص ۲۲

۱۷ ظہیرا

ص ۱۲

الامن والعلی (مطبوعہ لاہور)

۱۷ احمد رضا خاں بریلوی امام،

شیعہ ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اگر دعائے سیفی کو ماننے کی بنا پر امام احمد رضا بریلوی شیعہ قرار پاتے ہیں تو مذکورہ بالا تمام حضرات سے دست بردار ہو کر اعلان کر دیجئے کہ وہ شیعہ اور مشرکانہ عقائد کے حامل تھے، آخر یہ تفریق کیوں؟

اسی الزام میں یہ بھی کہا گیا ہے:

یہ شعر دفع امراض کے لیے مفید اور حصول وسیلہ و ثواب کا سبب ہے۔

لِيْ خَمْسَةَ اَطْفِيْ بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاظِمَةِ
الْمُصْطَفَى وَالْمَرْتَضَى وَابْنَاهُمَا وَالْفَاظِمَةَ

یہ شعر فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۸۷ کے حوالے سے نقل کیا گیا، حالانکہ اس صفحہ میں یہ شعر کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ اس شعر اور دعائے سیفی میں اہل بیت کرام سے توسل کیا گیا ہے جو امت مسلمہ کا سلفاً و خلفاً معمول رہا ہے۔ اس کی تفصیل تو توسل کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں۔ سر دست امام شافعی کا یہ شعر ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

آل النبی ذر یعتی وھم الیہ وسیلتی
ارجو بھم اعطی عندا بید الیمین صحیفتی

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک بارگاہ الہی میں میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں امید ہے کہ قیامت کے دن ان کے وسیلے سے مجھے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔“

الزمام ص ۷۷: ”وہ علم جفر اور جامعہ کو مانتے ہیں، جفر وہ جلد تھی جس میں جعفر صادق نے ہر وہ چیز لکھ دی تھی جو قیامت تک ہونے والی تھی اور جس کی معرفت کی اہل بیت کو ضرورت ہو سکتی تھی، نیز جفر و جامعہ حضرت علی کی دو کتا ہیں ہیں

البریلویہ، ص ۲۲

۱۷ ظہیر،

ص ۱۸۰

الصواعق المحرقة،

۱۷ ابن حجر مکی، بیہقی،

جن میں اتہائے دنیا تک کے ہونے والے حوادث علم الحروف کے طریقہ پر
 لکھ دیئے تھے اور آپ کی اولاد میں سے ائمہ معروفین ان کو جانتے تھے“ لے
 (ترجمہ ملخصاً)

علمی دنیا میں ایسی باتوں کی کیا وقعت ہے؟ علم جفر کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک
 شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے۔ اس علم کے شروع کرنے سے پہلے چند اسماء الہیہ
 کا درود کیا جاتا ہے۔ خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اگر حضور
 اجازت دیں، تو اس فن کو شروع کرے، ورنہ چھوڑ دے لے کیا جو علوم قدیم زمانے سے چلے
 آرہے ہوں، جن کو حضور اکرمؐ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے شروع کیا جاتا
 ہو اور جو ائمہ اہل بیت کا خصوصی علم ہو، کیا اسے جان لینے یا اس کے مان لینے سے انسان
 شیعہ ہو جاتا ہے؟ برگز نہیں۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ اہل بیت اہل سنت
 کے محدثین، مفسرین، فقہاء و صوفیہ کے مقتدا و پیشوا ہیں، کیا ان سب پر تشیع کا حکم لگایا
 جائے گا؟ پھر یہ بھی قابل غور حقیقت ہے کہ شریعت مبارکہ نے جن علوم سے منع نہ کیا ہو ان
 پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی۔ نحو اور بلاغت کے بڑے بڑے ائمہ معتزلی ہوتے ہیں۔
 کیا ان علوم میں مہارت حاصل کرنے والا معتزلی ہو جائے گا۔

۱۔ الزام ۱: انہوں نے یہ جھوٹی روایت نقل کی، اسے برقرار رکھا، اور
 اہل سنت کو اس کی تلقین کی؛

رنا سے کہا گیا — — جو امام ثامن اور شیعہ کے نزدیک معصوم ہیں —
 یعنی اللہ تعالیٰ عنہ، مجھے ایک کلام تعلیم فرمائیے کہ اہل بیت کرام کی زیارت
 میں عرض کیا کروں؛ فرمایا قبہ سے نزدیک ہو کر چالیس بار تکبیر کہو، پھر عرض کرو،

۲۔ طبریہ، بی بیوۃ

۳۔ محمد مسطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم، ملفوظات، ص ۱۵۰-۱۴۹

سلام آپ پر اے اہل بیت رسالت! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور
 آپ کو اپنی طلب و خواہش و سوال و حاجت کے آگے کرتا ہوں، خدا گواہ ہے
 مجھے آپ کے باطنِ کریم و ظاہرِ طاہر پر پختے دل سے اعتقاد ہے اور میں اللہ
 کی طرف بری ہوتا ہوں۔ ان سب جن و انس سے جو محمد اور آلِ محمد کے
 دشمن ہوں۔ لے

اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے؟ امام احمد رضا بریلوی، حضرت علی موسیٰ رضا کا
 یہ فرمان خواجہ حافظی واسطی کی تصنیف فصل الخطاب اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی
 تصنیف جذب القلوب سے نقل فرما رہے ہیں۔ لے
 شیخ محقق کی عظمت و ثقاہت کو نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ان لفظوں میں
 خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں،

اعلم ان المند لم یکن بہا علم الحدیث منذ فتحمها
 اهل الاسلام (الی ان قال) حتی من الله تعالیٰ علی المند
 بافاضة هذا العلم علی بعض علماء نھا كالشیخ عبدالحق
 بن سیف الدین التریك الدهلوی المتوفی سنة اثنتین
 وخمسن والفاء واما لھم وهو اول من جاء بہ
 هذا الاقلیم و افاضة علی سکانہ فی احسن تقویم
 جب سے مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا، یہاں علمِ حدیث کا پرچا نہیں تھا،
 یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان پر احسان فرمایا اور یہ علم وہاں کے علماء کو

لے ظہیر، البریلویہ ص ۲۳

لے احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ مبارکپور انڈیا) ج ۴، ص ۲۹۹

لے صدیق حسن خاں نواب، الحطیۃ (اسلامی اکادمی لاہور) ص ۱ - ۱۶۰

عطا فرمایا، جیسے شیخ محقق عبدالحق ابن سیف الدین ترک دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) وغیرہ علماء اور وہ اس علم کو اس خطے میں لانے اور یہاں کے باشندوں میں بہترین طریقوں پر پھیلانے والے پہلے بزرگ ہیں۔“

رہا یہ اعتراض کہ امام علی رضا شیعہ کے آٹھویں امام ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۳ کے حوالہ سے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت امام رضا اہل سنت کے محدثین، مفسرین، فقہار اور صوفیاء کے مقتدار ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

(علی الرضا) وهو انبہم ذکر او اجلہم قدرا.....
ومن موالیہ معروف الکرخی استاذ السری السقطی
لانہ اسلم علی یدیدہ۔^۱

”علی رضا ائمہ اہل بیت میں سے جلیل القدر عظیم المرتبہ ہیں۔ سوری سقطی کے استاذ معروف کرخی ان کے موالی میں سے ہیں، کیونکہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے۔“

اس کے بعد امام رضا کی متعدد کرامتیں بیان کی ہیں۔ اہل بیت اور ان کے ائمہ سے عداوت اہل سنت کا نہیں، خوارج کا شیوہ ہے..... اہل سنت و جماعت جس طرح صحابہ کرام کے دشمنوں سے بُری ہیں، اسی طرح اہل بیت کے دشمنوں سے بھی بُری ہیں الزام ۹: انہوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ امام حسین کے مزار کی تصویر، گھر میں بہ طور تبرک رکھنا جائز ہے۔“^۲

بے شک بے جان چیز کی تصویر اپنے پاس رکھنا اور بنانا جائز ہے اور اللہ ہی جہیں

۱ الصواعق المحرقة (مکتبۃ القاہرہ) ص ۲۰۴

۲ احمد بن حجر المکی البیتمی

عظمانِ دین کی طرف منسوب ہو کر تقدس حاصل کر لیتی ہیں، کعبہ شریف اور روضہ مبارکہ کی تصویریں بطور تبرک اپنے پاس رکھنے کو کون سا مسلمان پسند نہیں کرے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے نقشے صد ہا سال سے ائمہ دین بناتے رہے ہیں اور ان کے فوائد و برکات میں مستقل رسالے تحریر فرماتے رہے جسے شوقِ نبوی علامہ تلمسانی کے سالہ فتح المتعال اور امام احمد رضا بریلوی کا رسالہ شفا ر الوالہ کا مطالعہ کرے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارکہ کا ماڈل (تعزیہ) جو تیار کیا جاتا ہے، اس کے رے میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”اول تو نفس تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی۔ ہر جگہ نئی تراشیں، نئی گڑھت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پر یاں، کسی میں براق، کسی میں بیودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ، دشت بدشت اشاعتِ غم کے لیے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی، کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہوا ہے، کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ معاذ اللہ! جلوة گاہ حضرت امام علی جد و علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پتی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانتا ہے حاجت روا جانتا ہے۔۔۔۔۔ اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔۔۔۔۔ روضہ اقدس حضور سید الشہداء کی ایسی تصویر (ماڈل) بھی نہ بنائے، بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے (فوٹو) پر قناعت کرے۔“

کیا ہے کوئی شیعہ جو اس قسم کا فتویٰ دے؟
ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

سید احمد رضا بریلوی، امام؛ رسالہ تعزیہ داری (مکتبہ مامدیہ، لاہور) ص ۲-۳

ويحرم صنع الضرائح منسوية الى الحسين عليه و
 على آباءه السلام، التي يصنعها اهل الهند بالقرطاس
 ويسمونها "تعزية" له

"امام حسين عليه وعلى آباءه السلام کی طرف منسوب قبروں کے بنانے کو حرام
 قرار دیتے تھے جو اہل ہند کاغذ سے بناتے ہیں اور جسے تعزیر کہتے ہیں۔"
 الزام عنہ: "ان کا سلسلہ بیعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک
 ائمہ شیعہ کے ذریعے پہنچتا ہے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی عربی عبارت میں
 ذکر کیا ہے؛

اللهم صل وبارك على سيدنا ومولانا محمد بن
 المصطفى رفيع المكان، المرتضى على الشان، الذي
 من جيل من امت خير من الرجال السالفين وحسين
 من ممرته احسن من كذا وكذا احسن من السابقين
 السيد السجاد زين العابدين، باقر علوم الانبياء
 والمرسلين، ساقى الكوثر ومالك تسنيم وجعفر
 الذي يطلب موسى الكليم رضاربه بالصلوة عليه

جن ائمہ اہل بیت کے ذریعے امام احمد رضا بریلوی کا سلسلہ بیعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 تک پہنچتا ہے ان ائمہ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی معصوم مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی انہیں اہل سنت
 کے پیشوا و مقتدی قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ سید احمد بریلوی پیر مرشد شاہ اسماعیل دہلوی
 کا سلسلہ طریقت بھی انہی ائمہ اہل بیت کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

ص ۲۳

البریلویہ

لہ ظہیر

مخزن احمدی (مطبع مفید عالم، آگرہ)، ص ۱۲-۱۱

لہ محمد علی ہستید

اگر اسی بنا پر کسی کو شیعہ قرار دیا جاسکتا ہے، تو ماننا پڑے گا کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور سید صاحب بھی شیعہ تھے اور ان کے امین کے وابستہ علماء اہل حدیث بھی لازماً شیعہ ٹھہریں گے۔
 نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، پیشوائے اہل حدیث شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

مسند الوقت للشیخ الاجل

نیز کہتے ہیں:

”علم حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول اور ان سے متعلق علوم، صرف اسی خانوادے میں تھے۔ اس بارے میں کوئی موافق یا مخالف اختلاف نہیں کر سکتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے انصاف سے اندھا کر دیا ہو۔“

عربی شجرہ طریقت

ماربرہ شریف کے بزرگ سید شاہ اسماعیل حسن میاں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس کے موقع پر مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی تشریف فرما تھے۔ میں نے مولانا عبدالمجید بدایونی کا شجرہ عربی بصورتِ درود شریف دکھایا اور کہا کہ ہمارا شجرہ بھی عربی درود شریف کی صورت میں لکھ دیجئے، وہ فرماتے ہیں:

”اُسی وقت میاں صاحب بھائی مرحوم کے قلمدان سے قلم لے کر قلم برداشتہ بغیر کوئی مسودہ کئے ہوئے ہمارے وظیفہ کی کتاب پر نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے مریض و سجع صیغہ درود شریف میں شجرہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ تحریر فرمایا۔“

۱۔ بجد العلوم،	ج ۳، ص ۲۴۱	۱۔ صدیق حسن خاں، نواب
”	”	۲۔ ایضاً
حیات اعلیٰ حضرت	ج ۱، ص ۱۳۱	۳۔ ظفر الدین بہاری مولانا،

امام احمد رضا کے قلم سے لکھے ہوئے اس شجرہ کا عکس انوارِ رضا (ص ۲۸ تا ۳۰) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ شجرہ مارہرہ شریف میں ۲۱ محرم بروز جمعہ ۱۳۰۶ھ کو تحریر فرمایا۔ لے بلاشبہ عربی زبان پر امام احمد رضا کی دسترس کا بہترین گواہ اور عربی ادب کا شہ پارہ ہے۔ لسان عربی کا ماہر اسے دیکھے تو پھٹک اُٹھے، لیکن جسے اس کا مطلب ہی سمجھ نہ آئے، وہ اعتراض کے سوا کیا کر سکتا ہے؟ اور اعتراض بھی ایسے کمزور کہ جنہیں دیکھ کر اہل علم مسکراتے بغیر نہ رہ سکیں، لکھتا ہے:

”اس عبارت سے عربی میں ان کا نابغہ اور ماہر ہونا ظاہر ہو جاتا ہے، وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تین سال کی عمر میں عربی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔“ لے

جب کہ اُن کی اپنی حالت یہ ہے کہ عربی عبارت صحیح نقل بھی نہ کر سکے، اصل عبارت یہ تھی ”خَيْرٌ مِنْ رِجَالٍ مِنَ السَّالِفِينَ“ اسے یوں نقل کر دیا: ”خَيْرٌ مِنَ السَّالِفِينَ“ یعنی ”رِجَالٍ“ پر الف لام زیادہ کر دیا اور اس کے بعد ”مِنْ“ حذف کر دیا۔ ”رِجَالٍ“ پر تنوین تعظیم کے لیے تھی، اس کے حذف کرنے سے اصل مفہوم برقرار نہیں رہا۔ پھر کئی جگہ قومہ (۶) بے موقع اپنے پاس سے لگا دیا، مثلاً ”كَذَا وَكَذَا“ حسنًا کے درمیان اسی طرح تسنیم اور جعفر کے درمیان اور يُطَلَّبُ اور مُوسَى الْكَلِيمِ کے درمیان جعفر کے بعد قومہ ہونا چاہیے تھا، جو نہیں دیا گیا۔ اگر عبارت کا مطلب سمجھ میں آجاتا تو یہ تبدیلیاں روکنا ہوتیں۔

در اصل شجرہ طریقت میں جتنے بزرگوں کے نام تھے، اُن کو امام احمد رضا بریلوی نے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بتا دیا ہے یا کسی طور پر آپ کے وصف میں ذکر لے آئے ہیں اور اس درویش شریف کا ترجمہ

ص ۳۰

انوارِ رضا

لے شرکتِ حنفیہ، لاہور

ص ۲۳

البریلویہ

لے تطبیہ

ملاحظہ ہو، تردد جاتا رہے گا۔

”اے اللہ! سلوٰۃ و سلام اور برکت نازل فرما، ہمارے آقا و مولا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، منتخب بلند مرتبے والے، پسندیدہ عالی شان والے پڑجن کی امت کا ایک چھوٹا مروپہلے بڑے بڑے مردوں سے بہتر ہے اور جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ حسن والا ہے، سردار بہت سجدے کرنے والے عابدوں کی زینت، انبیاء و مرسلین کے علوم کے کھولنے والے کوثر کے ساتھی، تسنیم اور جعفر (جنت کی نہر) کے مالک، وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں۔“

یہ تمام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں، شجرہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی تھا اور حسین تصغیر کا صیغہ ہے، جس کا استعمال حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بے ادبی تھا اس لیے اسے انتہائی حسین اور لطیف طریقے پر لائے ہیں۔

”جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین، گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ

حسن والا ہے۔“

سبحان اللہ! کیا پاس ادب ہے اور کیا حسن بیان! چونکہ یہ اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، اس لیے بڑے بھولپن سے کہتے ہیں،

”پتا نہیں یہ کونسی ترکیب ہے اور کیسی عبارت ہے؟“

مطلب سمجھ میں آجاتا، تو اس سوال کی نوبت ہی نہ آتی۔ پھر کہتے ہیں،

”باقر علوم الانبیاء کا کیا معنی ہے؟“

اتنی واضح عبارت کا معنی بھی سمجھ میں نہیں آتا، اس کے باوجود امام احمد رضا کی عربی دانی پر

لکھتے چینی، گزشتہ سطور پر ترجمہ دیا جا چکا ہے، اسے دیکھنے سے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کو باقر اس لیے کہتے ہیں،

لانہ بقر العلم ای شقہ وفتحہ فعراف اصلہ و

تمکن فیہ لہ

”کہ انہوں نے علم کو کھول دیا، اس کی اصل کو پہچانا اور اس میں ماہر ہوئے۔“

”باقر علوم الانبیاء“ کا معنی ہوگا، انبیاء کے علم کو کھولنے والے اور بیان فرمانے والے

یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصف ہے۔ پھر کہتے ہیں:

وما معنی ”بالصلوة علیہ“؟

”بالصلوة علیہ“ کا معنی کیا ہے؟

پورے جملہ کا ترجمہ دیکھتے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

”وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں“

الزام عا: انہوں نے پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے اہل سنت کی

تکفیر کی اور تصریح کی کہ ان کی مسجدیں، مسجدیں نہیں، ان کی ہم نشینی اور ان

سے نکاح جائز نہیں، لیکن شیعہ کو اپنے فتوؤں کا ہدف نہیں بنایا، ان کے مراکز

اور امام باڑوں کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ شیعہ نے

ایک امام باڑہ بنایا، پھر بریلوی کے پاس گئے، تو انہوں نے اس کا تاریخی نام

تجویز کر دیا۔^{۱۵}

یہ بالکل خلاف حقیقت ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے دنیا بھر کے اہل سنت کی

تکفیر کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا کہ انہوں نے خدا اور رسول کی بارگاہ

^{۱۵} ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی، شرح مسلم (نور محمد کراچی) ج ۱، ص ۱۵

^{۱۶} ظہیر، البریلویہ، ص ۲۲

^{۱۷} ایضاً، ص ۲۲

میں گستاخی کرنے اور ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والوں کے بارے میں حکم شریعت بیان کیا ہے۔
 رہا امام باڑہ کا تاریخی نام تجویز کرنا، تو وہ بھی ایک خاص لطیفہ ہے جس سے قارئین کرام
 لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ۱۲۸۶ھ میں جبکہ امام احمد رضا بریلوی کی عمر چوڑھ سال
 تھی، ایک صاحب نے درخواست کی کہ امام باڑہ تعمیر کیا گیا ہے، اس کا تاریخی نام تجویز کر دیجئے۔
 آپ نے برجستہ فرمایا:

”بدِ رِفض“ (۱۲۸۶ھ) نام رکھ لیں، اُس نے کہا امام باڑہ گزشتہ سال تیار ہو چکا
 ہے۔ مقصد یہ تھا کہ نام میں رِفض نہ آئے۔ آپ نے فرمایا: ”دارِ رِفض“ (۱۲۸۵ھ)
 رکھ لیں۔ اس نے پھر کہا اس کی ابتداء ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی۔ فرمایا: ”دِرِ رِفض“
 مناسب رہے گا۔“ لہ

یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اُن کی خواہش کے مطابق
 فرمائش پوری نہیں کی اور ایسا نام تجویز کیا جو شیعہ کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ حیرت ہے کہ
 اسی واقعہ کو ان کے شیعہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

گزشتہ صفحات میں اختصار کے پیش نظر امام احمد رضا بریلوی کے چند رسائل کے نام
 پیش کیے گئے ہیں جو ردِ شیعہ میں ہیں۔ احکام شریعت اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم کے چند صفحات
 کی نشان دہی کی گئی ہے، جن کے دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ امام احمد رضا نے شیعہ کے د
 میں کیسے کیسے فتوے صادر فرماتے ہیں۔

۲۱ صفر ۱۳۳۹ھ کو قاضی فضل احمد لدھیانوی (مصنف انوار آفتاب صداقت) نے ایک
 استفتاء بھیجا کہ ایک رافضی نے کہا ہے کہ آیہ کریمہ: ”اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنتَقِمُونَ“
 کے اعداد (۱۲۰۲) ہیں اور یہی عدد ابوبکر، عمر، عثمان کے ہیں، یہ کیا بات ہے؟
 اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

لہ تظیر الدین بہاری، مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۱۴۱

”روافض لعنہم اللہ تعالیٰ کی بنائے مذہب ایسے ہی اوہام بے سرو پاؤ پاؤ رہا
پر ہے؛

اولاً؛ ہر آیت عذاب کے عدد اسماءِ اخیار سے مطابقت کر سکتے ہیں اور
ہر آیت ثواب کے عدد اسماءِ کفار سے کہ اسماء میں وسعت و سیمہ ہے۔
ثانیاً؛ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابو بکر، عمر،
عثمان ہیں، رافضی نے آیت کو اُدھر پھیرا، ناصبی اُدھر پھیرے گا اور دونوں
ملعون ہیں۔

ثالثاً؛ رافضی نے اعداد غلط بتائے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام
پاک میں الف نہیں لکھا جاتا، تو عدد بارہ سو ایک ہیں نہ کہ دو۔
ہاں اور رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں کا ہے کے؟ ابن سبار افضہ (۱۲۰۲)
کے۔

ہاں اور رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں اُن کے۔

ابلیس یزید ابن زیاد شیطان الطاق کلینی

ابن بابویہ قمی طوسی حلی (۱۲۰۲)

ہاں اور رافضی! اللہ عزوجل فرماتا ہے؛

ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعاً لست

منہم فی شیء

”بیشک جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے، اے نبی!

تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔“

اس آیت کریمہ کے عدد ۲۸ ۲۸ ہیں اور یہی عدد ہیں۔

”روافض اثنا عشریہ شیطنیہ اسمعیلیہ کے (۲۸ ۲۸)

ہاں اور افضی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ
اُن کے لئے لعنت ہے اور اُن کے لیے بے بُرا گھر

اس کے عدد ہیں ۶۴۴ اور یہی عدد ہیں:

”شیطان الطاق طوسی حلی“ کے (۶۴۴) ۱۰

اس کے بعد متعدد آیات بیان فرمائیں جن میں اجر و ثواب کا ذکر ہے اور ان کے اعداد صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ کے اعداد کے برابر ہیں۔ کیا کوئی شیعہ ایسا جواب دے سکتا ہے؟ یقیناً نہیں، تو پھر یہ کہنے دیجئے کہ اہل سنت کے ایسے امام کو کوئی خارجی ہی الزام دے سکتا ہے۔ الزام ۱۱: انہوں نے بعض قصائد میں ائمہ شیعہ کی مدح و منقبت میں مبالغہ کیا ہے۔ ۱۲

اس کے لیے کسی صفحہ نمبر کا حوالہ نہیں دیا، صرف عدائق بخشش کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ اگر صفحہ نمبر لکھ دیا جاتا، تو معلوم ہو جاتا کہ جن حضرات کی منقبت ہے، وہ اہل سنت ہی کے مسلم پیشوا و مقتدا ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔

اہل حدیث کا خود شیعہ ہونے کا اقرار

امام احمد رضا بریلوی پر شیعہ ہونے کے الزامات بلکہ اتہامات کا تجزیہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ الزام دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان کا سلسلہ بیعت ائمہ شیعہ کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ انہوں نے ائمہ شیعہ کی تعریف کی ہے۔ ان

ج ۱، ص ۹ - ۱۴۸

حیات اعلیٰ حضرت

۱۰ ظفر الدین بہاری، مولانا،

ص ۲۴

السبیلویۃ

۱۱ ظہیر

الزامات کی حقیقت اس سے پہلے منکشف ہو چکی ہے۔ اس طرز استدلال کے مطابق اہل حدیث کے مشہور پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی شیعہ قرار دینا چاہیے کہ ان کا سلسلہ نسب ہی ان ائمہ سے وابستہ ہے۔ جنہیں ائمہ شیعہ کہا گیا ہے۔

نواب صاحب اپنے والد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ونسبه الاقصیٰ ینتھی الی سیدنا زین العابدین العابدین
علی اصغر بن حسین الشہید بکر بلا رضی اللہ
تعالیٰ عنہ

”ان کا بالائی سلسلہ نسب سیدنا زین العابدین علی اصغر ابن حسین
شہید بکر بلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔“

میاں نذیر حسین دہلوی جو غیر مقلدین کے شیخ الکل ہیں اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے
من سلالۃ الرسول الشریف نذیر حسین الدہلوی
”خاندان رسول میں سے سید نذیر حسین دہلوی۔“

ان کا شجرہ نسب حضرت حسن عسکری سے ملتا ہے اور ان کے سلسلہ نسب میں
وہ تمام حضرات موجود ہیں جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔^۳
اس سے بھی بڑھ کر نواب وحید الزمان کا اعتراف سینے، جو کتب حدیث کے مترجم
اور اہل حدیث ہیں، لکھتے ہیں:

اہل الحدیث ہم شیعۃ علی یحبون اہل بیت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ویتولونہم ویحفظون فیہم وصیتہ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذکرکم اللہ فی اہل بیتی

۱۔ صدیق حسن خاں نواب؛ ایجدالعلوم ج ۳، ص ۲۶۷

۲۔ ظہیر؛ البریلویۃ ص ۱۶۳

۳۔ فضل حسین بہاری الحیاة بعد المماتہ (مکتبہ شعیب کراچی) ص ۱۱-۱۰

وانی تبارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی
 ویقدمون قول اہل البیت فی المسائل القیاسیة علی اقوال
 الآخرین واهل البیت علی والحسن والحسین وفاطمة
 واولاد فاطمة واولاد اولادہم الی یوم القیامة لہ
 "اہل حدیث شیعہ علی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے
 محبت و مموالات رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
 اس وصیت کا پاس رکھتے ہیں کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ
 کی یاد دلاتا ہوں اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں؛
 (۱) کتاب اللہ (۲) میری عترت اور اہل بیت۔ اور اہل حدیث قیاسی مسائل
 میں اہل بیت کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر مقدم رکھتے ہیں۔ اہل بیت
 یہ ہیں؛ حضرت علی، حسن و حسین، فاطمہ، اولاد فاطمہ اور قیامت تک ہونے
 والی ان کی اولاد۔"

ان میں وہ تمام حضرات بھی شامل ہیں جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔ اب بتایا جائے
 کہ اقراری شیعہ کون ہے؟ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک یا نواب و حیدر الزمان اور
 ان کے ہم خیال غیر مقلدین؟

ع مدعی لاکھ پہ بھاری بے گواہی تیری

خود ظہیر صاحب کو ان کے ایک غیر مقلد بھائی مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛
 "اسی طرح الشیعہ والسنتہ لکھنے کے باوجود، شیعہ علماء کے لیے عرب ممالک
 کے ویزے کے لیے کوششیں کرنے کو بھی موضوع مباحلہ بنا لیجئے۔"
 شیعہ علماء کو ویزے دلانے کی کوشش ربط معنوی کے بغیر تو نہیں ہو سکتی۔

لے وحید الزمان، نواب، ہدیۃ المہدی (مطبوعہ سیالکوٹ) ص ۱۰۰
 لے حافظ عبدالرحمن مدنی، ہفت روزہ اہل حدیث لاہور (شمارہ ۳۱ اگست ۱۹۶۴ء ص ۶)

دنیا سے بے نیازی اور سخاوت

امام احمد رضا بریلوی خاندانی رئیس تھے، ان کے آباؤ اجداد نادر شاہ کے سامنے
قندھار سے آکر دہلی میں بلند مناصب پر فائز رہے۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) لکھتے ہیں،

”آپ نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہ رکھا، آپ کے آباؤ اجداد سلاطین دہلی
کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو گرو
پیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے، لیکن ساری جائیداد کا کام
دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا، انہیں کتابوں کی خریداری، سادات کی
مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لیے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی، چونکہ
داد و دہش کے عادی تھے، اس لیے کبھی ایسا ہوا کہ قلمدان میں ۳۲ آنے سے
زیادہ موجود نہیں رہے، لیکن انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی
آئی اور مجھے کتنی ملی۔“

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں،

”کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا۔ اس کے علاوہ بیوگان
کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکل علی اللہ

ص ۱۲-۱۳

حیات اعلیٰ حضرت

علامہ ظفر الدین بہاری، مولانا،

ص ۳۶۰

انوارِ رضا

علامہ مختار الدین آرزو، ڈاکٹر،

ہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ

منی آرڈر رقم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔ لہ

استغناء نفس کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے طلب نہ فرماتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”گاؤں سے رقم آئی نہیں تھی اور ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں

کرتا ہوں۔“ لہ

ان کی اسی ادا کو مخالف کس نظر سے دیکھتا ہے، آپ بھی دیکھیں اور دادیں لکھتا ہے:

”بعض اوقات سالانہ ملنے والی رقم کافی نہ ہوتی اور وہ دوسروں سے

قرض لینے پر مجبور ہو جاتے، کیونکہ ان کے پاس ڈاک کے ٹکٹ خریدنے کے لیے

رقم موجود نہ ہوتی تھی۔“ لہ (ترجمہ)

حالانکہ حیاتِ اعلیٰ حضرت کے اسی صفحہ پر امام احمد رضا بریلوی کے یہ الفاظ موجود ہیں

”ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا ہوں“ قرض لینے کا کیا معنی؟ کئی دفعہ ایسا ہوتا

ہے کہ انسان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہوتا، اس کے باوجود کسی سے طلب نہیں کرتا۔

یہ اعتراض بھی دیدہ حیرت سے دیکھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں:

”ایک طرف تو یہ تنگ دستی کہ ٹکٹ کے لیے پیسے نہیں، دوسری طرف

یہ کہ انہیں دستِ غیب سے بکثرت مال و دولت ملتا تھا۔ بہاری رضوی

(مولانا ظفر الدین بہاری) راوی ہیں کہ بریلوی کے پاس ایک متقل سندوچی

تھی جسے وہ بوقتِ ضرورت ہی کھولتے تھے اور جب اُسے کھولتے تو مکمل

طور پر نہیں کھولتے تھے، اس میں ہاتھ ڈالتے اور مال، زیور اور کپڑے جو چاہتے

نکال لیتے تھے۔“

ص ۵۲

حیاتِ اعلیٰ حضرت

لہ ظفر الدین بہاری، مولانا،

ص ۵۸

” ”

لہ ایضاً،

ص ۲۴

البریلویہ

لہ ظہیر،

وكان يخرج منها ما شاء من المال والمحلى والثياب

یہ واقعہ مولانا نسیم بستیوی کی کتاب اعلیٰ حضرت بریلوی کے حوالہ سے بیان کیا ہے

حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۵۷ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

”بریلوی کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اپنے احباب اور

دوسرے لوگوں میں کثیر زیورات تقسیم کیا کرتے تھے۔“

(کان یوزع علی الناس) ۱

اس جگہ چند امور لائق توجہ ہیں:

(۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت بریلوی دونوں کتابوں میں ایک ہی واقعہ جبل

کا بیان کیا گیا ہے۔ نیز راوی بھی ایک ہیں سید ایتوب علی رضوی، لیکن تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ

یہ دو واقعے ہیں، بلکہ کان یخرج اور کان یوزع کے الفاظ سے تو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ

یہ واقعہ عام طور پر پیش آتا رہتا تھا حالانکہ دونوں کتابوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

(۲) حیاتِ اعلیٰ حضرت میں اسی واقعہ کے دوسرے راوی مولانا حسنین رضا خاں

امام احمد رضا خاں بریلوی کے بھتیجے ہیں، انہیں بیٹا قرار دینا تسامح سے خالی نہیں

(۳) ممکن ہے یہ چیزیں پہلے سے صندوقچی میں رکھی ہوئی ہوں، بیان کرنے والے کا یہ

ہے کہ یہ کرامت تھی اور کرامت کا انکار معتزلہ کا شیوہ ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وخالقہم المعتزلة حيث لم يشاهدوا فيما

بينهم هذه المنزلة ۲

۱ ظہیر، السبریلویہ ص ۲۵—۲۴

۲ ایضاً، ” ” ص ۲۵

۳ علی بن سلطان محمد القاری علامہ، شرح فقہ اکبر (مصطفیٰ البابی، مصر) ص ۷۹

”معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہل سنت سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ انہیں اپنے افراد میں یہ مرتبہ دکرامت دکھانی نہیں دیا۔“

(۴) اللہ تعالیٰ بہ طورِ کرامت کسی کے ہاتھ پر ظاہر فرمادے۔ یہ الگ چیز ہے اور دستِ غیب ایک الگ چیز ہے کہ مثلاً ہر روز ٹیکے کے نیچے سے مخصوص رقم ملتی رہے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں؛

”دستِ غیب کے لیے دُعا کرنا محالِ عادی کے لیے دُعا کرنا ہے جو مثلِ محال

عقلی و ذاتی کے حرام ہے؛ لہ

ایک بے سرو پا الزام یہ بھی لگاتے ہیں؛

”اُن کے مخالفین یہ تہمت لگاتے ہیں کہ دستِ غیب کا صندوقی وغیرہ سے

کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ انگریزی استعمار کا ہاتھ تھا جو انہیں اپنے اغراض و

مقاصد میں استعمال کرنے کے لیے لدا دیتا تھا۔“ لہ

یہ تو آئندہ کسی مقام پر تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ انگریزی امداد کسے ملتی تھی؛ اس مقام

تو صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ اس الزام کو مخالفین کی تہمت تسلیم کیا گیا ہے اور البریلویہ

لے ص ۲۶ پر خود اس الزام کی تردید کر دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی آمدنی کا ذریعہ

بریلویں کے تحائف اور امامت کی تنخواہ تھی۔ باقی سب باتیں من گھڑت ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے؛

ان ما ذکرناه و اثبتناه آخر احوال اصح فی دخلہ و معاشہ

والباقی کلہا مختلفات۔ لہ

”ان کی آمدنی اور ذریعہ معاش کے سلسلے میں صحیح ترین بات وہی جو ہم نے آخر میں

بیان کی، باقی سب ڈھکوسلے ہیں۔“

لہ احمد رضا بریلوی، امام؛ احکام شریعت (مدینہ پبلشنگ کراچی) ص ۲۳۰

ص ۲۵

ص ۲۶

البریلویہ

”

لہ ظہیر؛

لہ ایضاً؛

قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے الزام کی حقیقت، ڈھکوسلے سے بڑھ کر کہہ
 ہو سکتی ہے؛ جو ایک صفحے پر مخالفین کی تہمت کے طور پر بیان کیا گیا ہو اور اگلے صفحہ پر خود
 ہی اس کی تردید کر دی گئی ہو۔

امام احمد رضا بریلوی کی آمدن اور ذریعہ معاش کے بارے میں اس طرح خیال آرا
 کی گئی ہے:

”ان کی آمدنی کا بڑا حصہ مریدین کی نذروں اور تحائف پر مشتمل تھا یا پھر مسجد
 کی تنخواہ پر گزر بسر ہوتی تھی، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ بریلوی کے والد یا دادا زراعت
 صنعت یا تجارت و حرفت میں مصروف رہے ہوں، یہی حالت بریلوی کی
 اپنی تھی۔“ (ملخصاً) لہ

علمی دنیا میں اس قسم کے استدلال کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؛ اس سے پہلے یہ
 کیا جا چکا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی، خاندانی رئیس اور زمیندار تھے۔ زمینوں کی دیکھ بھال
 اور کاشت دوسرے لوگوں کے سپرد تھی۔ وہاں سے ہونے والی آمدنی بھی آپ کے عزیزوں کے
 سپرد تھی، جس میں سے وہ کتابوں کی خریداری، سادات کرام کی خدمت اور گھریلو اخراجات
 کے لیے رقم پیش کر دیا کرتے تھے۔

جناب سید الطاف علی بریلوی جنہوں نے بچپن میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت کی تھی
 فرماتے ہیں:

”مولانا مالی اعتبار سے بہت ذی حیثیت تھے، معقول زمینداری تھی جس کا تمام تر
 انتظام ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب کرتے تھے۔ مولانا اور ان کے
 اہل خاندان کے محلہ سوداگران میں بڑے بڑے مکانات تھے، بلکہ پورا محلہ ایک
 طرح سے ان کا تھا۔“ لہ

جناب منور حسین سیف الاسلام جو نو عمری میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے، ان کا بیان ہے:

”یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اور اس خاندان کے جتنے بھی حضرات تھے، سب پرانے خاندانی زمیندار تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت بڑے باغات تھے۔ شہر بریلی میں بہت سی دکانیں اور محلوں میں بہت سے مکانات تھے، جن کا کرایہ آتا تھا، مگر مجھ کو کرایہ وصول کرنے والوں سے معلوم ہوا کہ غریبوں، بیواؤں سے کرایہ نہیں لیتے تھے۔“ لہ

مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی لکھتے ہیں:

”اس خاندان سے (کی، دیہات زمینداری سے امیرانہ بسر ہوتی تھی۔“ امام احمد رضا بریلوی کی لٹہیت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ہزاروں فتوے تحریر کیے، مگر کوئی ثنابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے کسی فتوے پر فیس لی ہو، نماز وہ خود پڑھاتے تھے، لیکن یہ ثنابت نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے کبھی تنخواہ لی ہو، ان کے شب و روز دین متین اور سنتِ مسلمہ کی فی سبیل اللہ خدمت اور راہنمائی میں صرف ہوتے تھے، باقی رہے تحفے تحائف، ان کا احباب اور صالحین کو پیش کرنا اور قبول کرنا سنت سے ثنابت ہے۔ بزرگوں کو پیش لیے جانے والے تحائف، عرفی نذر ہیں جس کا معنی ہدیہ اور تحفہ ہے، شرعی نذر نہیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

ایک شخص نے امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں مٹھائی لاکر پیش کی۔ آپ نے فرمایا: یہ تکلیف کیوں کی؟ اُس نے کہا یہ تحفہ ہے اور بس! کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک حویذ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا: میں عموماً خود حویذ نہیں لکھا کرتا، البتہ میرے عزیز جو

تعویذ لکھا کرتے ہیں، ان سے منگوائے دیتا ہوں۔ تعویذ منگو کر دے دیا اور ساتھ ہی خادم کو فرمایا کہ مسٹھانی واپس کر دی جائے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یہ مسٹھانی تعویذ کے لیے نہیں محض تحفے کے طور پر لایا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہمارے ہاں تعویذ بکا نہیں کرتے اور مسٹھانی واپس کر دی۔ لہ

ایسی سراپا خلوص شخصیت کے بارے میں یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ ان کی گزر بسر امامت کی تنخواہ پر ہوتی تھی؟ امام احمد رضا بریلوی کے خلوص اور لٹہریت کا اندازہ ان کی تحریرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

”یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمتِ دینی کو کسبِ معیشت کا ذریعہ بنایا گیا نہ احبابِ علمائے شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکیدِ سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعتِ دین و حمایتِ سنت میں جلبِ منفعتِ مالی کا خیال دل میں نہ لائیں کہ ان کی خدمتِ خالصاً لوجہ اللہ ہو، اگر بلا طلب اہل محبت سے کچھ نذر تحفہ پائیں، رونہ و سرمایہ کہ اس کا قبول کرنا سنت ہے۔“ لہ

اہلِ مدینہ طیبہ کے لیے ہدیہ

ایک نیاز مند نے مدینہ طیبہ سے خط لکھ کر امام احمد رضا بریلوی سے سچاس روپے طلب فرمائے۔ آپ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ سائل کا سوال رد نہیں کرتے تھے۔ اتوار کو یہ خط ملا، بدھ کو ڈاک جاتی تھی۔ پیر کا دن ایسے ہی گزر گیا، منگل کو خیال آیا، لیکن اتفاق کی بات کہ پاس کچھ نہ تھا، مغرب کے بعد تشویش ہوئی، خود فرماتے ہیں:

لہ طہر الدین بہاری، مولانا؛ حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۲۹

لہ ریاست علی قادری، سید؛ معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء) ص ۳۲۳

”میں نے سرکار میں عرض کیا کہ حضور ہی میں بھیجنا ہیں، عطا فرماتے جائیں کہ باہر سے حسنین (رضاخاں، اعلیٰ حضرت کے مہتیجے) نے آواز دی کہ سیٹھ ابراہیم بمبئی سے ملنے آتے ہیں۔ میں باہر آیا اور ملاقات کی، چلتے وقت اکیاون روپے انہوں نے دیتے، حالانکہ ضرورت پچاس روپے کی تھی۔ یہ اکیاون یوں تھے کہ ایک روپیہ فیس منی آرڈر کا بھی تو دینا پڑتا، عرض صبح کو فوراً ہی منی آرڈر کر دیا۔ اہل مدینہ کے ساتھ ان کی محبت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے کی برکت۔

پان اور حفتہ

روزہ رمضان کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ گیارہ مہینے بلا روک ٹوک کھانے پینے والا کھانے پینے پر شرعی پابندی کو قبول کرتے ہوئے دن میں کچھ کھاتے پیتے نہیں۔ افطار کے بعد بھی اس قدر پیٹ بھر کر نہ کھاتے کہ دن بھر کی خوراک شام کو کھالے۔ امام احمد رضا کی قناعت پسندی اور روزے کے مقاصد کا اس قدر پاس منھا کہ

”افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے“

بعض لوگوں کو ان کی یہ فضیلت بھی کھٹکتی ہے اور پان کھانا بھی وجہ اعتراض نظر آتا ہے۔ حالانکہ کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا کہ کسی عالم نے پان کھانے کو بھی قابل اعتراض قرار دیا ہو۔ اسی طرح امام احمد رضا بریلوی کے بعض اوقات حفتہ پینے پر بھی اعتراض کیا گیا ہے لکھا ہے،

عجیب ترین بات یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کی تکفیر کرتا ہے اور معمولی اشیاء

احکام شریعت (مطبوعہ کراچی) ص ۲۳۰-۱	امام احمد رضا بریلوی، امام؛
انوار رضا ص ۲۵۶	مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا؛
ص ۲۶	مولانا ظہیر؛
	البریلویہ

کی بناء پر دوسروں پر فسق و فجور کا حکم لگاتا ہے، وہ حقہ کیسے پیتا ہے؟ حالانکہ بہت سے علماء متقدمین اور متاخرین نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، کم از کم مکروہ تو ضرور قرار دیا ہے۔^۱

امام احمد رضا بریلوی حقہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”حق یہ ہے کہ معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام و خواص یہاں تک کہ علماء و عظمائے حرہ میں محترمین زاد ہما اللہ شرفاً و تکریماً میں رائج ہے، شرعاً مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں۔“

اس کے بعد علامہ سید احمد حموی، علامہ نابلسی، علامہ علاء الدین دمشقی، علامہ طحاوی اور شامی کے ارشادات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز و مباح و صرف مکروہ تنزیہی ہے، یعنی جو نہیں پیتے، بہت اچھا کرتے ہیں، جو پیتے ہیں کچھ برا نہیں کرتے۔۔۔۔۔“

البتہ وہ حقہ جو بعض جہاں بعض بلاد میں، ماہ رمضان مبارک شریف میں وقت افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس و دماغ میں فتور لاتے اور دید و دل کی عجب حالت بناتے ہیں، بے شک ممنوع و ناجائز و گناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ ماہ مبارک میں۔^۲

علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

وبهذا يظهر ان شرب القطن ليس بحرام كما يزعمه

^۱ لہ ظہیراً البریلویہ (حاشیہ) ص ۲۶

^۲ احمد رضا بریلوی؛ احکام شریعت (مطبوعہ کراچی) ص ۲۵۶

^۳ ایضاً؛ " " " " ص ۲۶۵

بعضهم بالقياس على اكل الثوم بجامع الخبث وهو
 بعد تسليم الخبث فيه والقياس تبطل حرمة بطلان
 حرمة اكل الثوم فان كانت رائحة التتن
 كريهة عند قوم مجتمعين في المسجد او غيره لا تكون
 كرائحة الثوم والبصل وان لم تكن كريهة فلا وتد
 اجمع الناس اليوم على استعمال التتن في غالب
 المجالس بين العلماء والعوام من غير استكراه لرائحته
 وانما يستكرهه القليل الذين لا يشربونه فلا يكون
 كالبصل والثوم لان المعتبر في المقيس عليهما
 ما يستكرهه غالب الناس وهذا لا يستكرهه غالب
 الناس اليوم فليس هو من قبيل ذلك - له

» اس تقریر طابہ ہو گیا کہ تمباکو نوشی حرام نہیں ہے جیسا کہ بعض علمائے خبث
 کو علت مشترکہ قرار دیتے ہوئے لہسن پر قیاس کر کے کہا ہے (اول تو یہ خبث
 اور قیاس مسلم ہی نہیں ہے) اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو جب کہ لہسن کا کھانا حرام
 نہیں ہے، تو تمباکو نوشی بھی حرام نہ ہوگی۔ اگر مسجد وغیرہ میں مجتمع افراد کو تمباکو
 کی بو پسند نہ ہو، تو یہ بو، لہسن اور پیاز کی بو کی طرح ہوگی اور اگر انہیں ناپسند
 ہو تو یہ بو، لہسن اور پیاز کی بو کی طرح بھی نہ ہوگی۔ آج لوگوں کی اکثریت علماء
 و عوام کی مجالس میں عموماً تمباکو نوشی کرتی ہے اور اس کی بو کو ناپسند نہیں کیا جاتا
 ہاں بہت کم لوگ اس بو کو ناپسند کرتے ہیں جو خود تمباکو استعمال نہیں کرتے لہذا
 تمباکو، پیاز اور لہسن کی طرح نہ ہوگا، کیونکہ پیاز اور لہسن کی بو کو اکثر لوگ ناپسند

کرتے ہیں، جبکہ تمباکو کی بو کو اکثریت ناپسند نہیں کرتی، لہذا یہ قیاس درست نہ ہوگا۔
علامہ ابن عابدین شامی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں:

فالثبات حرمة امر عسیر لایکاد یوجد له نصیر نعم
لواضر ببعض الطبائع فهو علیہ حرام ولو نفع ببعض و
قصد به التداوی فهو مرغوب ولو لم یمنع ولم یضر فهو
”تمباکو نوشی کی حرمت ثابت کرنا دشوار ہے۔ اس دعوے کا کوئی امدادی نہیں
ملے گا، ہاں اگر کچھ طبیعتوں کو نقصان دے، تو اس کے لیے حرام ہے اور اگر کسی
شخص کو فائدہ دے اور وہ بطورِ دوا استعمال کرے، تو اس کے لیے پسندیدہ
ہے اور اگر نہ فائدہ دے اور نہ نقصان (تو مباح ہے)“

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

”حقہ پینا مباح ہے، مگر اس کی بدبو سے مسجد میں آنا درست ہے۔“^۱
ایک اور سوال و جواب ملاحظہ ہو:

سوال: حقہ پینا کیسا ہے؟ اور پان میں تمباکو کھانا کیسا ہے؟

جواب: حقہ پینا و تمباکو کھانا درست ہے، مگر بدبو سے مسجد میں آنا حرام ہے۔^۲

نہ معلوم وہ اکثر علماء کون سے ہیں جو مطلقاً حقہ کو حرام کہتے ہیں۔ رہا امام احمد
کا کفر یا فسق کا حکم لگانا، تو انہوں نے دلائل شرعیہ کی روشنی میں وہ حکم لگا کر مفتی شریعت
کی ذمہ داری پوری کی ہے، بلا وجہ کسی پر کفر یا فسق کا حکم نہیں لگایا۔

امام احمد رضا بریلوی بسم اللہ شریف کے فوائد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

^۱ ابن عابدین الشامی، علامہ؛ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (عبد الغفار قندھار) ج ۲، ص ۲۶۶

^۲ رشید احمد گنگوہی؛ فتاویٰ رشیدیہ (محمد سعید، کراچی) ص ۲۸۱

^۳ ایضاً؛ " " " " ص ۲۹۰

”اور بفضلہ میں شیطان کو بھوکا ہی مارتا ہوں، یہاں تک کہ بیان کھاتے وقت بسم اللہ اور چھالیہ منہ میں ڈالی، تو بسم اللہ شریف — ہاں حقہ پیتے وقت نہیں پڑھتا۔ طحاوی میں اس سے ممانعت لکھتی ہے۔ — وہ خبیث اگر اس میں شریک ہوتا ہو تو ضرر ہی پاتا ہوگا کہ عمر بھر کا بھوکا پیاسا، اس پر دھوئیں سے کلیجہ جلنا — بھوک پیاس میں حقہ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔“ لہٰذا اس عبارت کا ایک ایک جملہ شیطان کی دشمنی اور عداوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جب ہے اسی واقعہ کو اس انداز میں بیان کیا جاتا ہے جیسے شیطان کے ساتھ دوستانہ ہو،

حفظ ہو،

”لطیفہ یہ ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ حقہ پینے میں شیطان ان کا ساتھی ہوتا ہے، وہ اور شیطان باری باری پیتے ہیں۔“ لہٰذا (ترجمہ)

چونکہ شیطان کی دشمنی کو دوستی کے روپ میں پیش کرتے ہوئے دل میں چور چھپا ہوا تھا، اس لیے اس واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے صرف ملفوظات بریلوی ”لکھنے پر اکتفا کیا گیا، صفحہ نمبر ہیں لکھا تاکہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت فوراً ہی نہ کھل جائے۔

ہاتھ اور پاؤں کا چومنا

کسی بزرگ شخصیت کی دینی عظمت و جلالت کے پیش نظر ہاتھ اور پاؤں کا چومنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں ریاکاری یا اور کوئی غرض فاسد شامل نہ ہو۔

حضرت زراع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والے وفد عبد القیس میں شامل تھے، وہ فرماتے ہیں،

ص ۲۲۱

ملفوظات (مطبوعہ لاہور)

لہٰذا محمد مصطفیٰ رضا بریلوی، مولانا،

ص ۲۶

البریلویہ

لہٰذا ظہیر،

لما قدمنا المدينة فجعلنا فتيابا در من سواحلنا
 فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجله
 رواه ابو داؤد له

”جب ہم مدینہ منورہ پہنچے، تو اپنی سوار یوں سے جلدی جلدی اتر کر رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس اور پائے مبارک کو بوسہ دینے لگے۔
 یہ حدیث امام ابو داؤد نے روایت کی۔“

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ دو یہودی بارگاہ رسالت
 حاضر ہوئے، انہوں نے آیاتِ بنیات کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے بیان فرمایا
 فقبتلا يديه ورجليه وقال لشهدا انتك نبى
 رواه الترمذى و ابو داؤد والنسائى۔ ۲

”تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے
 ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے
 روایت کیا۔“

امام حاکم راوی ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز
 دکھائیں جس سے میرا یقین زیادہ قوی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس درخت کو کہو کہ تمہارا
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ اُس شخص نے ایسا ہی کہا، درخت نے بارگاہ
 اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور آپ کے فرمانے پر واپس چلا گیا۔

علامہ ابن عابدین شامی نے یہ روایت نقل فرمائی ہے اور اس کے آخر میں ہے
 ثم اذن له فقبل رأسه ورجليه ۳

۱۔ ولی الدین الخطیب، شیخ؛ مشکوٰۃ شریف، باب العائقة والمصافحة، فصل ثانی، ص ۲۰۲

۲۔ ایضاً؛ مشکوٰۃ، باب الکبار وعلامات النفاق (ایچ ایم سعید کراچی) ص ۱۱

۳۔ ابن عابدین شامی، علامہ؛ رد المحتار (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۵، ص ۲۵

”آپ کی اجازت سے اس نے آپ کے سرِ اقدس اور پاؤں نور کو بوسہ دیا۔“

تنویر الابصار اور اس کی شرح پور مختار میں ہے :

طلب من عالم او زاهد ان یدفع الیہ قدمہ ویسکنہ

من قدمہ لیقبلہ اجابہ وقیل لا۔ لہ

”کوئی شخص کسی عالم یا زاہد سے درخواست کرے کہ وہ اپنا پاؤں آگے بڑھائیں

تاکہ اسے بوسہ دے سکے تو اس کی درخواست پوری کر دے، بعض حضرات نے

کہا نہیں۔“

امام احمد رضا بریلوی کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا

اعتراف اپنوں بیگانوں سب ہی کو ہے، اسی تعلق خاطر کی بنا پر وہ ہر اس شخص اور ہر اس چیز

کا احترام کرتے تھے، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہو چنانچہ

سادات کرام اور خصوصاً اہل علم و تقویٰ حضرات کی تعظیم و تکریم دل و جان سے کرتے تھے اور

صحیح العقیدہ حجاج کرام کی پذیرائی جس انداز میں کرتے، وہ انہی کا حصہ تھی۔

حضرت شاہ علی حسین اشرفی

آپ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء کو کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد، انڈیا) میں

پیدا ہوئے اور ۱۱ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ علم و فضل، تقویٰ

و طہارت اور تبلیغ اسلام میں اپنی مثال آپ تھے۔ خاندانی اعتبار سے سید تھے اور شکل و صوت

کے لحاظ سے شبیہ سیدنا خوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ہزاروں علماء آپ کے

حلقہ ارادت سے وابستہ تھے۔ امام احمد رضا بریلوی آپ کا بہت ہی احترام کرتے تھے۔

یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دیکھتے تھے۔ لہ

۱۔ علاء الدین الحسینی، علامہ، در مختار برعاشیہ شامی ج ۵، ص ۲۲۵

۲۔ عارف اللہ شاہ قادری، مولانا، اذکار حبیب رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۲۲

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے :

جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا، آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضری دی؟ وہ ہاں کہہ دیتا تو فوراً اُس کے قدم چوم لیتے۔

یہ محبت رسول کی معراج تھی، کیونکہ علم و فضل کا ہمالہ، عبقری فقیہ اور ہزاروں افراد کا مشہدِ طریقت ہونے کے باوجود حج کعبہ اور زیارتِ روضہ رسول کا شرف حاصل کرنے والے کے پاؤں چوم لینا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل محبت کے بغیر عادتاً ناممکن ہے۔ مدینہ طیبہ کی حاضری کے بارے میں سوال اس لیے کرتے کہ جو شخص حج کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہی دیتے بغیر واپس آجاتے، اُس کا عقیدہ اور اُس کی محبت، شک و شبہ سے خالی نہیں اور ایسا شخص کسی عاشقِ رسول کے نزدیک تعظیم و تکریم کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

شدت کا الزام

امام احمد رضا بریلوی کی بڑی خوبی جو مخالفین کی نظر میں خامی کہلاتی ہے یہ تھی کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لیے رحمت و شفقت اور بے دینوں و بد مذہبوں کے لیے شمشیرِ بنیام تھے، جس شخص کو صراطِ مستقیم اور مسلکِ اہل سنت سے منحرف پاتے، اُسے محبت سے نرمی سے سمجھاتے، وہ سمجھ جائے تو بہا، ورنہ اس کی کج روی اور بے راہ روی کے مطابق زجر و توبیخ فرماتے جس کی بے اعتدالی جتنی شدید ہوتی، اتنی ہی شدت کے ساتھ اسے ڈانٹ ڈپٹ فرماتے۔ کسی بھی صحیح ڈاکٹر اور سرجن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مریض تندرست ہو جائے اور اس کا مرض جاتا رہے، لیکن جب کوئی چارہ کار نہیں رہتا، تو وہ مریض کا جسم چیر بھاڑ کر رکھ دیتا ہے، تاکارہ اور نقصان وہ اعضاء کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے تاکہ مرض اور نہ پھیلے۔ امام احمد رضا بریلوی

نے بھی ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک ہمدرد اور مخلص ڈاکٹر اور سرجن کا کردار ادا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگ ان کے نشتر کی زد میں آئے، وہ انہیں سخت دل، رحمت و رأفت سے نا آشنا، اخلاقی حدود سے تجاوز کرنے والا اور نہ جانے کیا کیا القاب دیتے رہیں گے۔

۲۵ اگست ۱۸۸۹ء کو مولوی محمود حسن نے اخبار نظام الملک میں ایک بیان دیا: ”چوری، شراب خوری، جہل، ظلم سے معارضہ کم فہمی، یہ کلیہ ہے کہ جو مقدر العبد ہے“ مقدر اللہ ہے۔“

ظاہر یہ مختصر سی بات ہے، لیکن اس کا احاطہ اتنا ہی وسیع ہے، جتنا کہ انسانی عین ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس بیان پر رد کرتے ہوئے متعدد انسانی عیوب گنوائے کہ تمہارے مطابق اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب سے متصف ہو سکتا ہے، ان میں سے ایک عیب یہ بیان کیا امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”عورت قادر ہے کہ زنا کرے، تو تمہارے امام اور تمہارے پدر تعلیم کے کلیہ سے قطعاً واجب کہ تمہارا خدا بھی زنا کر سکے، ورنہ دیوبند میں چکلہ والی فاحشات اس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹو تو تمہارے برابر بھی نہ ہو سکا، پھر کاہے پر خدائی کا دم مارتا ہے، اب آپ کے خدا میں فرج بھی ہوئی، ورنہ زنا کاہے میں کر اسکے گا۔“

امام احمد رضا بریلوی نے تقدیس الوہیت کے تحفظ کی خاطر مخالفین کو یہ الزام دیا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ جو چیز بندے کی قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بھی ہے، تو اس سے لازم آئے گا کہ جو بڑا کام بندہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی کر سکے، صرف یہی نہیں، بلکہ بڑے کاموں کے لوازم بھی اس کے لیے ثابت کرنے پڑیں گے۔ ذرا غور تو کرو کہ ایک چھوٹی سی بات پر کتنے بڑے بڑے مفاسد لازم آ رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی یہ ساری تقریر عظمتِ الہی کی حفاظت کے لیے تھی، لیکن مخالفین کو ان کی عیاد بھی پسند نہیں آتی اور اس طرح اپنے نقطہ نظر کا اظہار کیا،
 ”وہ تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کرتے، یہاں تک جرات کی کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے اوصاف سے موصوف کیا کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف موصوف نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ دیوبندیوں کا خدا ہے۔“ لہ

قارئین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ کیا امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کو ناشائستہ اوصاف سے موصوف کیا ہے؟ ہرگز نہیں، وہ تو ان لوگوں پر گرفت فرما رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو بڑا کام بندہ کر سکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے اور انہیں متنبہ کر رہے ہیں کہ تمہارے اس قول پر کیا کیا قباحتیں لازم آئیں گی۔ امام احمد رضا بریلوی کی عبارت پر نکتہ چینی کا مطلب یہ ہوا کہ عظمتِ الہی کو داغدار کرنے والے سچے ہیں اور مجرم ہیں، تو امام احمد رضا، جو تقدیسِ الوہیت کے پاسبان ہیں

امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے حوالے سے یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے،
 ”بریلوی ہندوستان کے ایک مشہور عالم کے پاس پڑھنے کے لیے گئے، انہوں نے پوچھا آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں وہاں بہ کار دکتا ہوں اور ان کی گمراہی اور ان کا کفر بیان کرتا ہوں۔ اس پر شیخ نے کہا ایسا نہیں چاہیے، چنانچہ وہ وہاں سے لوٹ آئے اور ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا جو موحدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو۔“ (ترجمہ ملخصاً)

یہ واقعہ علامہ عبدالحق خیرآبادی کی ملاقات کا ہے، جس کا تذکرہ مولانا ظفر الدین بہاری نے حیاتِ اعلیٰ حضرت کے صفحہ ۳۳ - ۱۳۶ - ۱۷۶ پر کیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس جگہ چند اشارے کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو جاتے گا کہ یہ بیان حقیقت ہے۔

کس قدر دُور ہے۔

۱۔ امام احمد رضا، نواب رامپور کے طلب کرنے پر ان سے ملاقات کے لیے گئے تھے، علامہ خیر آبادی سے پڑھنے نہیں گئے تھے۔

۲۔ اتفاقاً علامہ خیر آبادی بھی وہیں آگئے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے مشاغل کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: تدریس، افتاء اور تصنیف، انہوں نے پوچھا، کس فن میں؟ فرمایا: مسائل دینیہ اور ردِ وہابیہ۔ لیکن یہ صاحب اپنے پاس سے تکفیر کی پچر لگا رہے ہیں؛

وَابَيْن ضلالتهم و كفرهم

جبکہ اس جگہ کفر کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی اپنی طرف سے اضافہ ہے کہ ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا جو موحدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو، حالانکہ اس جگہ بھی تکفیر کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ لطیفہ یہ کہ اس سے پہلے خود کہہ چکے ہیں کہ علامہ خیر آبادی انہیں پڑھانے پر راضی نہ ہوئے؛

ولكنه لم يرض بتعليمه اياها

اور اس جگہ یہ کہا جا رہا ہے کہ بریلوی نے ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔

وابي ان يتعلم من مثل هذا الشخص

اصل بات یہ ہے کہ زیب داستان کے لیے غلط بیانی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ حقائق میں حُسن اور دلکشی کہاں؟

۳۴، ص ۱ ج	حیاتِ اعلیٰ حضرت	لئے ظفر الدین بہاری، مولانا
۲۸ ص	البریلویہ	۲ ظہیر
۲۰ ص	"	۳ ایضاً
۲۸ ص	"	۴ ایضاً

علمی شکوہ اور قدرتِ کلام

امام احمد رضا بریلوی چودھویں صدی کی وہ عظیم ترین شخصیت ہیں، جن کے علمی جبار و جلال و وسعتِ نظر، قوتِ استدلال اور قدرتِ کلام کا ایک جہان معترف ہے، ان کے نظریات و معتقدات سے کئی لوگوں کو اختلاف ہوگا، لیکن ان کے جذبہٴ عشقِ رسول اور ان کے کلام کے سوز و گداز سے کوئی صاحبِ علم اختلاف نہیں کر سکتا۔ ذیل میں چند معروف اصحابِ علم و فکر کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے امام احمد رضا بریلوی کے مقام کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:

علامہ اقبال کی رائے یہ تھی:

”وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و سبند کے کیسے نابغہ روزگار فقیہ تھے، ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔“
ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خاں کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔“

ڈاکٹر محی الدین الوائی اہل حدیث جامعہ ازہر، مصر لکھتے ہیں:

”پُرانا مقولہ ہے کہ فرد واحد میں دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں، تحقیقاتِ علمیہ اور نازک خیالی۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اس تقلیدی نظریہ کے عکس

حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی (مطبوعہ سیالکوٹ) ص ۱۸

۱۰ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر

۲۲ " " " " " "

۱۰ ایضاً

ثابت کر کے دکھا دیا۔ آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال
شاعر بھی تھے۔ لے ترجمہ عربی

ڈاکٹر محمد علی خاں، ایم اے پی۔ ایچ، ڈی، ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (انڈیا)
لکھتے ہیں:

”امام احمد رضا نہایت بلند مرتبہ صاحبِ قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے
عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ آپ کی زود نویسی، برہنہ
تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں
میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بہ اسلوبِ احسن انجام دے کر فضلاء وقت
کو انگشت بدنداں کر دیا۔“ لے

جناب شفیق بریلوی (کراچی) لکھتے ہیں:

”وہ ایک جید عالم دین اور بڑے نکتہ رس فقیہ ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ
نعت گو شاعر بھی تھے۔ ان کو فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ وہ عاشقِ رسول
(صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیں قرآن و حدیث کی تفسیر و ترجمہ ہیں
..... ان کا قرآن مجید کا ترجمہ بھی بہت مشہور و مقبول ہے۔ قرآن مجید کے اس
ترجمہ میں زبان و بیان کی شکستگی موجود ہے اور عام فہم بھی ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت
کے شاعرانہ ذوق، عالمانہ بصیرت، ایمان کی پختگی، محبتِ رسول اور ادب کے
جو بر نمایاں ہیں۔“ لے

پروفیسر علی عباس جلالپوری ایم اے فلسفہ (گولڈ میڈلسٹ) لکھتے ہیں:

۲۰ ص	حیات مولانا احمد رضا خاں	لے محمد مسعود احمد، ڈاکٹر،
۲۱ ص	”	لے ایضاً،
۱۴۲ ص	جہانِ رضا (مجلسِ رضا، لاہور)	لے مرید احمد چشتی؛

”حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی نے فارسی اور اردو میں ہمتیال
 نعتیں لکھی ہیں جن کے بغیر اردو و سلام کی کوئی محفل گرمانی نہیں جاسکتی۔ ان کا
 ایک ایک لفظ عشق رسول میں بسا ہوا ہے اور انہیں سن کر سامعین کے دل
 عشق رسول سے سرشار ہو جاتے ہیں۔“

ادبی لحاظ سے بھی یہ نعتیں حسن بیان کے اچھوتے نمونے ہیں۔ ایک دن داغ
 دہلوی کے سامنے کسی شخص نے حضرت شاہ احمد رضا خاں کی ایک نعت کا شعر پڑھا۔

وہ سوتے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن لے بہار پھرتے ہیں

مرزا داغ پھڑک اٹھے اور کہا:

ہیں! ایک مولوی اور ایسا شعر! واہ! وا!

آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی و ادبی میراث کا بیش قیمت حصہ بن چکی ہیں۔ لے

جناب اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی فرماتے ہیں:

”مولانا کو شیریں زبانی کے اعتبار سے اہل زبان پر سبقت حاصل ہے اور بیان

میں ندرت ہے۔ اس دور میں داغ، تیر، حالی، اکبر و داغ و تیر تھلا ندہ کی زبان

سلاست، سادگی اور محاورہ کے اعتبار سے مسلم مکتبی، مولانا کی زبان، شگفتگی اور

روانی میں ان اساتذہ کی زبان سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ لے

جناب رئیس امر وہوی (کراچی) رقمطراز ہیں:

ان کی تصانیف نثر اور ان کی شاعری کیف و سرور سے لبریز ہے جس سے

عجب طرح کا انشراح صدر ہوتا ہے، رُوح پر اہترازی کیفیت طاری ہوجاتی ہے

وہ اک صوفی باصفا اور عالمِ جلیل تھے۔ ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں

عہد آفریں بھی!

ستیدشان الحق حقی لکھتے ہیں:

”بہترین تخلیقات وہی ہیں، جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے روحانی سرور اور اخلاقی بصیرت کا ذریعہ ہوں، میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے بڑا ہے۔ اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں، اس کی مقبولیت اور دل پذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال ہے اور مولانا کے شاعرانہ مرتبے پر دال ہے۔“

حسنِ تاثیر کو صورت سے، نہ معنی سے عرض

شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے، کوئی!

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، سابق صدر شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

”میرا خیال یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب غالباً واحد عالمِ دین ہیں جنہوں نے اُردو نظم و نثر، دونوں میں اُردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اُردو شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔“

یہ تاثرات مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے اربابِ علم و دانش کے ہیں، جنہوں نے دل کھول کر

امام احمد رضا کی مختلف ضیاء بارہشتیوں پر اظہارِ خیال کیا ہے، لیکن اگر میں نہ مانوں، کی یا ایسی پیش نظر ہو تو اس قسم کے تبصرے بھی کیے جاسکتے ہیں:

”ان کی زبان مغلق اور مبہم ہے، بہت کم ان کا کلام سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ان کی عبارات گنجلک اور اندازِ بیان مبہم ہے اور بعض اوقات وہ قصداً ایسا کرتے تھے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ زبردست عالم اور گہری تحریر کے مالک ہیں۔“

۶۸ ص ۶۸ خیابانِ رضا، عظیم پبلی کیشنز، لاہور

۷۷ ص ۷۷ " " " " " " ایضاً

۲۸ ص ۲۸ البرطونیہ " " " " " " ظہیر

مذکورہ بالا تاثرات ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں، آپ کو خود احساس ہو جائے گا کہ تعصب بے جا حقائق سے کس قدر دُور لے جاتا ہے۔ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جب گفتگو عام سطحی معیار سے گزر کر تحقیق و تدقیق اور علمی و فنی اصطلاحات تک پہنچ جائے، تو پھر اس کا سمجھنا عام آدمی کے بس میں نہیں رہتا، جب تک ان اصطلاحات سے واقفیت اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی اہلیت نہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیفات فیوض الحرمین، بہعات اور تعہیمات الہیہ کا ایک نظر مطالعہ کیجئے، یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

تقریر و خطابت

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی بھی عالم کو تقریر و تقریر میں سے کسی ایک فن میں ہی کمال حاصل ہوتا ہے، لیکن امام احمد رضا بریلوی، دونوں میدانوں کے بے مثال شہسوار تھے، اگرچہ آپ تقریر کو تقریر پر ترجیح دیتے تھے، کیونکہ تقریر ایک وقتی چیز ہے، جبکہ تقریر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو دیر تک رہ سکتی ہے اور دُور تک پہنچ سکتی ہے۔

ایک دفعہ بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں مولانا عبدالقیوم بدایونی (والد ماجد مولانا عبدالحماد بدایونی) نے اعلان کروایا کہ جمعہ کے بعد مولانا احمد رضا خاں کی تقریر ہوگی، آپ نے بہت معذرت کی کہ میں وعظ نہیں کیا کرتا۔ نیز یہ فرمایا کہ مجھے پہلے سے اطلاع نہیں دی، مگر وہ نہیں مانے۔ آپ نے مسلسل دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد مولانا عبدالقیوم بدایونی نے جو خود بھی بلند پایہ عالم اور خطیب تھے، فرمایا:

”کوئی عالم، کتب دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے پُراز معلومات، پراثر بیان

سے حاضرین کو محظوظ نہیں کر سکتا، یہ وسعتِ معلومات جناب ہی کا حصہ ہے۔“

۱۳۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ پٹنہ میں ندوہ کے رو میں ایک جلسہ کیا گیا جس میں علمائے اہل سنت

بکثرت موجود تھے۔ رات کو جب امام احمد رضا بریلوی کی تقریر شروع ہوئی، تو مولانا عبدالقادر بدایونی نے سید اسماعیل حسن میاں مارہروی کو نیند سے بیدار کیا اور فرمایا:

”مولانا احمد رضا خاں صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوتے ہیں۔ اس وقت ہمارے بھٹان کے وار دیکھنے کے قابل ہیں“

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بڑے بڑے اصحاب فضل و کمال کس شوق سے امام احمد رضا کی تقریر سنا کرتے تھے۔

ایک دفعہ بدایوں میں حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے عرس مبارک کے موقع پر بجے صبح سے تین بجے تک چھ گھنٹے تقریر فرمائی اور سورۃ والضحیٰ کی تفسیر بیان کی اور آخر میں فرمایا کہ اسی سورۃ مبارکہ کی چند آیات مبارکہ کی تفسیر میں اسی جُز لکھے تھے، پھر آگے نہ لکھ سکا اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلام پاک کی تفسیر لکھوں۔^۱

جناب سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں،

ذکر میلاد مبارک میں ابتداء سے انتہا تک اوداد و زانور ہا کرتے۔ یونہی وسعظ

فرماتے، چار پانچ گھنٹے کامل دوزانوی منبر شریف پر رہتے۔^۲

ماہِ رجب ۱۳۱۸ھ میں مجلس علمائے اہل سنت و جماعت، پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں

چار گھنٹے تقریر فرمائی۔^۳

ڈاکٹر سید عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی لٹ، چیئر مین شعبہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور لکھتے ہیں،

ج ۱، ص ۵۵

حیاتِ اعلیٰ حضرت

۱۔ نضر الدین بہاری، مولانا،

ص ۲۷

”

۲۔ ایضاً،

ص ۲۸

”

۳۔ ایضاً،

ص ۱۸۶-۷

”

۴۔ ایضاً،

”عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے اور وہ عالم جس کی فکر و نظر کا محور، قرآن حکیم اور حدیث نبوی ہو وہ ترجمان علم و حکمت، نقیب حق و صداقت، اور محسن انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی بھی ایسے ہی عالم دین تھے، تو یہ مبالغہ نہ ہوگا، بلکہ حقیقت کا اعتراف ہوگا وہ بلاشبہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے۔“ ۱

لیکن جو لوگ حقائق سے واقف نہیں یا واقف نہیں ہونا چاہتے، ان کا تاثر یہ ہے: ”وہ کلام میں فصیح نہ تھے، نہ تحریر میں نہ تقریر میں، انہیں خود بھی اس کا احساس تھا، اسی لیے وہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر تقریر نہیں کرتے تھے، البتہ تیسری عید جوان کی اور ان کے ہمناؤں کی خود ساختہ بدعت ہے جسے وہ عید میلاد النبی کہتے ہیں اور اپنے شیخ شاہ آل رسول کے یوم وفات پر جسے وہ عرس کہتے ہیں، تقریر کرنے تھے۔“ ۲

اس جگہ چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:

(۱) جس شخصیت کو اپنے غیر فصیح ہونے کا احساس تھا اور اسی احساس کے پیش نظر وہ (بقول کسے) جمعہ اور عیدین کے مواقع پر تقریر نہیں کرتے تھے، تو وہ مذکورہ بالا دو موقعوں پر کس طرح تقریر کر لیتے تھے۔ جو تقریر کر ہی نہ سکتا ہو، اُسے تو کسی موقع پر بھی یہ جرأت نہ کرنی چاہیے، خصوصاً دو اہم مواقع پر۔

(۲) اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ جمعہ و عیدین کے مواقع پر تقریر نہیں کرتے تھے؟

جناب ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری لاہور اپنے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والد نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے بریلی کی جامع مسجد نو محلہ میں تشریف لے جاتے اور میں بھی اکثر آپ کے ساتھ ہوتا، اکثر و بیشتر ہمیں دوسری تیسری صف میں بیٹھنے کا موقع مل جاتا۔ اسی مسجد میں حضرت مولانا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا کرتے۔ منبر پر ان کے بیٹھنے اور ان کے صلیہ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ حضرت والا بلند قامت، خوب رو اور سرخ و سفید رنگ کے مالک تھے۔ ڈاڑھی اس وقت سفید ہو چکی تھی مگر نہایت خوبصورت تھی۔

آواز از حد شیریں اور گداز تھی۔ آپ کا وعظ نہایت موثر ہوتا تھا۔ میں اگرچہ بچہ تھا، مگر اس کے باوجود آپ کے مواعظ میں میرے لیے کوئی کشش ضرور تھی۔ اکثر مجھ پر انہماک سا طاری ہو جاتا اور حاضرین کی کیفیت تو اس سے بڑھ کر ہوتی تھی۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوتا کہ طبیعت کے اعتبار سے آپ کا وعظ خاصا طویل اور مفصل ہوتا ہوگا، مگر وہاں خطبہ جمعہ، حاضرین کی سہولت کے لیے اکثر مختصر فرمادیتے، ڈاکٹر صاحب امام احمد رضا بریلوی کے انداز تقریر کے بارے میں لکھتے ہیں: ”وعظ میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے آپ حکایاتِ ماثورہ بھی بیان فرماتے، مگر آپ کے مواعظ کی اصل بنیاد آیات اور احادیث پر قائم ہوتی تھی“۔

(۳) صرف دو موقعوں پر تقریر کرنے کا حوالہ، صفحہ نمبر کی نشان دہی کے بغیر حیاتِ عالی حضرت کا دیا گیا ہے، حالانکہ اس کتاب میں صراحتاً لکھا ہے کہ وہ نہیں، بلکہ زبردست تقریریں ہوتی تھیں ان کے علاوہ اہل شہر (بریلی) کی درخواست پر دیگر محافل میں بھی تقریر فرمادیتے تھے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

مقالاتِ یوم رضا رضا اکیڈمی، لاہور، حصہ ۳، ص ۸

لے عابد احمد علی، ڈاکٹر،

ص ۱-۲

لے ایضاً،

”اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ بہت زبردست فرمایا کرتے تھے۔ ایک سالانہ جلسہ دستار بندی طلبائے فارغ التحصیل مدرسہ اہل سنت و جماعت، مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور میں، دوسرا ربیع الاول شریف کو دونوں وقت صبح آٹھ بجے اور شب کو بعد نماز عشا۔۔۔۔۔ جس میں شہر بھر کے عمائد و معززین مطبوعہ دعوت نامے کے ذریعے مدعو ہوتے اور اس مجلس کا اہتمام اور وعظ کی اہمیت شہر میں ایسی تھی کہ اُس تاریخ کو کسی دوسری جگہ اہتمام و انتظام کے ساتھ مجلس نہیں ہوتی تھی۔۔۔۔۔ تیسرا وعظ ۱۸ ذی الحجۃ الحرام عرس سراپا قدس۔۔۔۔۔ جناب سید شاہ آل رسول صاحب رابڑی قدس سرہ کے موقع پر۔۔۔۔۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی اہل شہر کی دعوت اور غرض و تمنا پر بھی شہر کی بعض مجلس میلاد میں بیان فرما دیا کرتے تھے۔“ لہ

تصانیف امام احمد رضا

امام احمد رضا بریلوی ۱۲ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو پونے چودہ سال کی عمر میں علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور سند و دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلہ کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا، اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اس دن سے آخر عمر تک آپ مسلسل لکھتے رہے اور اپنی تصنیفات کا عظیم انبار اور گراں قدر سرمایہ امت مسلمہ کو دے گئے۔ آج جب کہ آپ کے وصال کو ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ابھی تک آپ کی تمام تصانیف چھپ کر منظر عام پر آسکیں ان کے قلم کی برق رفتاری اور اہل سنت کی غفلت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اہل سنت و جماعت اپنی تمام تر کثرت کے باوجود فرد واحد کی نگارشات کو شائع کرنے سے قاصر رہے، جس نے پوری انجمن کا کام سرانجام دیا تھا۔

پھر یہ بھی نہیں ہے کہ ان کی تصانیف کی قدر و منزلت نہیں کی جاتی، بلکہ جس صاحب علم کے پاس ان کی تصانیف موجود ہوں، وہ انہیں قیمتی متاع سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ اس جگہ اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جمعہ کے روز انارکلی، لاہور میں جہاں پرانی کتابوں کے سٹال لگائے جاتے ہیں، بہت سی کتابیں بالکل نئی حالت میں، نصف یا اس سے بھی کم قیمت پر مل جاتی ہیں۔ سالبریلویہ نامی کتاب بھی چار پانچ روپے میں مل جاتی ہے لیکن امام احمد رضا کی اخباری کاغذ پر لپیٹھو کی چھپی ہوئی تصانیف میں سے کوئی رسالہ یا کتاب شاید ہی وہاں مل سکے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کو توفیق دے کہ وہ ایسا ادارہ قائم کریں جو امام احمد رضا بریلوی

کی تمام تصانیف کو جدید انداز میں ایڈٹ کر کے شائع کرے۔ اس سلسلہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں کام کا آغاز ہو چکا ہے جس کے شعبہ تصنیف و تالیف و تحقیق کے رکن مولانا اظہار اللہ بزاروی، امام احمد رضا کے متعدد رسائل پر تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا) اور مرکزی مجلس رضا لاہور میں اس سلسلے کا قابل قدر کام ہو رہا ہے۔

تعداد تصانیف

الدولة المکیة، تالیف ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء میں خود امام احمد رضا نے اپنی تصانیف

کی تعداد دو سو سے زائد بیان کی ہے آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی نے حاشیہ میں وضاحت فرمائی:

”یعنی وہاں بیہ کے رد میں، ورنہ بحمد اللہ تعالیٰ چار سو سے زائد ہیں۔“ ۱

۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے ایک فہرست الجمل المعد لتالیفات

المجدد ترتیب دی جس میں ۳۵۰ تصانیف کا اجمالی تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ تصریح فرمادی:

”میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے

استقراء میں میرے پیش نظر ہیں۔ فضل خدا سے امید واثق کہ اگر تخصّص تام

اور تمام قدیم و جدیدستوں پر نظر عام کی جائے، تو کم و بیش پچاس رسالے

اور نکلیں۔“ ۲

۱۹۳۸ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے حیات اعلیٰ حضرت لکھی اس میں وہ فرماتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زائد ہیں۔“

۱۱ ص	الدولة المکیة (مکتبہ رضویہ، کراچی)	۱ امام؛
۱۱ ص	” ” ” ”	۲ ایضاً؛
۴ ص	الجمل المعد (مجلس رضا لاہور)	۳ ظفر الدین بہاری، مولانا؛
ج ۱، ص ۱۳	حیات اعلیٰ حضرت	۴ ایضاً؛

بعد میں تیار کی جانے والی فہرست کے مطابق ۵۴۸ تصانیف ہیں۔ لہ
 مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام احمد رضا بریلوی کے قریبی رشتہ دار اور متبحر عالم
 تھے، انہوں نے یہ تعداد ایک ہزار بیان کی۔ لہ
 حقیقتِ حال سے ناواقف ان بیانات سے الجھن میں مبتلا ہو سکتا ہے، اسی لیے
 لکھا گیا ہے؛

”مبالغہ اور غلو ان لوگوں کے رگ و پے میں رچا ہوا ہے، یہ سچی بات سے
 سیر نہیں ہوتے، مجبوراً جھوٹ بولتے ہیں۔ اسی لیے اس موضوع پر ان کے اقوال
 مختلف ہیں، چنانچہ تصانیف کی تعداد، دوسو، تین سو، پچاس، چار سو، پانچ سو
 سے زیادہ، چھ سو سے زیادہ اور ایک ہزار بلکہ اس سے زیادہ بیان کی ہے“ (ترجمہ)
 یہ ایک ایسا اشکال ہے جسے ایک دفعہ بیان کرنے سے تسلی نہیں ہوتی، بلکہ ص ۲۹-۳۱-
 ۳۳ پر تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حالانکہ یہ کوئی لاینحل اشکال نہیں ہے۔ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء میں امام احمد رضا بریلوی
 نے فرمایا کہ اس وقت تک تصانیف دوسو سے زائد ہیں جس کا ترجمہ البریلویہ میں دوسو
 کے قریب کیا گیا ہے۔ اصل اور ترجمہ میں کتنا فرق ہے؟ اسی جگہ مولانا حامد رضا خاں نے
 حاشیہ لکھا کہ یہ ان تصانیف کی تعداد ہے جو رد و باہیہ میں ہیں، ورنہ کل تصانیف چار سو سے
 زائد ہیں۔ ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے فہرست تیار کی اور ان کی تعداد
 تین سو پچاس بیان کی اور ساتھ ہی تصریح کر دی کہ یہ تعداد حتمی نہیں ہے، مزید جستجو کی جائے
 تو چالیس پچاس رسائل مزید مل جائیں گے۔ مفتی اعجاز ولی خاں نے تعداد ایک ہزار بیان

۳۲۶ - ۳۴۸	الوارثنا	لہ شرکت حنفیہ، لاہور،
۲۶۶	ضمیمہ المعتقد المنتقد (مکتبہ ایشق، ترکی)	لہ مفتی اعجاز ولی خاں، مولانا،
۲۸-۹	البریلویہ	لہ ظہیر،

کی، یہ ان کا اندازہ اور ان کی رائے تھی، جو کچھ زیادہ بعید نہیں ہے۔

بمبئی سے ماہنامہ المیزان نے چھ سو صفحات پر مشتمل وقیع اور خوبصورت امام احمد رضا نمبر نکالا، تو اس میں جن کتب و رسائل کی فہرست دی گئی، ان کی تعداد پانچ سو اڑتالیس ہے۔ یہ بھی آخری فہرست نہیں ہے، مولانا لیسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

”فاضل بریلوی کی تصانیف کی تفصیلی فہرست پوری تحقیق اور تلاش و جستجو کے بعد مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے مرتب فرمائی ہے جو عنقریب الجمع الرضوی کے زیر اہتمام منظر عام پر آئے گی۔“ لہ

جناب سید ریاست علی قادری لکھتے ہیں:

”پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری سائنس کالج

ٹھٹھہ (سندھ) نے اپنی تصنیف ”حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی“ میں ۸۴۲ کتب و حواشی کا تذکرہ کیا ہے، موصوف ”بلوگرافیکل انسائیکلو پیڈیا آف امام احمد رضا خاں“ ترتیب دے رہے ہیں، جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔“ لہ

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ اہل سنت و جماعت نے تصنیف و اشاعت کے بارے

میں جس قدر بے اعتنائی سے کام لیا ہے، کسی فرقے نے نہیں لیا۔ اس غفلت شعار قوم سے آج تک نہ تو امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت کا اہتمام ہو سکا اور نہ ہی وہ گراں قدر ذخیرہ کتب پوری طرح محفوظ رہ سکا، اس لیے کوئی محقق کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے، جامع اور مکمل فہرست تیار نہیں کر سکتا۔

ان حالات میں ہم دعوے سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کی تصنیفات و رسائل کی

تعداد آٹھ سو چوالیس بے تاؤقتیکہ اس سے زیادہ نگارشات کی فہرست سامنے نہ آجائے

لہ لیسین اختر مصباحی، مولانا، امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں (رضائیکٹیو مبارکپور) ص ۴۲

لہ ریاست علی قادری، سید، امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری (مطبوعہ کراچی) ص ۷

بعض حضرات نے جو تعداد ایک ہزار بتائی ہے، تو ممکن ہے وہ ظن و تخمین پر مبنی ہو۔

فتاویٰ رضویہ

امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف میں سرفہرست فتاویٰ رضویہ ہے۔ اس کا پورا نام العطا یا النبویۃ فی الفتاویٰ المرصویۃ ہے۔ اس فتاویٰ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل چند تاثرات کافی ہیں۔

ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، علی گڑھ کی ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک بار استاذ محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے کیسے نابغہ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدت اور بعض علماء کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آ پڑتی، تو ان کا وقت اور علم و فضل، ملت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً وہ اس دور کے ابوحنیفہ کہلا سکتے تھے۔ لہ

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی
 وجزئیات ریشہ بذاک مجموع فتاویٰ و کتابہ کفل
 الفقہ الفہم فی احکام قرطاس الدراہم الذی الفہ
 فی مکہ سنتہ ثلاث و عشرين و ثلاث مائتہ و الف۔
 ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا
 ثانی ہو اس پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب "کفل الفقہ الفہم" شاہد ہے جو انہوں
 نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھی تھی۔"

مولانا مودودی کے نائب ملک غلام علی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک
 ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے
 مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ
 بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے۔ اور عشقِ خدا و رسول تو ان کی سطر سطر سے چھوٹا
 پڑتا ہے۔"

شاہ معین الدین ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں مرحوم صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی
 علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی، مولانا نے جس وقت نظر
 اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں اس سے
 ان کی جامعیت، علمی بصیرت، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ان
 کے عالمانہ محققانہ فتاویٰ مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔"

نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) جلد ۸، ص ۷۱

۱۔ ابوالحسن علی ندوی:

امام احمد رضا رباب علم و دانش کی نظر میں ص ۷

۲۔ یسین اختر مصباحی، مولانا:

۳۔ ایضاً:

۴۔ ایضاً:

یہ تاثرات امام احمد رضا بریلوی کے حلقہ معتقدین کے نہیں، بلکہ علامہ اقبال کے علاوہ
باقی اہل علم مسلک ان سے متفق نہیں ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان تاثرات کو غلو اور مبالغہ پر
محمول کیا جائے۔

اس وقت (۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) تک فتاویٰ کی بارہ جلدوں میں سے ساڑھے سات جلدیں
شائع ہوئی ہیں۔ ہندوستان سے شائع ہونے والی زیادہ تر جلدیں بڑے سائز میں چھپی ہیں جبکہ
پہلی پانچ جلدیں پاکستان میں شائع ہوئی ہیں۔ پاکستانی ایڈیشن میں سائز چھوٹا کر دیا گیا ہے، لیکن
اس میں قباحت یہ پیدا ہو گئی کہ خط اتنا باریک کر دیا گیا کہ پڑھنا مشکل ہے۔ ہندوستانی ایڈیشن میں
سائز اور خط مناسب ہے، اگر فتاویٰ کو جدید انداز میں مرتب کیا جائے، پیرا بندی کی جائے،
عربی عبارات کا اردو ترجمہ شامل کر دیا جائے اور حواشی میں حوالوں کی تخریج کر دی جائے، تو اس
کی کم از کم تیس جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

ذیل میں فتاویٰ رضویہ کی آٹھ جلدوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

جلد اول: مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ جہازی سائز (تقطیع $9 \frac{1}{4} \times 12$)
صفحات ۸۸۰

اس جلد میں ایک سو چودہ فتوے اور اٹھائیس رسائل ہیں۔

جلد دوم: مطبوعہ کتب خانہ سمنانی، میرٹھ (انڈیا) سال طباعت (۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء)
تقطیع $9 \frac{1}{4} \times 12$ صفحات ۵۱۲

اس جلد میں ۳۸۸ فتوے اور سات رسائل ہیں:

جلد سوم: مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سال طباعت (۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء) تقطیع $8 \frac{3}{4} \times 11$ صفحات ۸۱۵

اس جلد میں چار سو بیالیس رسائل ہیں اور پندرہ رسائل ہیں۔

جلد چہارم: مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء) تقطیع (۳/۸ × ۱۱) صفحات ۷۲۲

اس جلد میں چار سو بیالیس مسائل اور ستائیس رسائل ہیں۔

جلد پنجم: سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء) تقطیع (۳/۸ × ۱۱) صفحات ۷۹۹

اس جلد میں نو سو چوہن فتاویٰ اور نو رسالے ہیں۔

جلد ششم: سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء) تقطیع (۳/۸ × ۱۱) صفحات ۵۲۶

اس جلد میں چار سو ستانوے مسائل اور آٹھ رسائل ہیں۔

جلد دہم: (نصف) مطبوعہ مکتبہ رضا، بیسلیپور، پیلی بھیت (انڈیا) صفحات ۲۶۴

سالِ طباعت (نذار) تقطیع (۳/۹ × ۱۲)

جلد یازدہم: مطبوعہ ادارہ اشاعت تصنیفات رضا، بریلی (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء) تقطیع (۴ × ۹) صفحات ۲۲۵

اس جلد میں ایک سو ستاون مسائل اور چار رسائل ہیں۔

یہ آٹھ جلدیں چار ہزار آٹھ سو پچپن صفحات پر مشتمل ہیں اور اگر جدید انداز میں مرتب کر کے

شائع کی جائیں، تو دو تین گنا زائد ہو جائیں۔

اعتراضات

امام احمد رضا کی تصانیف کے بارے میں چند شکوک و شبہات اٹھاتے گئے ہیں، درج ذیل

سطور میں ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تصانیف کی تعداد کے بیان میں اختلاف شدید پایا جاتا ہے اور اپنے امام کی عظمت

کو جھوٹا سہارا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ اعتراض مختلف صفحات میں تین بار ذکر کیا گیا ہے، گویا ایک بار ذکر کرنے سے تسلی نہیں

ہوتی، اس کا جواب گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے۔

۲۔ بریلوی نے کوئی کتاب نہیں لکھی، استفسارات کے جواب میں فتوے لکھتے ہیں اس

کے لیے بھی متعدد تنخواہ دار ملازم رکھے ہوئے تھے۔ بعض استغناء دوسرے شہروں میں بھیج

دیئے جاتے تھے، ان کے معاونین جواب تحریر کرتے۔ یہ جوابات، سوال کرنے والوں کو ارسال

کر دیئے جاتے۔ بعض معاونین مختلف کتابوں سے عبارات نقل کر کے بھیج دیتے، جنہیں تحقیق

و تنقیح کے بعد اپنی عبارت میں درج کر دیتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فتووں میں شدید ابہام

پایا جاتا ہے (ترجمہ ملخصاً)

دلائل کے بغیر آدمی جو چاہے کہہ سکتا ہے، لیکن اہل علم کے ہاں اس کی کچھ قدر و قیمت نہ

ہوگی۔ امام احمد رضا کے پاس علماء کا جگمگاٹا لگا رہتا تھا۔ کچھ حضرات دارالعلوم منظر اسلام

کے مدرس ہوتے تھے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ ان میں سے چند حضرات

کو تربیت کے لیے مختلف کتابوں سے حوالے تلاش کرنے پر مامور فرما دیتے، تو اس سے کہاں

ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے فتویٰ نویسی کے لیے ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف تو یہ کہا

جاتا ہے کہ ان کی گزربسر امامت کی تنخواہ اور نذرانوں پر تھی۔ دوسری طرف یہ کہ متعدد ملازم

فتویٰ نویسی کے لیے رکھے ہوئے تھے، ان میں سے کس بات میں صداقت ہے؟ ہمارے

نزدیک کسی میں بھی نہیں۔ بعض اوقات علامہ طفرالدين بہاری کو کسی موضوع پر عبارات تلاش

کرنے پر مامور فرما دیتے، یہ بھی ان کی تربیت کا حصہ تھا۔

اس جگہ حافظ عبدالرحمن مدنی (اہل حدیث) کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

میرے گواہ میرے اپنے شاگرد ہیں، جو خود احسان الہی ظہیر کے لیے عربی اُردو

میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الہی ظہیر ان کا نام دیتے بغیر اپنے نام سے

یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اُس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اُس کے نام سے شائع ہوں؟ لے

امام احمد رضا بریلوی کی فقہی بصیرت، شرف نگاہی اور وسعتِ معلومات کے بیگانے بھی قائل ہیں۔ ابوالحسن علی ندوی اور شاہ معین الدین کے اقتباسات اس سے پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔ امام احمد رضا اس بات سے مستغنی تھے کہ کسی سے کتاب لکھوا کر اپنے نام سے شائع کر دیں۔

یہ تو اہل علم ہی جان سکتے ہیں کہ امام احمد رضا جو فتوے دیتے ہیں، وہ فیصلہ کن انداز میں دیتے ہیں، اس میں نہ تو ابہام ہوتا ہے، نہ تعقید، بلکہ قدرت نے انہیں ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ وہ مختلف اقوال و عبارات کو ان کے صحیح محمل پر محمول فرماتے اور احادیث مختلفہ میں اس طرح تطبیق دیتے کہ کوئی اشکال ہی باقی نہ رہتا۔

۳۔ ”بریلویوں کا یہ کہنا کہ ان کی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں، دلیل سے ثابت نہیں، کیونکہ کتاب صرف فتاویٰ رضویہ کو کہا جاسکتا ہے جو چھوٹے بڑے حجم میں آٹھ جلدوں میں چھپا ہے۔ باقی چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں جنہیں کتاب نہیں کہا جاسکتا۔“ لے

گویا کتاب اسی تصنیف کو کہا جاسکتا ہے جو بارہ ضخیم جلدوں میں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہو، ذیل میں چند کتابوں کے نام دیئے جاتے ہیں جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں،
الفقہ الاکبر، امام اعظم ابوحنیفہ کی اہم تصنیف ہمارے سامنے ہے۔ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کا مطبوعہ نسخہ ہے جس میں عربی عبارت چھوٹے سائز کے پچیس صفحات سے زائد نہیں ہے

ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور (۳ اگست ۱۹۸۴ء) ص ۶

لے عبدالرحمن مدنی، حافظ

ص ۳۰

البریلویہ

لے ظہیر

اربعین، چالیس امادیت کا مجموعہ مختلف صحرات سے جمع کیا ہے۔ ایسا ہی ایک مجموعہ
 امام نووی کی تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ مجموعہ بہ مشکل پندرہ صفحات پر مشتمل ہو گا۔
 ایک روزہ، مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ چھوٹے سائز
 کے صرف بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ شاہ رفیع الدین، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، صرف نو رسائل چالیس صفحات پر مشتمل ہیں
 حساب لگا لیجئے کہ فی رسالہ اوسطاً کتنے صفحات پر مشتمل ہو گا۔

الفتح الخبیر: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا چند صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو
 الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود تصانیف میں الگ شمار کیا گیا ہے۔

رسالہ اشارة المسجود، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ساڑھے تین صفحے پر مشتمل رسالہ
 جو فتاویٰ عزیزی میں مندرج ہے۔

اصل میں کسی موضوع پر لکھی جانے والی علمی اور تحقیقی تحریر، رسائل اور تصانیف میں شمار
 کی جاتی ہے، اگرچہ چند صفحات پر مشتمل ہو، اس کے لیے متعدد جلدوں اور ہزاروں صفحات پر
 مشتمل ہونا ضروری نہیں۔

۴۔ فتاویٰ رضویہ، چھوٹے بڑے رسائل پر مشتمل ہے، اس کے باوجود ان رسائل

کو تصانیف کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ لے

فتاویٰ رضویہ میں شامل رسائل کو الگ کر دیا جاسکتا تو بھی اس کی ضخامت غیر معمولی
 ہوگی، رسائل کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر انہیں الگ کیا جاتا ہے۔ ابھی رسالہ الفتح الخبیر
 کا ذکر ہوا ہے جو چند صفحات پر مشتمل ہے اور الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود
 الگ شمار کیا جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصانیف شمار کرتے ہوئے سب سے پہلے بجد العلوم
 کو شمار کیا گیا ہے جو تین جلدوں میں ہے، پھر اس کی پہلی جلد الوثنی المرقوم، دوسری جلد السحاب

المکرم کو الگ بھی شمار کیا گیا ہے۔ ۱۷

۵۔ بعض رسائل چھ صفحات پر مشتمل ہیں، مثلاً تنویر القندیل بعض سات صفحات پر

مثلاً بیان الموضوع اور بعض آٹھ صفحات پر مثلاً لمع الاحکام۔ یہ رسائل بھی ان کی تالیفات میں شمار کیے گئے ہیں۔ ۱۸

غالباً یہ خیال نہیں رہا کہ یہ صفحات جہازی سائز کے ہیں۔ یہ رسائل عام کتابی سائز پر شائع کیے جائیں، تو صفحات تین چار گنا بڑھ جائیں گے، اس سے قبل متعدد رسائل کی نشان دہی کی جا چکی ہے جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کے باوجود تصانیف میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۶۔ "لطیفہ یہ ہے کہ صحیح بخاری، نسائی، التقریب وغیرہ کتب جو بریلوی کے کتب خانہ

میں موجود تھیں اور وہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور ایک دو صفحات پر

کہیں حاشیہ بھی لکھ دیا۔ ان تمام حواشی کو بھی اپنے مجدد کی تصنیف میں شمار کر دیا،

حالانکہ ان حواشی میں سے بڑی کتاب تو کجا، چھوٹی کتاب بھی نہیں چھپی (ترجمہ ملخصاً)

یہ درست ہے کہ ان کتابوں پر امام احمد رضا بریلوی نے مستقل حواشی نہیں لکھے، لیکن اکثر و

بیشتر کتابوں پر لکھے ہوئے علمی اور تحقیقی نوٹس اتنی مقدار میں ہیں کہ انہیں الگ کتاب اور کتابچے

کی صورت میں شائع کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۰۲ھ / ۱۹۸۲ء میں طحطاوی علی الدر المختار پر امام احمد رضا کے حواشی تعلیقات رضا

کے نام سے مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کیے تھے۔ تحقیق و ترجمہ کا کام مولانا محمد صدیق

ہزاروی نے انجام دیا۔ یہ تعلیقات ۲۷۲ پر مشتمل ہیں جن میں صرف عربی حواشی چھپا سنی صفحات پر

چھپیلے ہوئے ہیں۔

ج ۳، ص ۹-۲۷۵

ایجدالعلوم

لہ صدیق حسن خاں مجھوپالی،

ص ۳۱

البریلویہ

۲۷ ظہیر،

ص ۳۲-۳۳

البریلویہ

۲۷ ظہیر،

اسی طرح اسی سال میں معالم التنزیل پر امام احمد رضا کے حواشی، مولانا محمد صدیق بزاروی
ترجمہ کے ساتھ چھپے ہیں، جو چوالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

البرلیویۃ نامی کتاب ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء کے بعد چھپی اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ تعلیقات رضا
دونوں حصے ان کی نظر سے نہ گزرے ہوں۔

جد الممتار، حاشیہ شامی

لطف یہ کہ ۱۹۸۲ء ہی میں شامی پر امام احمد رضا بریلوی کے مبسوط حاشیہ کی پہلی جلد
راہ آباد وکن سے چھپ گئی تھی جو ۴۳۲ صفحات پر مشتمل اور نفیس عربی ٹائپ پر چھپی ہے غالباً
لد بھی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔ یہ حاشیہ پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۷۔ اس گروہ کا صریح جھوٹ یہ کہنا ہے کہ فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے
حالانکہ اب تک اس کی صرف آٹھ جلدیں ہی چھپی ہیں۔ نیز ان آٹھ جلدوں میں
سے صرف ایک جلد بڑے سائز پر چھپی ہے۔ باقی تمام جلدیں چھوٹے سائز پر
چھپی ہیں۔ لہ

ایک طفل بکتب بھی جانتا ہے کہ ہر کتاب کا چھپا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بے شمار کتابیں
ہیں جن کی ایک جلد بھی نہیں چھپی، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس کتاب کی ایک جلد بھی نہیں
چھپی کیونکہ کوئی جلد چھپی جو نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں لکھی گئی تھیں جن
سے سات جلدیں مکمل اور دسویں جلد نصف چھپ چکی ہے۔

اسی طرح اگر آپ نے تاج محل نہیں دیکھا، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ موجود ہی نہیں ہے۔
اسے پاس فتاویٰ رضویہ کی دوسری جلد کے علاوہ باقی تمام جلدیں بڑے سائز پر انڈیا کی
پسی ہوئی موجود ہیں جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

۸۔ بڑے سائز پر چھپی ہوئی جلد اول ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

ممکن ہے یہ طباعت کی غلطی ہو، ورنہ پاکستانی ایڈیشن میں پہلی جلد آٹھ سو اسی صفحات

مشمول اور جہازی سائز پر چھپی ہوئی ہے۔

حاشیہ فواتح الرحموت

مسلم الثبوت تصنیف علامہ محب اللہ بہاری اصول فقہ کی دقیق ترین کتاب ہے۔

حضرت علامہ بحر العلوم لکھنوی نے اس پر فواتح الرحموت کے نام سے شرح لکھی۔ بحر العلوم

کا دقیق انداز تحریر کسی صاحب علم پر مخفی نہیں ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس پر حاشیہ

فرمایا جو چار سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے اور راقم کے پاس محفوظ ہے۔

اسلامی سیاست

متحدہ پاک و ہند کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا وجود ہندوؤں کے لیے کبھی قابلِ برداشت نہیں رہا، ان کی سوچ ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اسلام سرزمینِ عرب سے آیا ہوا غیر ملکی مذہب ہے، لہذا یہاں کے باشندوں کو پھر سے اپنے آبائی مذہب کو اختیار کر لینا چاہیے، کبھی یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں، سلاطینِ مغلیہ میں سے اکبر کے دربار میں ان لوگوں کا اثر و نفوذ حد سے زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ اس نے ایک نئے دین، دینِ الہی کی داغ بیل ڈالنا چاہی جو ہندومت ہی کا چربہ تنخا، اس سے ہندوؤں کو تو کیا نقصان پہنچتا، مسلمان اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

ایسے میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات نے وہ کام کیا کہ بڑے بڑے بادشاہ اور ان کے لشکر بھی نہ کر سکے۔ آپ کی مساعیٰ جمیلہ لادینیت اور الحاد کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوئیں اور ملتِ اسلامیہ کی کشتی گنگا اور جمنا کے منجدھار میں غرق ہونے سے محفوظ رہ گئی۔

اسی دور میں شیخِ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنی تصانیف کے ذریعے دینِ متین کی تعلیمات کو فروغ دیا اور کفر کے منہ زور سیلاب کا رخ موڑ دیا۔

ان کے بعد علمی و فکری قیادت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ آئی اور ان حضرات نے کمالِ حُسن و خوبی سے اہمیتِ مسلمہ کی راہنمائی فرمائی۔ ان کے بعد علامہ فضل حق خیرآبادی، شاہ فضل رسول بدایونی

شاہ احمد سعید مجددی اور مولانا ارشاد حسین رامپوری وغیرہم اسلامی عقائد اور روایات کی حفاظت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں ایک ایسی شخصیت کو پیدا فرمایا جو غیرتِ اسلامی اور ملتِ اسلامیہ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا پیکر اور ان حضرات کی صحیح جانشین تھی جسے دنیا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے نام سے جانتی ہے۔

تحریک ترک موالات

پہلی جنگِ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک طوفان کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور بچہ بچہ انگریز حکمرانوں کے خلاف نفرت و عداوت کا شعلہ جوالہ بن گیا، اس ہمہ گیر نفرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں کانگریس کی طرف سے نان کو آپریشن یعنی ترکِ موالات کا اعلان کر دیا۔

موالات کا معنی ہے دوستی اور محبت، ترکِ موالات کا معنی ہوا کہ محبت اور دوستی چھوڑ دی جائے، کس سے؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں سما سکتی، خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو، البتہ معاملہ یعنی لین دین، خرید و فروخت، مرتد کے علاوہ کسی بھی کافر سے کیا جاسکتا ہے۔ قرآن و حدیث اور ائمہ فقہاء کے ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے، تو موالات اور معاملہ دو الگ الگ چیزیں دکھائی دیں گی۔ کسی تحریک کی روجب چل نکلتی ہے، تو عوام و خواص، ہوش و خروش اور نعروں کی گونج میں جذبات کی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ عقل و دانائی کی باتیں سننے کے بھی روادار نہیں رہتے اور جو انہیں بھلائی اور خیر خواہی کا مشورہ دے، اُسے بھی شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہی کچھ اس تحریک میں بھی ہوا۔

اسلامی تشخص تک قربان

کسی قوم کے زندہ رہنے کے لیے اس کے قومی تشخص کا باقی رہنا از بس ضروری ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے لیڈر مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایسا چکرو دیا کہ عوام تو عوام تعلیم یافتہ لوگ بھی اس کے گرویدہ ہو گئے یہاں تک کہ اسلامی تشخص بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

امام احمد رضا بریلوی اس قومی خودکشی کی لرزہ خیز صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(آیت کریمہ) "لَا يَنْهٰكُمْ عَنْ ذٰلِكَ بِمٰلٍ مَّرْغُوْبٍ" کی توخصت دی

یا یہ فرمایا کہ انہیں اپنا انصار بناؤ۔۔۔۔۔ ان کے گہرے پار غار ہو جاؤ۔

ان کے طاعت (گاندھی) کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ۔۔۔۔۔ ان کی بجے

پکارو۔۔۔۔۔ ان کی حمد کے نعرے مارو۔۔۔۔۔ انہیں مساجدِ مسلمین میں

باب و تعظیم پہنچا کر۔۔۔۔۔ مسندِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لے جا کر۔۔۔

مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر و اعظا و ہادی مسلمین بناؤ۔۔۔۔۔ ان کا مردِ حرمینہ

اٹھاؤ۔۔۔۔۔ کندھے پر ٹھکی (میت) زبان پر جے یوں مرگھٹ میں پہنچاؤ۔

مساجد کو ان کا ماتم گاہ بناؤ۔۔۔۔۔ ان کے لیے دعائے مغفرت و

نمازِ جنازہ کے اعلان کراؤ۔۔۔۔۔ ان کی موت پر بازار بند کرو سوگ

مناؤ۔۔۔۔۔ ان سے اپنے ماتھے پر قشقے (تک) لگواؤ۔۔۔۔۔ ان کی

خوشی کو شعارِ اسلام (گائے کی قربانی) بند کراؤ۔۔۔۔۔ گائے کا گوشت

کھانا گناہ ٹھہراؤ۔۔۔۔۔ کھانے والوں کو کمینہ بتاؤ۔۔۔۔۔ اسے مثلِ سور

کے گناؤ۔۔۔۔۔ خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی گاؤ۔۔۔۔۔ واحد قہار کے

اسما میں الحاد رچاؤ۔۔۔۔۔ اسے معاذ اللہ! رام یعنی ہر چیز میں راجاؤ

ہر شے میں حلول کیے ہوئے ٹھہراؤ۔۔۔۔۔ قرآن مجید کو امانت کے ساتھ

ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ۔۔۔ دونوں کی پوجا کرو۔۔۔

ان کے سر غنہ (گانڈھی) کو کہو کہ خدا نے ان کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے

یوں معنی نبوت جماؤ۔۔۔ اللہ عزوجل نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے یہی تو فرمایا: اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكَّرٌ هَمْ تَمَّ تُو نَهِيں، مگر مذکر۔۔۔ اور

خدا نے مذکر بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے معنی رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔

ہاں لفظ بچایا، اُسے یوں دکھایا: نبوت ختم نہ ہوتی، تو گانڈھی جی نبی ہوتے۔

اور امام و پیشوا و بجائے مہدی موعود تو صاف کہہ دیا۔۔۔ بلکہ اس کی

مد میں میاں تک اونچے اڑے کہ ”خاموشی از شنائے تو مد شنائے تست۔“

صاف کہہ دیا کہ ”آج اگر تم نے بند و بھائیوں کو راضی کر لیا، تو اپنے خدا کو

راضی کر لیا۔۔۔ صاف کہہ دیا کہ ہم ایسا فکر بنانے کی فکر میں ہیں جو بند

مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا۔۔۔ صاف کہہ دیا کہ ”ایسا مذہب چاہتے

ہیں جو سنم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا۔۔۔ صاف کہہ دیا کہ

”ہم قرآن و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی۔“ کیا کریمہ

لَا يَنْطِقُكُمْ فِي ان ملعونات و کفریات کی اجازت دی تھی؟“ لہ

تحریر ترک موالات اگر کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی تو سیدھے سادے مسلمانوں

کا دین و ایمان تباہ ہو جاتا اور وہ ہندوؤں میں مدغم ہو کر رہ جاتے، اس کے علاوہ علمی اور

معاشی طور پر مسلمانوں کا دیوالہ نکل جاتا۔ اس وقت ہندوؤں کی تعداد ۲۳ کروڑ اور

مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ تھی، اس لیے ضروری تھا کہ ایک مسلمان کے مقابل تین

ہندو ملازمت چھوڑتے، جبکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ پھر ہندوؤں کے مقابل مسلمان

گورنمنٹ کے عہدوں پر پانچ فیصد تھے، مسلمانوں کے ملازمت چھوڑنے کی صورت میں ان

روں پر بھی ہندو آجاتے اور مسلمان اقتصادی لحاظ سے مزید کمزور پڑ جاتے۔^۱
 گاندھی اور اس کے ہم خیال علماء نے اسلامیہ کالج لاہور اور علی گڑھ کالج کو تباہ کرنے
 کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا، جبکہ ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور اور بنارس ہندو یونیورسٹی پر کچھ اثر
 ا۔ واصل کچھ ہندو لیڈر خود اس تحریک کے خلاف تھے، ان کی چال یہ تھی کہ مسلمانوں کے
 تباہ ہو جائیں، ان کے عہدے ختم ہو جائیں، ہمارے کالج بھی بدستور چلتے رہیں اور عہدے
 بحال رہیں۔ ان کی کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کا معاشی اور علمی لحاظ سے جو نقصان ہوتا
 ہے، اس کی کبھی تلافی نہ ہو سکتی۔

پینڈت مدن مالوی، اس بات کے سخت خلاف تھے کہ طالب علم حکومت کی امداد سے
 نہ والے کالجوں کا بائیکاٹ کریں جبکہ مسٹر گاندھی اس بائیکاٹ کے زبردست موید اور محرک
 تھے۔ اس کے باوجود بنارس ہندو یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا
 "میں پینڈت مالوی کا ہم خیال ہوں کہ طالب علموں کو اپنے ضمیر کے مطابق
 کارروائی کرنی چاہیے۔ میں آپ لوگوں سے بڑے زور کے ساتھ کہتا ہوں
 کہ اگر آپ میری دلیوں سے قائل نہ ہوں تو ہرگز ہرگز قطع تعلق کی پالیسی اختیار
 نہ کریں۔"^۲

مقام غور ہے کہ گاندھی نے اس قدر ڈھیلا ڈھال انداز اختیار کیوں کیا؟ اس لیے کہ محطاب
 ہندو طلبہ تھے اور اگر مسلمان طلبہ محطاب ہوتے تو انہیں پُر زور انداز میں بائیکاٹ کی تلقین کی جاتی،
 یہ مسلمان بچوں کا علمی مستقبل تباہ ہو جانے اور ہندو طلبہ بدستور علمی لحاظ سے ترقی کرتے رہیں۔

قلندِ اعظم اور ترکِ موالات

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریکِ ترکِ موالات طوفان کی طرح پورے ملک پر چھا گئی تھی۔

۱۔ ہندوؤں سے ترکِ موالات (مطبوعہ لاہور، ۱۹۲۰ء) ص ۲۰

۲۔ تاج الدین احمد تاج، منشی،

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی دل و جان سے اس تحریک میں شریک تھے۔ انہوں نے صرف گاندھی کی قیادت قبول کر لی تھی، بلکہ اُسے پاؤں تک کہتے تھے، لیکن قوم کے غیر جذباتی اور دُور رس نگاہ رکھنے والے لیڈر اس تحریک کے حق میں نہیں تھے۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

”آخر یہ کیا بات تھی، جناح کے کیمپ میں خاموشی کیوں تھی؟ سناٹا کیوں چھایا ہوا تھا؟ پہل پہل اور گہما گہمی اور ہنگامہ آرائی کیوں ناپید تھی؟ کیا ان کے قوائے عمل شل ہو گئے تھے؟ کیا ان کی زبان گنگ ہو گئی تھی؟ کیا ان کا دماغ ناکارہ ہو گیا تھا؟ نہیں یہ بات نہیں تھی، جناح کی نظریں حال کے آئینہ میں مستقبل کا جلوہ دیکھ رہی تھیں، وہ جذبات کے طوفان میں بہنے کا عادی نہیں تھا۔ طوفان کا رخ موڑ دینا اس کی عادت تھی۔“

محمد علی بنان نے بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”میں یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ گاندھی جی نے — جن کی میں عزت کرتا ہوں — جو پروگرام اختیار کیا ہے، وہ قوم کو غلط راستے پر لیے جا رہا ہے۔۔۔۔۔ ان کا پروگرام قوم کو صراطِ مستقیم کے بجائے ایک گڑھے کی طرف لے جا رہا ہے۔“

علامہ اقبال اور دو قومی نظریہ

علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ الہ آباد کے اجلاس کی صدارت کی اور اپنے سدارتی خطبہ میں نظریہ پاکستان پیش کیا۔ اُس وقت ان کی سنسی

۱۔ رئیس احمد جعفری، حیات محمد علی جناح (کتب خانہ تاج آفس، بمبئی) ص ۱۰۱

۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲-۱۰۳

۳۔ اعجاز الحق قدوسی، اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال اکادمی، لاہور) ص ۸۱

اڑائی گئی، ان کی باتوں کو مجذوب کی بڑ کہا گیا، لیکن علامہ نہ صرف اپنے نظریے پر قائم رہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے ہموار کرتے رہے۔ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

کانگریس کے صدر نے غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کے (جداگانہ) سیاسی وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری سیاسی جماعت یعنی مہاسہانے جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ ہندو مسلم قوم کا وجود ناممکن ہے ان حالات کے پیش نظر بدیہی حل یہ ہے کہ ہندوستان میں قیام امن کیلئے ملک کی از سر نو تقسیم کی جائے جس کی بنیاد نسلی، مذہبی اور لسانی اشتراک پر ہو۔ بہت سے برطانوی مدیرین بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔۔۔ مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے روانگی سے قبل لارڈ لوتھیان نے مجھ سے کہا تھا کہ میری اسکیم میں ہندوستان کے مصائب کا واحد حل ممکن ہے یہ

مسلمان اور ہندو، دو الگ الگ قومیں ہیں۔ یہ اعلان امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے دور میں پوری قوت سے کیا۔ یہی نعرہ حق امام احمد رضا بریلوی نے ۱۹۲۰ء میں اتنی قوت سے بلند کیا کہ ہندو مسلم اتحاد کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جو ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کی بنیاد بنا اور جسے ۱۹۳۸ء میں قائد اعظم نے قبول کیا۔ قائد اعظم کی طرح علامہ اقبال بھی تحریک خلافت کے حق میں نہیں تھے۔

میاں عبدالرشید، کالم نگار نور بصیرت، "نوائے وقت لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال تحریک خلافت کے مخالف تھے، چنانچہ انہوں نے یہ اشعار لکھے:

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟

خلافت کی کرنے لگا تو گداہی

خریدیں نہ وہ جس کو اپنے لہو سے

مسلمان کو بے ننگ وہ پادشاهی

اے خواجہ رضی حیدر: قائد اعظم خطبہ الہ آباد کے آئینہ میں زینیس اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء، ص ۳۱۱

مرا از شکستن چنناں عار ناید

کہ از دیگراں خواستن مومیاںی (بانگِ درا)

قائدِ اعظم بھی اس تحریک اور اس کی ضمنی تحریکوں کو مسلمانوں کے لیے سخت نقصان سمجھتے تھے، مگر ان دنوں کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔ چنانچہ وہ اس آندھی کے دوران، میدانِ سیاست سے ہٹ آئے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ جن لوگوں نے میدان میں آکر خلافت، ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کی مخالفت کی اور ان کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا، وہ حضرت احمد رضا خاں اور ان کے احباء، رفقاء اور عقیدت مند ہی تھے۔

بجز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار^۱

مسٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں،

”اقبال مسئلہ تحفظِ خلافت پر مسلمانوں کے بندوؤں کے ساتھ مل کر عدم تعاون کی تحریک میں شرکت کے خلاف تھے، کیونکہ کسی قابل قبول ہندو مسلم معاہدے کے بغیر محض انگریز دشمنی کی بنا پر قومیت متحدہ کی تعمیر ممکن نہ تھی، علاوہ اس کے انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر قومیت متحدہ کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کر دیں جس کے سبب بعد میں انہیں پشیمان ہونا پڑے، انہی اختلافات کی بنا پر اقبال نے صوبائی خلافت کمیٹی سے استعفا دے دیا۔“^۲

خود علامہ اقبال کا بیان ہے :

”خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر جبکہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتے، وہ بظاہر جو شیلے

پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر (ادارہ تحقیقات پاکستان لاہور) ص ۱۱۶

۱۔ میاں عبدالرشید

زندہ رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۲، ص ۲۴۸

۲۔ جاوید اقبال

مسلمان معلوم ہوتے ہیں، لیکن درباطن اخوان الشیاطین ہیں، اسی وجہ سے
میں نے خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفا دے دیا تھا۔^۱
ابتداءً علامہ اقبال بھی متحدہ قومیت کے قائل تھے، لیکن گہرے غور و فکر نے ان کی
رہنمائی تبدیل کر دی۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو سید محمد سعید الدین جعفری کے نام ایک مکتوب میں
لکھتے ہیں:

”ابتداءً میں، میں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت
کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا، لیکن تجربہ اور خیالات کی وسعت
نے میرے خیال میں تبدیلی کر دی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی
نظام ہے، جس کو ہم ایک ناگزیر زشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔“^۲
سید سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا، افسوس اہل خلافت اپنی
اصلی راہ سے بہت دُور جا پڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں،
جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔“^۳

اسی لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ
”تحریک ترک موالات میں بریلویوں کے علاوہ مسلمانوں کے تمام گروہ،
ان کے زعماء، قائدین اور علماء شامل تھے۔“^۴

اگر مسلمانوں کے تمام گروہ ترک موالات کے دور میں ہندو مسلم اتحاد کا شکار ہو گئے ہوتے،
پاکستان کی حمایت میں مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت کبھی ووٹ نہ دیتی اور پاکستان بھی معرض

۱	لے جاوید اقبال، ڈاکٹر،	زندہ رود (شیخ غلام علی لاہور)، ج ۲، ص ۲۴۹
۲	لے ایضاً:	ص ۲۴۳
۳	لے ایضاً:	ص ۲۶۳
۴	لے نظیریہ	البریلویہ ص ۴۲

وجود میں نہ آتا۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ ایک طبقہ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی، پاکستان کی بنیادوں کو محفوظ کرنے والوں کے خلاف زبان طعن و راز کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

امام احمد رضا بریلوی اور ترک موالات

تحریک ترک موالات ایک طوفان کی طرح پورے متحدہ پاک و ہند پر چھا چکی تھی، اس کے خلاف آواز اٹھانا، اپنے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے مترادف تھا بلکہ اسلام کا دشمن اور انگریزوں کا ایجنٹ قرار دینا عام سی بات تھی۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

”اس تحریک کی جس نے مخالفت کی، اس کا رخ جس نے موڑنا چاہا، اس کی پگھلائی سلامت نہ رہ سکی۔ اکابر علماء، صلحاء، اختیار ابرار میں سے جس نے بھی اس تحریک کی مخالفت کی، اسے مسلمانوں کے قومی پلیٹ فارم سے ہٹ جانا پڑا۔“ لہ

ایسے عالم میں امام احمد رضا بریلوی نے کسی مخالفت اور الزام کو خاطر میں نہ لاتے تھے بصیرت ایمانی کا فیصلہ صادر فرمایا اور طوفانوں کی زد پر دین و ایمان کا چراغ فروزاں رکھ کر تاریخ شاہد ہے اور مورخین اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ زمانے کا بڑے سے بڑا طوفان ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ لاسکا، بلکہ ان کی ایمانی جرات و استقامت نے طوفانوں کو رخ موڑ دیا۔ اس وقت ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے گئے، لیکن طوفانی دور گزر جانے کے بعد دیانت دار مورخین ان کی ایمانی بصیرت کی داد دیتے بغیر نہیں رہ سکتے۔

گائے کی قربانی

مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہی ہندوؤں کی کوشش تھی کہ مسلمانوں سے گائے کا

قربانی رکوا دی جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ کہیں تو جوہر و تشدد سے اس اسلامی شعار کو بند کرنے کی کوشش کی اور کہیں دجل و فریب سے۔

”علاقہ بہار میں ہندوؤں نے محض قربانی گاؤں کو روکنے، یعنی مسلمانوں کے ایک مذہبی اور دینی شعار کو قطعاً بند کرنے کے لیے ہزار ہا کی تعداد میں اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہو کر اور ہر طرح کے اسلحہ جات سے مسلح ہو کر اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہزار ہا مسلمانوں کو زخمی اور قتل کیا۔ ایک نہیں، دو نہیں، مسلمانوں کے ایک سو چالیس گاؤں اور دو ہزار سات سو مکانا اس بے دردی کے ساتھ لوٹے کہ جن کی تفصیل سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مسلمانوں کے مکانات کا لوٹا ہوا مال ظالم ہندو ہاتھیوں پر لا کر لے گئے۔ آپ کے ہندو دوستوں نے لا تعداد مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی۔ آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کی پانچ عالی شان مسجدیں شہید کر دیں۔۔۔۔۔۔ آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کے قرآن مجید پھاڑ پھاڑ کر ایسے پرنزے اڑائے کہ مسلمانوں کے پاس پڑھنے کے لیے قرآن مجید کا ایک نسخہ بھی نہ رہا۔“

کبھی اس مقصد کے لیے فریب کا سہارا لیا اور زید و عمر کے نام سے علماء کے پاس استفتاء بھی کہ گائے کی قربانی اسلام میں واجب نہیں ہے، البتہ اس سے فتنہ و فساد کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمان گائے کی قربانی نہ کریں، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بعض جتید علماء کی اس طرف نہ ہو سکی، انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں اسی قسم کا ایک استفتاء امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں ہوا۔ آپ نے پہلی نظر میں ہی سوال کا چھپا ہوا مقصد معلوم کر لیا اور جواباً تحریر فرمایا کہ

لے تاج الدین احمد تاج، منشی، ہندوؤں سے ترک موالات، س ۶

شریعت مبارکہ میں بعض چیزیں نفس ذات کے لحاظ سے واجب یا حرام ہوتی ہیں اور بعض اشیاء امور خارجہ اور عوارض کی بنا پر واجب یا حرام ہوتی ہیں۔ گاتے کی قربانی اپنی ذات کے اعتبار سے واجب نہیں ہے، لیکن اگر اسے جبراً بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو اس کا جاری رکھنا واجب ہوگا۔

”ہم ہر مذہب و ملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزورِ مخالفین گاؤ کشی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع مطہرہ گزرا اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلتِ اسلام متصوّر نہ ہوگی؟

_____ کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟

_____ کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چہرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے ہمارے مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ شہادت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا؟

_____ کیا بلاوجہ وجہ اپنے لیے ایسی ذنات و ذلت اختیار کرنا اور

دوسروں کو دین کی مغلوبی سے اپنے اوپر سنسوانا ہماری شرع مطہرہ جائز فرماتی ہے؟

_____ حاشا و کلا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ _____ ہماری شرع مطہرہ

ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب

کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین و تذلیل روا رکھیں۔“ لہ

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء کو مسلم لیگ ضلع بریلی کے جوائنٹ سیکرٹری سید عبدالودود

نے ایک استفتاء پیش کیا کہ آج کل ہندو، گاتے کی قربانی موقوف کرانے کے لیے

کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے حکومت کو پیش کرنے کے لیے ایک درخواست تیار

رسائل رضویہ (مکتبہ حامدیہ لاہور) ج ۲، ص ۸

لہ احمد رضا بریلوی، امام،

جس پر کروڑوں افراد کے دستخط ہیں، ایسے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

فی الواقع گاتو کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے اس میں بندوں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ لہ

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علمائے اہل سنت کے فتاویٰ کا یہ اثر ہے کہ بجز تعالیٰ آج بھی ہندوستان کے سبھی مسلمان تمام تر دہشت گردی کو برداشت کر کے گلے کی قربانی ایسے شعائر اسلام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اگر علماء اسلام بروقت اس سازش کا سدباب نہ کرتے، تو آج ہندوستان میں اس شعار اسلام کا نام و نشان تک مٹ چکا ہوتا۔

اسلامیہ کالج لاہور

ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ، اسی لیے وہ ملازمتوں اور عہدوں میں بھی ہندوؤں سے خطرناک حد تک پیچھے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اپنی مشہور کتاب "النور" میں اعداد و شمار کی روشنی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس ہے۔ تین مسلمانوں کے (علی گڑھ، لاہور، اور پشاور) اور ایک سو بائیس ہندوؤں کے۔ سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی

”آپ میں سے بہت سے آدمی ہوں گے، جن کے کالجوں اور مدرسوں میں لڑکے پڑھتے ہیں۔ مولانا (آزاد) نے کہا ہے کہ ان کی تعلیم حرام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو صبح ہی سے لڑکوں کو مدرسوں میں نہ بھیجیو۔“ لے

علامہ اقبال، انجمن حمایت اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری تھے جس کے ماتحت اسلامیہ کالج چل رہا تھا اور مولانا حاکم علی وائس پرنسپل، کالج ہنگامے کی نذر ہوا۔ تو مولانا حاکم علی نے ایک استفتاء امام احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ یونیورسٹی کے ساتھ کالج کے الحاق کے برقرار رکھنے اور حکومت سے امداد لینے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا:

”وہ الحاق و اخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر تو اس کے جواز میں کلام نہیں، ورنہ ضرور ناجائز اور حرام ہوگا۔ پھر مخالفین کے غلط رویے کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خود مانعین کا طرز عمل ان کے کذب دعویٰ پر شاہد، ریل، ڈاک، تار سے تمتع کیا معاملات نہیں؟ فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہو اور لینا حرام، اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی ملک ہیں۔ ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی یہیں کا ہے، تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع، اس الٹی عقل کا کیا علاج؟“ لے

پروفیسر حاکم علی، ص ۶۸ (بحوالہ روزنامہ زمیندار لاہور)

لے محمد صدیقی، پروفیسر،

رسائل رضویہ (مکتبہ حادیہ لاہور) ج ۲، ص ۸۵

لے احمد رضا بریلوی، امام،

ج ۲، ص ۶-۸۵

لے ایضاً،

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء کو چودھری عزیز الرحمن نے لاہور سے ایک استفتاء ارسال کیا، جس کے لہجے میں تلخی تھی، انہوں نے لکھا:

”کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت و غیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہو جائیں اور مسلمان تباہ ہو جائیں۔“

امام احمد رضا بریلوی نے بستر مرگ سے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی جواب دیا جس کی ایک ایک سطر سے ملت اسلامیہ کا درد چھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ جواب المحجۃ المؤمنہ فی آیۃ الممتحنہ کے نام سے پہلے بریلی اور پھر لاہور سے چھپ چکا ہے۔ یہ کتاب دو قومی نظریہ کے سمجھنے کے لیے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب پروفیسر محمد سعید احمد پرنسپل گورنمنٹ کالج کھٹک، سندھ نے ایک مقالہ فاضل بریلوی اور ترک ممالک میں اس کتاب کا تفصیلی اور جامع تعارف پیش کیا ہے، جو لائق مطالعہ ہے۔

سر سید کے دور میں جب نہ صرف انگریزی وضع قطع اور تعلیم بلکہ انگریزی فکر کو بھی بہ طور فیشن اپنایا جا رہا تھا۔ امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت نے ان پر سخت تنقید کی تھی۔ پھر جب رخ بدلا اور انگریز کی بجائے ہندو کو اپنا ملجا و ماؤی اور امام بنا پا جانے لگا، تو علماء اہل سنت نے اس کا بھی سختی سے نوٹس لیا۔ دونوں زمانوں میں ان کا مقصد و مدعا رضائے الہی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہیے، ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاویٰ اہل سنت نے دیئے کلام الہی و احکام الہی بیان کیے، تو یہ ان (لیڈروں) کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کو ہوتے وہ جو ہیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اپنی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈروں نے بیٹھے ہی کیا اس کا

رد علمائے اہل سنت نے نہ کیا، وہ کس کے خوش کرنے کو تیار؟

پھر انگریز نوازی کے الزام کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،
”بات یہ ہے کہ“

عَلِ الْمَرْءِ يَقِيْسُ عَلَى نَفْسِهِ

(آدمی اپنے ہی احوال پر کرتا ہے قیاس)

لیڈروں اور ان کی پارٹی نے آج تک نصرانیت کی تقلید و غلامی، خوشنودی نصاریٰ کو کی اب کہ ان سے بگڑی ان سے بدرجہا بڑھ کر خوشنودی بنو گوان کی غلامی ملی۔ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ! خادمانِ شرع بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے، حالانکہ اللہ و رسول جانتے ہیں کہ اظہارِ مسائل سے خادمانِ شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا۔ صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا، واللہ الحمد!

سنیے! ہم کہیں واحدِ قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں، جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہی مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو نہیں نہیں، بلکہ اس پر بھی جس نے (کوئی) حق مسئلہ نہ رضائے خدا و رسول نہ تنبیہ آگاہی مسلمین کے لیے بتایا، بلکہ اس سے خوشنودی نصاریٰ اس کا مقصد و نیا ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحدِ قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں، سب کی ہزار در ہزار لعنتیں ان پر جنہوں نے خوشنودی مشرکین (منوہ) کے لیے تباہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے، اللہ عزوجل کے کلام و احکام تحریف و تغیر سے کایا پلٹ کر ڈالے، شعائرِ اسلام بند کیے، شعائرِ کفر پسند کیے، مشرکوں کو امام و ہادی بنایا، ان سے وادو اتحاد منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین

۱۴۲ ص ۰۲ ج رسا ئل رنویہ ۱۴۳ ص ۲۷
۱۴۳ ص ۲۷ رسا ئل رنویہ ۱۴۳ ص ۲۷

بالآخر ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو علامہ اقبال کی ذاتی کوششوں سے اسلامیہ کالج دوبارہ کھل گیا۔
اور اس طرح طلبہ بہت بڑے تعلیمی نقصان سے بچ گئے۔

تحریکِ ہجرت

تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں ایک تحریک یہ بھی اٹھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے
ہجرت کر جانا چاہیے۔ علمائے اہل سنت نے اس کی سختی سے مخالفت کی، جو لوگ ہندوؤں
کی چال کو نہ سمجھ سکے، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”رہا دارالاسلام، اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی،
و بے حرمتی، قبورِ مسلمین کی بربادی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی“

ہندوؤں کی مہلک سازشوں کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے:

اول، اُس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم، یہ نہ ہو تو اس کی جلا وطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم، یہ بھی نہ ہو سکے، تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف (ہندو) نے یہ تینوں درجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں نہیں

کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاً، جہاد کے اشارے ہوتے، اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں

کا فنا ہونا تھا (کیونکہ ان میں طاقت نہ تھی ۱۲ قادری)

ثانیاً، جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھڑا (فریب) دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڑیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں ان کی مساجد و مزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

ثالثاً، جب یہ بھی نہ بھی، تو ترکِ ممالک کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملات پر اُبھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری، ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ، ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے۔ حقوقِ اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر ہے، جب تنہا وہی رہ جائیں گے تو اس وقت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔“ لہ

ہجرت کر کے جانے والوں کا جو حشر ہوا اس کا بلکسا نقشہ رئیس احمد جعفری کی تحریر میں دیکھا جاسکتا ہے:

”پھر ہجرت کی تحریک اٹھی، ۱۸ ہزار مسلمان اپنا گھر بار، جائیداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر — خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔ افغانستان ہجرت کر گئے، وہاں جگہ نہ ملی، واپس کئے گئے، کچھ مرکھپ گئے، جو واپس آئے تباہ حال، خستہ، در ماندہ، مفلس قلاکش، تہی دست بے نوا، بے یار و مددگار، اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے ہیں، تو کیا کہتے ہیں؟ اور اگر جناح نے اسے ہلاکت خیز کہا تھا، تو کیا غلط کہا تھا؟“ لہ

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی دُور رس نگاہوں نے جو کچھ محسوس کیا تھا، وہ کس قدر صحیح اور بروقت تھا۔

جہاد

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے، لیکن یہ اُسی وقت فرض ہوگا، جب اس کی شرائط پائی جائیں، اس کی اہم شرائط میں سے سلطانِ اسلام اور قوت کا موجود ہونا ہے، اسی لیے امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا تھا:

”مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں، ولہذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔“ لہ

ایک دوسری جگہ قوت و طاقت کے شرط ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سلطانِ اسلام جس پر اقامتِ جہاد فرض ہے، اُسے بھی کافروں سے پہلے حرام ہے جبکہ ان کے مقابلہ کے قابل نہ ہو۔ مجتبیٰ و شرح نقایہ وردالمختار کی عبارت گزشتہ:

هَذَا إِذَا غَلَبَ عَلَى ظَنَانِهِ يَكْفِيهِمْ وَالْأَفْلَاحُ قَتَالَهُمْ
(یہ اس وقت ہے جب گمانِ غالب ہو کہ ان کے مقابلہ کے قابل ہے، ورنہ ان سے لڑنا حلال نہیں) لہ

ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان میں نہ تو سلطانِ اسلام موجود تھا اور نہ ہی طاقت، پھر صا و کس بتے پر کیا جاتا؟

امام احمد رضا بریلوی کے ان فتاویٰ کی بنا پر کہا جاتا ہے:

لہ احمد رضا بریلوی، امام، دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۱۰۸
لہ ایضاً: رسائل رضویہ ج ۲، ص ۲۱۰

”اسی لیے مسلمانوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ انگریز کے ایجنٹ ہیں اور ان کے

لیے کام کر رہے ہیں“ (ترجمہ) لہ

امام احمد رضا بریلوی نے ایک حکم شرعی بیان کیا تھا جس میں نہ تو انگریز کی طرف ذاری مقصود تھی اور نہ ہی چالپوسی اور خوشامد، جبکہ علماء اہل حدیث نے نہ صرف حرمت جہاد کا فتویٰ دیا، بلکہ خوشامد اور تملق کے تمام درجے طے کر گئے، تفصیل کے لیے اسی کتاب کا دوسرا باب ملاحظہ کیا جائے، سر دست صرف ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی، اہل حدیث کے وکیل اور صف اول کے راہنما تھے۔ انہوں نے ۱۸۷۶ء میں ایک رسالہ الاقتصاد لکھا، جس کا مقصد ایک طرف تو مسلمانوں سے جہاد کے جذبے کو ختم کرنا تھا اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا، یہ ان کی انفرادی رائے نہ تھی، بلکہ لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کر کے بڑے بڑے علماء کو یہ رسالہ حرف بحرف سنایا اور ان کی تائید حاصل کی۔ ہندوستان اور پنجاب کے جن شہروں تک وہ نہ پہنچ سکے، وہاں اس رسالہ کی کاپیاں بھجوا کر علماء کی تصدیق حاصل کی۔ پھر ۱۸۷۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو اپنے رسالہ اشاعت السنۃ کی جلد ۲، نمبر ۱۱ کے نمبر میں شائع کیا، جس پر صد ہا عوام و خواص (اہل حدیث) نے ان مسائل پر اتفاق کا اظہار کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ رسالہ علماء اہل حدیث کا متفقہ فیصلہ تھا۔

اس رسالہ میں بٹالوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں شرعی جہاد کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ان دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ ہم جب کہیں بعض اخبارات میں نیسبر

ص ۴۳

السبریلویۃ

لہ ظہیر:

الاقتصاد فی مسائل الجہاد (کنویری پریس، لاہور) ۲-۳

۲ محمد حسین بٹالوی:

دیکھتے ہیں کہ سلطنتِ روم یا ریاستِ افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا
 اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہیں آتا کہ اس
 وقت روئے زمین پر امام کہاں ہیں، جس کی پناہ میں اور اس کے امر و اجازت
 سے مسلمان جہاد کر سکیں۔ یہ خوف فریقین کا اس وقت بجا تھا،
 جبکہ جہادِ اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقررِ امام کے سوا مسلمانوں کا اسلام صحیح
 یا کامل نہ ہوتا۔“ لہ

اس عبارت سے صراحتاً چند امور سامنے آتے ہیں:

- ۱۔ امام کا تقرر ضروری نہیں، اس کے بغیر کمالِ ایمان میں بھی فرق نہیں آتا۔
- ۲۔ چونکہ امام کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا، اس لیے ہندوستان میں نہ تو جہاد شرعی ضروری
 ہے اور نہ ہی اس کا جواز ہے۔

- ۳۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی خطے پر بھی جہاد نہیں ہو سکتا۔
- ۴۔ جہادِ اسلام کا فرض اصلی نہیں ہے۔

اب اگر کوئی شخص مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم نوا علماء اہل حدیث کو انگریزوں
 کے ساختہ پرواختہ قرار دے، تو اسے قوی دلائل میسر آجائیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی کا موقف
 یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے پاس قوتِ جہاد نہیں ہے، اس لیے ان پر جہاد واجب نہیں ہے
 یہ موقف ہرگز نہیں تھا کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جہاد فرض نہیں ہے اور نہ ہی ان کا یہ موقف
 تھا کہ جہاد فرض اصلی نہیں ہے۔

تحریکِ خلافت و ترکِ موالات

” امام احمد رضا پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک کافر اور غاصب

ہوتے، انہوں نے جواب دیا:

مولانا! آپ کی اور میری سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف۔

جب مولانا نے دیکھا کہ علی براؤن رنجیدہ ہو گئے ہیں، تو انہوں نے کہا:

مولانا! میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں، میں تو ہندو

مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔“ لے

محمد جعفر شاہ پھلواری ترک موالات کے زبردست حامی تھے، اسی حمایت کے

سبب انگریزی تعلیم چھوڑ کر عربی شروع کر دی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

”ترک موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی، مجھے فاضل بریلوی سے

کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ

وہ سرکارِ برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت

پر مامور ہیں۔ تحریک ترک موالات کے جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا

اس لیے ایسی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، لیکن جیسے جیسے

شعور آتا گیا، مذہبی تعصب اور تنگ دلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا چلا گیا۔“ لے

ع۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خاں کو اگرچہ انگریزوں سے شدید نفرت تھی، لیکن ان کی

دور رس نگاہیں مستقبل میں اس تحریک کے انجام کو دیکھ رہی تھیں، وہ جانتے

تھے کہ اس بے صغیر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وقتی طور پر یہ ایک فریب ہے“

معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۷

لے سید محمد ریاست علی قادری؛

جہانِ رضا (مجلسِ رضا، لاہور)، ص ۱۲۵

لے محمد مرید احمد چشتی؛

جو اکثریت اقلیت کو دے رہی ہے۔ نتیجتاً اگر یہ تحریک کامیاب بھی ہو جائے تو ہندوؤں کی اکثریت ہر شعبہ زندگی میں اقلیت پر اثر انداز ہوگی اور عجب نہیں کہ یہ تحریک اکثریت میں ادغام کی صورت اختیار کر لے۔“ لے

دارالاسلام

ہندوستان پر سات سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار رہا۔ انگریز تاجربن کر آئے اور اپنی فطری عیاری سے حکمران بن بیٹھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں پنجاب، کشمیر، سرحد اور ملتان کے علاوہ تمام ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہو گئی۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فقہائے احناف کے تین اقوال بیان فرماتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب کب ہوتا ہے؟ پھر تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

”وہمیں قول ثالث را محققین ترجیح دادہ اند و بریں تقدیر معمولہ انگریزاں

و اشباہ ایشال لاشبہ دارالحرب است۔“ لے

اور جب ہندوستان دارالحرب قرار پایا تو ان سے سُود لینا بھی جائز ٹھہرا، البتہ جبراً

مال نہیں چھین سکتا۔

وانما حرم تعرضہ لاموالہم لمانیہ من نقض العہد واذا بذلوها بالرضا فلا وجہ للحرمة۔ لے
مسلمان کے لیے حرمیوں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے کہ اس میں عہد کی خلاف ورزی ہے اور اگر بخوشی دیں تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔“

لے اعجاز الحق قدوسی؛ اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال کا مدنی لاہور) ص ۲۰۸

لے ایضاً؛ لے عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ، فتاویٰ عزیز (مطبع مجتہبائی) ج ۱، ص ۱۱۰

بعد کے علماء میں یہ مسئلہ شدید اضطراب کا باعث بنا رہا۔ دیوبندی مکتب فکر کے مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس موضوع پر مختلف فتاویٰ موجود ہیں۔ سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:

”ان تینوں تحریروں کو سامنے رکھا جائے، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مولانا گنگوہی نے ہندوستان کی نسبت فرمایا:

(الف) ہندو دارالحرب ہے۔

(ب) ہند کے متعلق بندہ کو خوب تحقیق نہیں۔

(ج) ہندو دارالامان ہے۔

اب کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟^۱

مولوی محمد قاسم نانوتوی کا فتویٰ بھی گوگلو کی کیفیت پیش کرتا ہے، کہیں وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں شبہ ہے اور میرے نزدیک راج یہ ہے کہ دارالحرب ہے کہیں کہتے ہیں کہ ہجرت کے معاملے میں دارالحرب اور سود کے معاملے میں دارالسلام قرار دینا چاہیے۔^۲

مولوی محمود حسن کہتے ہیں کہ دونوں فریق صحیح کہتے ہیں۔^۳

علامہ انور شاہ کشمیری، ہندوستان کو دارالامان قرار دیتے ہیں۔^۴ دارالعلوم دیوبند کے ٹرسٹی سعید احمد اکبر آبادی دار کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں: دارالسلام، دارالحرب، دارالعہدہ دارالامان اور آخر میں کہتے ہیں،

^۱ سعید احمد اکبر آبادی، ہندوستان کی شرعی حیثیت (علی گڑھ) ص ۶-۳۵

^۲ محمد قاسم نانوتوی، قاسم العلوم، مکتوبات (ناشران قرآن، لاہور) ص ۲۷۱

^۳ ایضاً، ص ۳۶۲

^۴ حسین احمد مدنی، سفرنامہ شیخ ابند (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۱۶۶

^۵ سعید احمد اکبر آبادی، ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۳۲

”مملکت ہندوستان جو بالفعل پادشاہ عیسائی مذہب کے قبضہ اقتدار میں

ہے، مطابق فقہ مذہبِ حنفی کے دارالاسلام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے“ لہ

ان کی تقریر کے بعد مولوی فضل علی، مولوی ابوالقاسم عبدالحکیم، مولوی عبداللطیف

سیکرٹری مجلس، شیخ احمد آفتدی انصاری مدنی، سید ابراہیم بغدادی نے اپنی تقاریر میں

مولانا کرامت علی جوہر پوری کی تائید کی۔

اس کے علاوہ اس رسالہ میں حضرت شیخ جمال بن عبداللہ حنفی، مفتی مکہ معظمہ، علامہ

سید احمد دحلان مفتی شافعیہ، مکرّمہ مکرّمہ، شیخ حسین بن ابراہیم، مفتی مالکیہ مکہ معظمہ، علامہ

عبدالحق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ کے فتاویٰ موجود ہیں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

”بلاد ہند جو قبضہ نصاریٰ میں ہیں، دارالحرب نہیں ہیں“ لہ

مولوی اشرف علی تھانوی بھی دارالاسلام ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لہ

رسالہ اعلام الاعلام اور تھانوی صاحب کا یہ رسالہ دو اہم فتوے کے نام سے

مکتبہ قادریہ، لاہور سے چھپ چکا ہے۔

اہل حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

”علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام

والا مقام فرنگ فرماں روا ہیں، اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا پڑا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ

اسلامی مجلس مذاکرہ علمیہ کلکتہ (نول کشور، لکھنؤ) ص ۳

لے کرامت علی جوہر پوری، مولانا،

ص ۲۰

۲۰ ایضاً؛

مجموعہ فتاویٰ (مطبع یونیورسٹی لکھنؤ) ج ۱، ص ۲۰۲

۳۰ عبدالحی لکھنوی، مولانا؛

تحدیر الاخوان (تختانہ بھون) ص ۹

۴۰ اشرف علی تھانوی؛

دارالحرب نہیں ہے“ (حاشیہ سورۃ نساء رکوع ۱۲) لے

امام احمد رضا پر بے اصل الزام لگایا جاتا ہے :

وہ ہر تحریک آزادی کے مخالف تھے، انہوں نے حرمتِ جہاد کا فتویٰ دیا۔

دلیل یہ دی کہ ہند دارالحرب نہیں ہے اور اعلانِ جہاد دارالحرب ہی میں ہوتا

ہے، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دوسروں کو راضی کرنے کے لیے کہا کہ

ہند دارالاسلام ہے اور اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا۔“ (ترجمہ ملخصاً) لے

مخالفت کا یہ انداز اور اتہام پر دازی کا یہ اسلوب قطعاً محمود نہیں ہے۔ مولانا

کرامت علی جونپوری خلیفہ سید صاحب، نواب بھوپالی، بٹالوی صاحب، میاں نذیر حسین صاحب

ڈپٹی نذیر احمد، تھانوی صاحب اور مولانا عبدالحی لکھنوی سب ہی تو دارالحرب کی نفی کر رہے

ہیں۔ کیا ان سب ہی کو دشمنِ آزادی قرار دیا جائے گا؟ نواب صاحب، بٹالوی صاحب اور

مولانا جونپوری تو دارالاسلام قرار دے رہے ہیں، کیا ان پر بھی انگریزوں کو خوش کرنے کا الزام لگا

جائے گا؟ اور اگر نہیں تو ترجمانِ وہابیہ اور اشاعتِ السنۃ کی فائلوں کو دیکھیے، انگریزوں

کو راضی کرنے کے ایسے ایسے منظر سامنے آئیں گے کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ پیش

کتاب کے دوسرے باب کا مطالعہ بھی سو دمندر ہے گا۔

ہندوؤں کا تعصب

ہندوؤں کی تنگ نظری کا عالم آشکار ہے، مسلمانوں کی دشمنی تو ان کی گھٹی میں پڑ

ہوتی تھی :

”ہندوؤں کے باورچی خانہ میں اگر کُتا چلا جائے، تو باورچی خانہ ناپاک نہیں

ص ۵۲

ہندوستان کی شرعی حیثیت

اے سعید احمد اکبر آبادی :

ص ۲۰

البریلویہ

اے ظہیر

ہوتا، لیکن اگر مسلمان کا سایہ بھی پڑ جائے، تو باورچی خانہ ناپاک ہو جاتا ہے، کیونکہ مسلمان ملیچھ جو ٹھہرے۔ ایک ہندو علوانی کی دوکان پر جا کر مسلمان ایک ذلیل بھنگی کی طرح سودا خریدتا ہے اور کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ ہندو کی کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے۔“ لہ

امام احمد رضا، تحریک ترک موالات کے لیڈروں کی ہندو دوستی (موالات) پر تنقید تے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری؟ وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں۔ تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے۔ سودا بچیں تو دُور سے ہاتھ میں ڈال دیں۔ پیسے لیں تو دُور سے پانچھا وغیرہ پیش کر کے اُس پر رکھو الیں۔ حالانکہ بحکم قرآنی خودداری نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ (مسجد) میں لے جاؤ جو تمہارے ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے۔ وہاں ان کے گندے پاؤں رکھو او۔ مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے اندھا کر دیا۔“ لہ

گاندھی کی ملاقات سے انکار

تحریک کا وہ دور، طوفانِ بلاخیز تھا، ہند کے سامری، گاندھی نے ایسا جادو بھونکا کہ بڑے بڑے لیڈر دست بستہ اس کے پیچھے چلتے تھے اور اس کی ملاقات کو وجہ سعادت جانتے تھے۔ امام احمد رضا غیرتِ اسلامی کا وہ پیکر مجسم تھے کہ کسی بھنی کافر کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

لہ تاج الدین ماجد تاج، منشی، ہندوؤں سے ترک موالات، ص ۱۸

لہ احمد رضا بریلوی، امام، رسائل رضویہ، ج ۲ ص ۱۴۳

تحریکِ خلافت کے دور میں انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے گاندھی نے ملاقات کا پروگرام بنایا، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ لکھتے ہیں:

”ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا، فرمایا:

گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے؟ اور دنیاوی معاملہ میں، میں کیا حصہ لوں گا، جبکہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی غرض نہیں رکھی“

یاد رہے کہ امام احمد رضا، بریلی کے جس محلے میں رہتے تھے، وہاں سب ہندو رہتے تھے، مسلمانوں میں سے آپ کا خاندان رہتا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے جذبہ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ بے خوف و خطر اسلامی تعلیمات کا پرچار کرتے تھے اور ان کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔

تحریکِ خلافت

اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ترکی پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں نے غم و غصہ کا اظہار اور احتجاج کرنے کے لیے تحریک چلائی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی، مجلسِ خلافت کی رُوح رواں تھے۔ امن اور صلح کے حامی مسٹر گاندھی نے اس اشتعال سے فائدہ اٹھایا، وہ اپنی فسوں کاری سے تحریک کا لیڈر اور امام بن گیا۔ مسلم لیڈروں نے اس کے فریب میں آکر وہ وہ ناکردنی

۱۷ مختار الدین آرزو، ڈاکٹر؛ انوارِ رضا، شرکتِ حنفیہ، لاہور) ص ۶۱

کہتے کہ اسلامی سوچ اور فکر رکھنے والے علماء تڑپ اُٹھے۔ گاندھی جو کٹر ہندو تھا، وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہا تھا، ورنہ اسے مسلمانوں کے مصائب اور مقاصد سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی؟

”وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام طاہر و بادشاہ باطن ہے، یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا؟ کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے، تو ہم تلوار سے چھڑا دیں گے“ لے

علماء اہل سنت نے گاندھی کا پس رو بننے سے انکار کر دیا، اگرچہ وہ خلافت اور ماکن مقدسہ کی حفاظت کا نام ہی کیوں نہ لیتا ہو، وہ کسی صورت میں بھی اسے امام بنانے پر تیار نہ ہوئے۔

ماہ شوال ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء کو صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے السواد الاعظم، مراد آباد میں ”خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہل سنت کی کارگزاریاں“ کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جس میں انہوں نے مسلمانوں کی عالمی زبوں حالی ہندوستانی مسلمانوں کے جوش اور جذبے کو بیان کرتے ہوئے ان مفاسد کی نشان دہی کی ہے جن کا رنگاب لیڈر کر رہے تھے۔ نیز وہ طریقے بھی تجویز کیے، جن سے ترک بھائیوں کی امداد کی جاسکتی تھی، نیز وہ فرماتے ہیں:

”قیامت نما نوازل (مصائب) بلا و اسلامیہ کو تہ و بالا کر ڈالتے ہیں۔ مقامات مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہل اسلام کی چشم عقیدت کے لیے طوطیا سے بڑھ کر ہے، کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے۔ حریم محترمین اور بلاد طاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دل کیوں پاشش نہ ہو جائیں؟ ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ بہائیں؟ سلطنت اسلامیہ کی

لہ احمد رضا بریلوی، امام، الحجۃ المومنین (مطبع حسنی، بریلی)، ص ۲۸

اعانت و حمایت خادم الحرمین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔ لہ

پھر مسلمانوں کی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بندوستان میں مسلمان برابر جلسہ کر کے پُر زور تقریروں میں جوش کا اظہار کر رہے ہیں۔ سلطنتِ بریت سے ترکی اقتدار کے برقرار رکھنے کی درخواستیں کی جاتی ہیں، ترکی مقبوضات واپس دینے کے مطالبے کیے جاتے ہیں، اسی مقصد کے لیے رزولوشن پاس ہوتے ہیں، وفد بھیجے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تدبیریں کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہیں؟ لہ

اس تحریک میں ہندوؤں کو ساتھ ملا لیا گیا، علمائے اہل سنت اس تحریک میں شامل نہ ہوئے اور علمائے اہل سنت کے اس تحریک میں شامل نہ ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”اگرچہ یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے۔

حقاً کہ باعقوبتِ دوزخ برابر است

رفتن بیائے مروئی ہم سایہ در بہشت

لیکن مذہبِ کافروں اس (ہندوؤں کے شامل کرنے) کو ممنوع اور ناجائز قرار نہیں دیتا..... لیکن صورتِ حالات کچھ اور ہے۔ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندوان کے ساتھ متفق ہو کر بجا ہے اور درست ہے، پکارتے مسلمان آگے ہوتے اور ہندوان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے، تو بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔

لہ غلام معین الدین نعیمی، سید

حیات صد الان فاضل (ادارہ جامعہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص ۹

۲۰ ایسا،

پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتویٰ عقائد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا دین و مذہب کے نثار کرنے کی کیفیت گزشتہ صفحات میں کسی قدر پیش کی جا چکی ہے۔

دلانا سید سلیمان اشرف بہاری، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ نے فرمایا تھا اور بالکل جا فرمایا تھا،

”مسلمانوں کا حقیقی نصب العین، دین و مذہب، اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے، دنیا ان کے پاس دین کی رونق اور مذہب کی خدمت کے لیے ہے۔ جب دین و مذہب ہی نہ رہا تو ملعون ہے وہ سلطنت جو ایمان کے عوض ملے اور صدہا لعنت ہے اُس حکومت پر جو اسلام بیچ کر خریدی جائے“ لہٰذا

الاکمۃ من قریش

تحریک خلافت سے اس کی فتنہ سامانیوں کے سبب، علماء اہل سنت کی بے تعلقی کا اجمالی پس منظر گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے، اس لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، ٹبریلوی نے ایک اور رسالہ دوام العیش لکھا جس میں انہوں نے خلافتِ ترکیہ کی امداد کرنے والوں کے دعویٰ کو رد کیا اور دلیل یہ پیش کی کہ خلیفہ، قریشی ہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ ترکی کے عثمانی حکمران قریشی نہیں ہیں، اس لیے ان کی خلافت ثابت نہیں، اسی بنا پر ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کی نصرت و امداد لازم اور خلافت کے لیے انگریزوں سے جنگ جاتز نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ

تصریح کی کہ:

ترکوں کی حمایت، محض دھوکہ ہے، ورنہ خلافت کا نام لینے سے مقصد

بندوستان کی اراضی کی آزادی ہے۔ لے

ایک سوال کے جواب میں کہ سلطنت ترکیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”سلطنتِ علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ سلطنتِ اسلام،

نہ صرف سلطنتِ ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعتِ ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی

ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنی؟ دل سے خیر خواہی

مطلقاً فرض عین ہے اور وقت حاجت و دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو

چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے

کیا اب بھی یہ کہنے کا جواز رہ جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سلاطینِ ترکیہ کی

امداد کو اس بناء پر غیر ضروری قرار دیتے تھے۔

پھر غلط ترجمہ کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک تحریک کا

مقصد آزادی بند تھا، جس کی انہوں نے مخالفت کی۔ اصل عبارت دیکھنے سے غلط بیانی کا

پردہ چاک ہو جائے گا۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامی ہنود

سوراج کی چکھتی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے،

بھاری بھرم خلافت کا نام لو، عوام بھریں، چندہ خوب ملے اور گنگا و جمنا کی

مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے

اسے پس رو مشرکاں بز مزم نہ رسی!

کہیں رہ کہ تومی روی بہ گنگ و جمن است!

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ لیڈر، خلافت کا نام محض مطلب آری کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ آزادی حاصل کر کے سیکولر (لا دینی) سٹیٹ قائم کی جائے جس میں قوت و اقتدار کا سرچشمہ ہندوؤں کے پاس ہو، کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور مسلمان ان کے محکوم اور تابع محض ہوں۔ یہ وہ مقصد تھا جسے قبول کرنے سے امام احمد رضا نے انکار کیا تھا اور ہر صاحب بصیرت مومن کو اس سے انکار کرنا چاہیے۔

تحریک خلافت کے لیڈر، عامۃ المسلمین پر امام احمد رضا کے گہرے اثرات سے بخوبی واقف تھے، اسی لیے ہر قیمت پر انہیں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے۔ گاندھی نے ملاقات کا پیغام بھیجا تھا، جو اب اپنے صاف انکار کر دیا۔ گزشتہ صفحات میں ان دونوں واقعات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ فرنگی محل سے مولانا عبدالباری کے بار بار تقاضے آئے کہ آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ دارالافتاء بریلی سے جواب دیا گیا کہ ایسے مسائل دارالافتاء کے موضوع سے خارج ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ شاید خلافت کے نام سے ترک مہائیوں کو کوئی فائدہ پہنچ جائے، لیکن وہ نہ مانے، بلکہ انہوں نے شائع کر دیا کہ دارالافتاء بریلی خلافت کا منکر ہے اور کئی مواقع پر انہوں نے کہا کہ منکر خلافت کافر ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ خلیفہ شرعی کے لیے تو قریشی ہونا ضروری ہے اور سلطان ترکی قریشی نہیں۔۔۔۔۔ تو انہوں نے کہا کہ خلافت شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔ یہی بات ابوالکلام آزاد نے ایک رسالہ مسئلہ خلافت و جزیرہ عرب میں لکھی۔

کسی شخص نے مولانا فرنگی محلی کے خطبہ صدارت اور ابوالکلام آزاد کے رسالہ کا حوالہ دے کر

لے احمد رضا بریلوی، امام، دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۶۵

لے مسطفی رضاخان قادری مفتی اعظم ہند؛ تمہید دوام العیش ص ۱-۲

استفتاء بھیجی کہ کیا خلافت شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے رسالہ دوام العیش تحریر فرمایا جو ایک مقدمہ اور تین فصول پر مشتمل تھا تیسری فصل شروع کی تھی کہ دیگر ضروری کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس خیال سے اس کی تکمیل نہ کی کہ ابھی اس کا وقت نہیں۔ وقت آئے گا تو تکمیل کر کے طبع کرا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ وصال کے ایک سال بعد آپ کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند نے یہ رسالہ شائع فرمایا۔ لے

بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمد رضا نے دو رسالے اعلام الاعلام اور دوام العیش انگریزوں کی حمایت میں لکھے تھے، یہ تاثر ہرگز منصفانہ نہیں ہے۔ یہ دونوں رسالے آپ کے وصال کے بعد چھپے ہیں اور معمولی عقل والا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ اگر انگریزوں کو خوش کرنا مقصود ہوتا تو یہ دونوں رسالے اپنی زندگی ہی میں شائع کر دیتے جبکہ ایسا نہیں ہوا، اس لیے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ الزام لگانے والے دیانت دارانہ بصیرت سے محروم ہیں۔

اس رسالہ میں امام احمد رضا نے حدیث، فقہ اور عقائد کی کتابوں سے تقریباً پچاس احادیث اور اجتہاد علماء و ائمہ کی بانوسے عبارات پیش کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت کے لیے قریشیت کے شرط ہونے پر احادیث حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ نیز اس مسئلہ پر صحابہ تابعین اور اہل سنت کا اجماع ہے۔ لے اور اس مسئلہ میں صرف خوارج یا بعض معتزلہ مخالف ہیں۔ لے

س ۳-۲۱

تمہید دوام العیش

لے مصطفیٰ رضا قادری، مفتی اعظم ہند

س ۷۵

دوام العیش

لے احمد رضا بریلوی، امام

ص ۲۶

”

لے ایضاً

۱۰ رجب ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو جماعت رضائے مصطفیٰ کے مقاصد علمیہ کے صدر مولانا محمد علی

اعظمی نے تمام حجت تامہ کے عنوان سے ستر سوالات پر مشتمل ایک اشتہار چھاپ کر مولانا عبدالجبار بدایونی ناظم جمعیتہ العلماء کے پاس بھیج دیا تاکہ ان پر خوب اچھی طرح غور و خوض کر لیا جائے اور اجلاس میں ان کا جواب دے کر تصفیہ کی راہ ہموار کی جائے۔

تبادلہ خیال اور مناظرہ کے لیے جماعت رضائے مصطفیٰ کے چار علماء کے نام پیش کیے گئے:

- ۱۔ مولانا محمد امجد علی اعظمی صدر
- ۲۔ مولانا حسنین رضا خاں ناظم اعلیٰ
- ۳۔ مولانا ظفر الدین بہاری رکن
- ۴۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رکن

بعد میں علی گڑھ سے مولانا سید سلیمان اشرف بہاری بھی تشریف لے آئے اور ان کا نام بھی مناظرین کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔

ابوالکلام آزاد صدر جمعیتہ العلماء بریلی پہنچے اور جماعت رضائے مصطفیٰ کے ستر سوالات اور مناظرہ کے مقام اور وقت کے تعین کے مطالبہ پر مشتمل اشتہارات دیکھے اور مذکورہ بالا علماء کے ساتھ مناظرہ سے پہلو تہی کرتے ہوئے امام احمد رضا کو مخاطب کیا۔ یہ روایت کسی طور بھی مناسبت نہ تھا۔ اول تو امام احمد رضا اس وقت علیل تھے، دوسرا یہ کہ اشتہارات میں علمائے اہل سنت کو منکرین اور منافقین کے القاب دے کر ان پر اتمام حجت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اب جب کہ امام احمد رضا بریلوی کے خلفاء اور اہل سنت کے ذمہ دار علماء اس چیلنج کو قبول کر چکے تھے، تو گریز کا کیا معنی؟

علماء اہل سنت کا تقاضا برٹھا، تو مولوی عبدالودود ناظم استقبالیہ جمعیتہ العلماء ہند نے جواباً تحریر کیا:

افعال اور اقوال سے اختلاف ہے، لہ

علامہ عبدالماجد دریا آبادی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی دُھواں دار تقریر کا منظر

ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”مخالفین کی طرف سے میدانِ خطابت کا ایک پہلو ان، شہ زور اور پیل تن، اکھاڑے میں اتارا گیا، کشتی پوشستی مارے ہوئے، داؤں بیچ کی استاد میں نام پائے ہوئے، اور اس نے تقریر یہ مارا، وہ مارا کے انداز میں شروع کی، جلسہ پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری اور خلعت والوں کی زبان پر و طیفیے یا حفیظ کے جاری، لہ

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ارکانِ خلافت جس کروفر سے بریلی آئے تھے،

وہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

سید صاحب کی تقریر کے بعد ابوالکلام آزاد نے تقریر کی اور جماعت رضائے مصطفیٰ

کے پیش کردہ سوالات کا بالکل جواب نہ دیا، رُوتے سخن صرف سید صاحب کی طرف کھتا

اور کہا کہ مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے ناگپور کے خطبہ جمعہ میں گاندھی کو ستودہ صفات، نجستہ ذات

وغیرہ الفاظ کہے تھے۔ کس نے تشقے کی اجازت دی؟ کس نے ہانما گاندھی

کی جے پکار نہ نو کہا؟ بلکہ میں تو خود ہاتما کے معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا

لفظ ہے (صلوات) مہا کا معنی عظیم اور آتما کا معنی رُوح، تو ہاتما کا معنی رُوحِ عظیم ہوا، آحس میں

یہاں تک کہہ دیا:

”میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے بند و بھائی بائیس کروڑ ہیں اگر وہ بائیسوں

کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے بھروسہ پر رہیں،

لہ اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، روداد مناظرہ ص ۶-۵

لہ محمد طفیل، نقوش (لاہور) شمارہ مئی ۱۹۶۵ ص ۴۷

تو وہ بُت پرست ہیں اور گاندھی اُن کا بُت۔“ لہ

اُن کی تقریر کے بعد مولانا برہان الحق جبل پوری نے کہا کہ ناگیپور کانفرنس کے ایک ماہ بعد زمیندار لاہور کے پرچے دیکھ لیجئے، اس میں دوسرے لیڈروں کے اقوال کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف کی، اس پر ابوالکلام نے کہا:

”میں نے یہ پرچے نہیں دیکھے، اگر اس میں ایسا لکھا ہو تو کذب بحت و خالص جھوٹ ہے، لعنة اللہ علی قائلہ۔“

مولانا برہان الحق نے فرمایا: ”آپ یہ تکذیب ہی شائع کرادیجئے۔ نیز اخبار تاج کے حوالے سے کہا کہ آپ نے گنگا و جمنہ کی سرزمین کو مقدس کہا۔ ابوالکلام آزاد نے اس کا بھی انکار کیا اور کہا لعنة اللہ علی قائلہ“ (ایسا کہنے والے پر خدا کی لعنت ہو)

غرض یہ کہ جن بلند بانگ دعاوی کے ساتھ جمعیتہ العلماء ہند نے بریلی میں اجلاس رکھا تھا، ان پر اوس پڑ گئی۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے ستر سوالات کا پیہم تقاضوں کے باوجود جواب نہ دیا گیا۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی تقریر کے جواب میں جان چھڑانے کا اندازہ نمایاں تھا۔ پھر یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ ہر کافر سے موالات (دوستی) حرام ہے، غیر مسلم کو پیشوا بنانا حرام ہے، سابقہ رویتے میں کوئی تبدیلی نہ لاتے۔

حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، فرزند اکبر امام احمد رضا خاں بریلوی نے اسی اجلاس میں فرمایا:

”حرمین شریفین و مقامات مقدسہ و ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدر وسعت و طاقت فرض ہے، اس میں ہمیں

خلاف نہیں نہ تھا، اسی طرح سلطانِ اسلام جماعتِ اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے، نہ تھا۔ تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیر ہم سے ترکِ موالات ہم ہمیشہ سے ضروری و فرض جانتے ہیں۔

ہمیں خلاف آپ حضرات کی اُن خلافِ شرع و خلافِ اسلام حرکات سے بے، جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت کے ستر سوال بنام اتمامِ حجتِ تامر آپ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب دیجئے، جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنی رجوع نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآ نہ ہو لیں گے، ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد خدمت و حفاظتِ حریمِ شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جاتے کوشش کرنے کو تیار ہیں۔^۱ اس عنوان پر تفصیلی مطالعے کے لیے "ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست" مرتبہ مولانا محمد صلال الدین قادری ملاحظہ کیجئے؛

جماعت انصارِ اسلام

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ سلطنتِ ترکی کی امداد کے سلسلے میں امام احمد رضا نے کیا کیا؟ اس کی تفصیل کی تو ان وقت گنجائش نہیں، تاہم چند اشارات کیے جاتے ہیں؛
امام احمد رضا نے ۱۳۲۱ھ / ۱۹۱۳ء میں چار انتہائی سود مند تدبیریں تدبیرِ فلاح^۲ نجات و اصلاح کے نام سے شائع کیں، انہیں اپنایا جاتا تو پوری قوم کا دینی اور معاشی نقشہ ہی بدل جاتا۔

۱۔ سو ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے، اپنے معاملات باہم فیصلہ کر لیں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں نہ اڑائیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہا کے تو نگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع کے حلال فرمائے ہیں۔

۴۔ سب سے اعظم دین کی ترویج و تحصیل لے

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی نے ان تجاویز کے پیش نظر ایک تحقیقی مقالہ بعنوان

فاضل بریلوی کے معاشی نکات لکھا ہے جو مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔

مولانا شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری، امام احمد رضا کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے

سرماتے ہیں:

”آج (۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگِ بلقان (۱۲ - ۱۹۱۱ء)

کے موقع پر انہوں نے سلطنتِ اسلامی اور مظلومینِ مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسبت

صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں، قولاً و عملاً ان کی تائید کی

خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی۔ اور اب بھی لوگوں کو

صحیح مفید شرعی طریقے اعانتِ اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انہوں نے کیں خود

چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلویا مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و

اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظِ سلطنتِ اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں

یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟..... اپنی جماعت انصارِ الاسلام قائم کی۔“ لے

لے اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، دوامخ الحیمہ ص ۲۸

لے اولاد رسول محمد میاں قادری، مولانا، برکات مارہرہ و بہمان بدایوں (مطبع حسنی بریلی) ص ۱۲-۱۱

تخریب شدھی

امام احمد رضا بریلوی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اور دیگر علمائے اہل سنت کی مومنانہ بصیرت کی داد نہ دینا بے انصافی ہوگی۔ انہوں نے تحریک خلافت اور ترک موالات کے دوران بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مذکورہ تحریکوں میں ان کی شمولیت بھی ایک چال ہے۔

اس کا ہلکا سا اندازہ مولانا محمد علی جوہر کی ایک تقریر سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ۲۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کو پشاور کے ایک اجلاس میں کی:

ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دور کرتا رہا، ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لیے، حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لیے آپ کے دوروں کے مصارف بھی خلافت نے ادا کیے۔“ لہ

اس سے بڑھ کر قوم مسلم کی بد قسمتی کیا ہوگی کہ ترکوں کی امداد کے نام پر حاصل ہونے والے چندہ گاندھی کے دوروں کی بھینٹ چڑھتا رہا اور قوم یہ سوچ کر مطمئن رہی کہ ہم اپنے ترک بھائیوں کی امداد کر رہے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کیا، بلکہ ان کے دین ایمان پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہیں چوڑے۔

۱۹۲۵ء میں آریہ سماج کے بانی دیانند کی صد سالہ تقریب کے موقع پر ایک جلسہ میں ہندو لیڈر، ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے جمع ہوئے اور مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی ایک خفیہ سازش تیار کی گئی کہ اپنی مذہبی تبلیغ تیز کر کے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلاف شکوک و شبہات پھیل کر سیدھے سادے مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش
 ہوائے۔ نیز انہیں احساس دلایا جائے کہ تمہارے آباؤ اجداد ہندو تھے۔ یہ ملک ہندوؤں
 ہے اور اسلام تو دیارِ غیر سے آیا ہوا مذہب ہے، تمہیں دوبارہ ہندو مذہب اختیار کر لینا
 ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں افراد دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

امام احمد رضا بریلوی وصال فرما چکے تھے۔ آپ کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء
 پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ کیا، اسی طرح سنگٹھن تحریک کا دفاع کیا،
 اس کی بنیاد پر مسلمانوں کو زد و کوب کیا جا رہا تھا۔ یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

- ۱- حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں
- ۲- مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں
- ۲- امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ
- ۴- مولانا غلام قطب الدین اشرفی برہمچاری
- ۵- صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی
- ۶- مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی
- ۷- حضرت علامہ ابوالحسنات قادری
- ۸- مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
- ۹- مولانا نثار احمد کانپوری
- ۱۰- مولانا محمد شتاق کانپوری
- ۱۱- مولانا غلام قادر اشرفی

اس سلسلے میں علماء اہل سنت نے آگرہ، متھرا، بھرتپور، گوڑگانواں، گوبند گڑھ،
 ضافاتِ اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ وغیرہ مقامات کے مسلسل دورے کئے۔ صدر الافاضل

لے غلام معین الدین نعیمی، سید، حیات صدر الافاضل ص ۱۸۰

لے محمد مسعود احمد، پروفیسر، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم رضی اللہ عنہما، س ۱۲۸

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور امیر ملت سید پرچما عت علی شاہ علی پوری نے آگرہ میں مرکز قائم کر کے عرصہ تک وہاں قیام کیا۔
 مجموعی طور پر ساڑھے چار لاکھ مرتد مسلمان ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔

شدھی تحریک کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی (شروہانند نے بدنام زمانہ کتاب ستیارتھ پرکاش میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دین اسلام پر اعتراضات کیے اور نہایت سوقیانہ زبان استعمال کی۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس کا مسکت جواب دیا جو اسحق حق کے نام سے چھپ چکا ہے۔

شدھی تحریک کے دور میں جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے، تو مسلمان لیڈر عامتہ المسلمین کو امن پسند رہنے کی تلقین کر رہے تھے، جبکہ ہندو لیڈروں کا رویہ اس کے برعکس تھا:

”گانڈھی جی نے کہا تو یہ کہ ”ہندو بزدل ہیں اور مسلمان دنگھی“ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے شروہانند کے خلاف ایک حرف نہ کہا، مالوی جی کی امن سوزی اور اشتعال انگیزی پر چپ سادھ لی
 امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں نے پنڈت مدن مالوی کی تفرقہ انگیزی اور فتنہ پروری کے خلاف کچھ کہہ دیا، تو گانڈھی جی جو صدر جلسہ تھے بگڑ گئے اور انہوں نے کہا، آپ نے مالوی جی پر نکتہ چینی کر کے میرے سینے پر گھونسا مار دیا۔“

۱۸۰ ص	حیات صدر الافاضل	۱۱ غلام معین الدین نعیمی، سید
۱۲۸ ص	تحریک آزادی ہند	۱۲ محمد مسعود احمد، پروفیسر
۱۲۶ ص	”	۱۳ ایضاً
۱۵۹ ص	حیات محمد علی جناح (بھٹی)	۱۴ رئیس احمد جعفری

ان حقائق کے پیش نظر بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ علماءِ اہل سنت نے اس دورِ
بلاخیز میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ غ

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

کا مصداق تھا اور آنے والے حالات نے اس کی حرفِ بحرف تصدیق کر دی تھی۔

فرانسس وینسن کی بے خبری

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علمائے اہل سنت نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف جو جہاد
کیا تھا، وہ ہندو اور ہندو نواز علماء کی برہمی کا سبب تھا، پریس پر ہندو کا غلبہ تھا، اس لیے علمائے
اہل سنت کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم چلائی گئی۔

میاں عبدالرشید کالم نگار "نورِ بصیرت" نواسے وقت لکھتے ہیں :

"گاندھی کی آندھی نے جو خاک اُڑائی تھی، اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں
اُکھڑ گئے اور بینائی زائل ہو گئی، مگر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے علاوہ
تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہلہلہ بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی،
حضرت احمد رضا خاں تھے۔ آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ
ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہیے۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے
دشمن ہیں۔ کانگریسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی تھی۔ وہ صرف
انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان دنوں چونکہ تقریباً سارے پریس پر ہندوؤں کا
قبضہ تھا، اس لیے حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں
کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔

لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل

پراپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے ۱۷
 اسی مہم کی صدائے بازگشت، پروفیسر فرانسس روبنسن، پروفیسر یونیورسٹی لندن کی کتاب میں
 دیکھی جاسکتی ہے۔
 روبنسن لکھتا ہے:

احمد رضا خاں (۱۸۵۵ء — ۱۹۲۱ء)

”ان کا طریق کار انگریزی حکومت کی حمایت تھا، انہوں نے پہلی عالمی جنگ
 میں حکومت کی تائید کی، حکومت کی تائید و حمایت کا یہ سلسلہ تحریک خلافت
 ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔ انہوں نے بریلی میں ایک کانفرنس بلائی، جس میں ترک
 موالات کے مخالف اور ان علماء کو جمع کیا، جن کا عامۃ المسلمین طلباء اور اساتذہ
 پر بڑا اثر تھا۔“ ۱۸

علم اور تحقیق کا معیار اگر یہ ہے کہ انگریز مصنف نے اپنی انگریزی کتاب میں لکھ دیا
 ہو تو بلاشبہ مذکورہ بالا بیان تحقیق کا شاندار مرقع ہے اور اگر تحقیق کی بنیاد حقائق پر ہے تو کہنے دیجئے
 کہ یہ بیان قطعی غیر تحقیقی ہے۔

اس جگہ چند امور توجہ طلب ہیں:

- ۱۔ امام احمد رضا بریلوی کا سن پیدائش ۱۸۵۶ء ہے، جبکہ روبنسن نے ۱۸۵۵ء لکھا۔
- ۲۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ ان کا طریق کار حکومت کی حمایت تھا، وہ ہندو اور انگریز دونوں
 سے انتہائی نفرت رکھتے تھے۔

پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر (ادارہ تحقیق پاکستان، لاہور) ص ۱۲۰

السبب بریلویہ، ص ۴۴

سپرٹرم منگ انڈین مسلمز (کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۴ء) ص ۴۲۲

اقبال کے مدد و ح علماء (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۱۸

۱۷ عبدالرشید، میاں

(۱) ۱۷ ظہیر

(ب) فرانسس روبنسن

(۳) افضل حق قریشی، قاضی

مشہور مورخ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں،
 ”انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ ”موالات“ بھی ایسے ہی حرام ہے،
 جیسے انگریزوں کے ساتھ“

نور امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں،
 ”اے ایمان والو! وہ جو تمہارے دین کو سنسی کھیل ٹھہراتے ہیں، جن کو تم سے
 پہلے کتاب دی گئی (یہود و نصاریٰ) اور باقی سب کافران میں کسی سے اتنا
 و داد (محبت، قادری) نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔
 (ترجمہ آیت) اب تو کسی مفتری کے اس بکنے کی گنجائش نہ رہی کہ یہ حکم صرف یہود
 نصاریٰ کے لیے ہے۔“

۳۔ یہ بھی غلط ہے کہ انہوں نے پہلی عالمی جنگ میں انگریزی حکومت کی تائید کی۔ جس دور
 میں ان پر انگریز کی حمایت کا بہتان باندھا جا رہا تھا اس وقت بھی ان کے مخالفین تسلیم کرتے
 تھے کہ وہ گورنمنٹ کو فوجی امداد دینے کے قائل نہ تھے۔

تحریک ترک موالات کے رہنما اور امام احمد رضا بریلوی کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین
 اجمیری لکھتے ہیں،

”ترک موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے، جس کو دونوں بزرگوں (مولوی
 اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ
 گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔“

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۸ء — ۱۹۱۴ء) میں یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ گورنمنٹ

- | | |
|-------------------------------|--|
| ۱۔ محمد ریاست علی قادری، سید، | معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۸ |
| ۲۔ احمد رضا بریلوی، امام، | فتاویٰ رضویہ (مبارک پور، انڈیا) ج ۶، ص ۱۳ |
| ۳۔ رئیس احمد جعفری | اوراقِ گم گشتہ (مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء) ص ۵۷۶ |

کے حامی تھے۔ اگر کسی شخص کو اس پر اصرار ہے، تو وہ اس کا ثبوت فراہم کرے۔

۴۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیتہ العلماء ہند نے بریلی میں کانفرنس بلانی تھی نہ کہ امام احمد رضا بریلوی نے، علماء اہل سنت نے اتمام حجت کے طور جمعیت کے رہنماؤں کا پیلیج قبول کیا تھا اور ان پر واضح کیا تھا کہ ہمارا اختلاف ہندو مسلم اتحاد اور اس کی بنا پر کئے جانے والے غیر شرعی افعال و اقوال سے ہے نہ کہ انگریز دشمنی سے۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنی تقریر میں فرمایا:

”موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور قطعی حرام؛

یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیہود والنصارى الایۃ

نصرانی اور یہودی خواہ فریقِ محارب ہوں یا غیر محارب، موالات ان سے حرام اور مطلقاً حرام۔

ہر کافر سے موالات حرام، خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لا یتخذ

المؤمنون الکافرین اولیاء، آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات

حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ہندوؤں) سے موالات نہ صرف جائز، بلکہ

عین حکمِ الہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔ لہ

۵۔ روپنسن نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالباری فرننگی محلی نے مسجد کانپور کے بارے میں حکومت

سے جو معاہدہ کیا تھا، اس کی مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مخالفت کی تھی۔ یہ بات خود

روپنسن کے بیان کے مخالف ہے، کیونکہ جس شخص کا طریق کار ہی حکومت کی حمایت ہو، وہ

حکومت کی پالیسی کی مخالفت کیوں کرے گا؟

ہوا یہ کہ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار، کانپور کی مسجد کا ایک حصہ ٹرک کی تعمیر میں شامل کر لیا گیا،

اس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، گولی چلی اور متعدد مسلمان شہید ہو گئے۔ ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء

لہ اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ؛ رواد مناظرہ (نادری پریس، بریلی)، ص ۷

۲۲۱
 مسلمانوں کا ایک وفد لیٹینٹ گورنر سے ملا، جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی شامل تھے۔
 ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو ان حضرات نے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی۔ اس معاہدے
 کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے ایک سالہ اباتہ المتوری
 تحریر فرمایا، جس میں اس معاہدہ پر سخت تنقید کی، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں وقف قابل انتقال نہیں
 اور اس سلسلے میں لیٹینٹ گورنر اور وائسرائے ہند کی کوئی پروا نہ کی۔ لہ
 ۶۔ روہنسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا عامۃ المسلمین میں بڑا اثر و رسوخ تھا، لیکن تعلیم یافتہ
 مسلمان انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔

اہل علم کے نزدیک امام احمد رضا بریلوی کا مقام دیکھنا ہو تو پروفیسر محمد مسعود احمد بریل
 ٹورنٹو سائنس کالج، ٹھٹھہ، سندھ کی تصانیف فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں اور
 امام احمد رضا اور عالم اسلام کا مطالعہ کیجئے۔ امام احمد رضا جن کو عرب و عجم کے علماء نے خراج
 تحسین و عقیدت پیش کیا اور علامہ اقبال، ڈاکٹر ضیاء الدین و انس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
 اور مولانا وصی احمد محدث سورتی، جن کے مداح اور علم و فضل کے شیدا تھے، صدر الافاضل مولانا
 سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مصنف بہار شریعت، ملک العلماء
 مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ) مولانا سید سلیمان اشرف بہاری
 صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، مبلغ اسلام شاہ عبد العظیم صدیقی اور مفتی اعظم پاکستان
 ابوالبرکات سید احمد قادری ایسے آسمان علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب جن کے تلامذہ اور خلفاء
 ہوں، ان کے بارے میں روہنسن کا تجزیہ کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔

۷۔ روہنسن نے نہ تو تاریخی شواہد کا مطالعہ کیا اور نہ ہی امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف
 ان کے پیش نظر ہیں۔ ان کی معلومات کا انحصار ۲۹ مئی ۱۹۶۸ء کے اس انٹرویو پر ہے جو انہوں
 نے مفتی رضا انصاری فرنگی محلی فرزند اکبر مولانا سلامت اللہ سے کیا۔ لہ

۱۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر؛
 ۲۔ نرائسن، روہنسن؛
 گناہ بے گناہی (مرکزی مجلس علماء لاہور) ص ۱۳۲، ۱۳۱
 سپریم منگ انڈین مسلمز ص ۲۲۲

ہندو مسلم اتحاد کے خلاف امام احمد رضا نے جو جہاد کیا تھا، اس کی بناء پر فرنی محل کے علماء بھی ناراض تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس ناراضی کے اثرات اب تک باقی ہیں، جن کی بناء پر اس انٹرویو میں امام احمد رضا بریلوی پر گورنمنٹ کی حمایت کا الزام لگایا گیا ہے۔ اب جب کہ اس بے بنیاد الزام کی حقیقت عالم آشکار ہو چکی ہے۔ ایسے میں مفتی رضا انصاری کے انٹرویو اور روبنس کے بیان میں کوئی وزن نہیں رہ جاتا۔

۸۔ روبنس کا یہ حوالہ قاضی افضل حق قرشی نے اپنی تالیف اقبال کے مدوح علماء میں نقل کیا تھا، جس میں انہوں نے اقبال کی اسلمیں علماء اہل سنت پر تبرا کر کے اپنے ذوق سب و شتم کی تسکین کی تھی۔ انہوں نے روبنس کی کتاب کے ص ۴۲۲ کا حوالہ دیا تھا۔ البریلوی کے مؤلف نے اصل کتاب کی طرف رجوع کئے بغیر اس عبارت کا ترجمہ کر دیا اور حوالہ ص ۴۲۲ کا دے دیا، حالانکہ یہ عبارت ص ۴۲۲ پر ہے۔ گزشتہ سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایسی عبارات تحقیق کی دنیا میں کچھ وزن نہیں رکھتیں، جن کا دلیل و برہان سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو۔

امام احمد رضا — اور انگریز

انگریزی حکومت سے بے تعلق امام احمد رضا بریلوی کو ورثے میں ملی تھی، اپنے والد ماجد مولانا فتی علی خاں بریلوی کے اوصافِ جمیلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں،

”موالاتِ فقراء اور امر دینی میں عدم مبالات باغنیاء، حکام سے عزت، رزقِ موروث پر قناعت وغیر ذالک۔“ لہ

حکام وقت سے بے تعلق امام احمد رضا کے صاحبزادوں، شاگردوں اور خلفاء کا بھی طرہ امتیاز ہی ہے۔

تجارت کے بہانے آکر ہندوستان پر حاکم بن بیٹھنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور سونے ہوئی مسلم قوم کو جگاتے ہوئے فرماتے ہیں،

سونا جنگل رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہو، چوروں کی رکھوالی ہے

انگریزی دور میں مسلمانوں کے دین و ایمان کے غارت کرنے والے فتنوں کی کثرت تھی، عیسائی اور آریہ کھلم کھلا دینِ اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے اور غفلت کے مارے مسلمان ان کے ٹیکے پر سنتے تھے۔ امام احمد رضا بریلوی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء

ایک فتویٰ باریق النور فی مقادیر ماء الطہور میں ایسے مسلمانوں کی سرزنش کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

تعارف مصنف جو اسر البیان (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ص ۶

لہ احمد رضا بریلوی، امام،

حدائقِ بخشش (مدینہ پبلشنگ، کراچی) ج ۱، ص ۸۳

لہ ایضاً،

”آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آرہیتے اشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رد میں فلاں وقت لکچر دیا جائے گا۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ پادری نے اعلان کیا کہ نصرت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔۔۔۔۔

بھائیو! تم اپنے نفع و نقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمہارا رب عزوجل تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمہارے پاس دوسرے آئے، تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ تو جھوٹا ہے۔۔۔۔۔ نہ یہ کہ تم آپ دوڑ دوڑ کر ان کے پاس جاؤ اور اپنے رب، اپنے قرآن، اپنے نبی کی شان میں کلمات ملعونہ سُنئے۔ لے

پھر مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر ایمان سچا ہے، تو اب یہ فرمائیے کہ ان کے لکچروں، مذاقوں میں آپ کے رب و قرآن و نبی و ایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت؟ ظاہر ہے کہ دوسری صورت ہی ہوگی اور اسی لئے تم کو بلاتے ہیں کہ تمہارے منہ پر تمہارے خدا و نبی و قرآن و دین کی توہین و تکذیب کریں۔

اب ذرا غور کر لیجئے! ایک فخر پر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت، فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی، للہ! انصاف، کیا کوئی غیرت والا، حمیت والا، انسانیت والا جبکہ اسے اس بیان سے روک دینے، باز رکھنے پر قادر ہو، اسے سننے جاتے گا۔؟ حاشا للہ! یہ کسی بھنگی، چمار سے بھی نہ ہو سکے گا، پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر

دیکھو کہ اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی توہین، تکذیب، مذمت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی؟ ایمان رکھتے ہو اسے اس سے کچھ نسبت نہ جانو گے۔ پھر کون سے کلیجے سے ان جگر شکاف، ناپاک، ملعون بہتانوں، افتراؤں، شیطانی اٹکلوں، ڈھکوسلوں کو سننے جاتے ہو۔

بلکہ حقیقۃً انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی تحقیر کرتے ہیں۔ اس سب کے باعث یہ سننے والے ہیں۔ اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں، اپنے رب وقرآن ورسول کی عزت و عظمت پیش نظر رکھیں اور ایسا کر لیں کہ وہ خبیث لکچر گندی ندائیں سننے کوئی نہ جاسے گا، جو وہاں موجود ہو، وہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر کہہ کر تو جھوٹا بے چلا جائے گا، تو کیا وہ دیواروں، پتھروں سے اپنا سر پھوپھو گے؟ تو تم سن سن کر کہلو اتے ہو، نہ تم سنو نہ وہ کہیں، پھر انصاف کیجئے کہ اس کہنے کا وبال کس پر ہوا؟ لے

کیا جس شخص کے دل میں انگریزوں کے لیے ذرا بھی نرم گوشہ ہو، وہ ایسا شدید انداز گفتگو اختیار کر سکتا ہے؟ برگر نہیں۔ ایسا انداز تلقین وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس کا دل و دماغ نورِ ایمان سے منور ہو اور مسلمانوں کی تباہی جس کے لیے ناقابل برداشت المیہ ہو۔ وہ نہ تو اتحاد و اتحاد کی رٹ لگانے والوں کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ ہی گورنمنٹ کی ناراضی کی پروا کرتا ہے۔

زبان کی حد تک انگریزی سیکھنے میں حرج نہیں، بلکہ بہت سے فوائد ہیں، لیکن جب نصابِ تعلیم غیر اسلامی مقاصد کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو، تو اس کے نقصان وہ ہونے میں شک نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی اس عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لے احمد رضا بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ، ج ۱، ص ۲۱۷

”انگریزی اور وہ بے سود تضييع اوقات تعليم میں جن سے کچھ کام دین تو دین
 دنیا میں بھی نہیں پڑتا، جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این و آن و مہملات
 میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو،
 وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے جیسا کہ عام طور پر مشہود و معہود
 ہے، جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم و تکمیل عقائدِ حقہ و علومِ صادقہ کی طرف
 باگیں نہ موڑی جائیں، دہریت، نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے، کیا لیڈر اس میں
 ساعی ہیں؟ سرگز نہیں۔“ ۱

حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،
 ”ایک دن بعد نماز عصر تفریح کے لیے بگھی پر، گن کیرج فیکٹری کی طرف
 نکلے، فوجی گوروں کی پارٹی فیکٹری سے اپنے اپنے گوارٹروں کی طرف جا رہی
 تھی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

کم بخت بالکل بند رہیں“ ۲

۱۳۱۸ھ / ۱ - ۱۹۰۰ء میں پٹنہ، عظیم آباد کے اجلاس میں امام احمد رضا بریلوی نے تقریر

فرماتے ہوئے روتے سخن ندوۃ العلماء کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا:

”سب کلمہ گو حق پر ہیں، خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا
 ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے۔ اس کے معاملے
 کو دیکھ کر خدا کی رضا و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔ . . . یہ کلمات اور ان
 کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو روداد ہے، جو مقال ہے، ایسی باتوں سے
 مالا مال ہے، سب صریح و شدید نکال و عظیم وبال و موجب غضب فی الجلال ہیں“ ۳

ج ۲، ص ۹۳

رسائل رضویہ

۱۔ احمد رضا بریلوی، امام،

اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۹۱

۲۔ محمد برہان الحق، مفتی،

ج ۱، ص ۱۲۷

حیاتِ اعلیٰ حضرت

۳۔ ظفر الدین بہاری، مولانا،

امام احمد رضا انگریزی کچہریوں میں جانے کے قابل نہ تھے، بلکہ کچہری کو عدالت اور انگریزی جج کو عادل کہنے سے شدید ممانعت فرماتے تھے، ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۶ء میں لکھنؤ سے ایک استفتاء آیا کہ نصاریٰ کی کچہریوں کو عدالت اور آج کل کے حکام کو عادل کہنا بہت سخت ہے اور فقہاء نے حکم کفر تک فرمایا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ حکم کفر مسئلہ مفتی بہا ہے؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”عدالت بہ طور علم راجح ہے۔ معنی وضعی مقصود نہیں ہوتے۔ لہذا تکفیر ناممکن، البتہ عادل کہنا ضرور کلمہ کفر ہے، مگر محض بروجہ خوشامد ہوتا ہے، لہذا تجدید اسلام نکاح کافی ہاں خلاف ما انزل کو اعتقاداً عدل جانے تو قطعاً وہی کفر ہے کہ من شک فی کفرہ فقد کفر“

یہی وجہ تھی کہ جب ایک مسئلہ میں اختلاف نے شدت اختیار کی تو اہل بدایوں نے پ کے خلاف اپنے شہر میں استغاثہ دائر کر دیا۔ کچہری سے سمن جاری ہوئے مگر امام احمد رضا کسی صورت بھی کچہری نہ گئے۔

”صرف یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو بھی یہی تلقین فرماتے تھے کہ باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے فیصل کرتے۔ یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔“

امام احمد رضا نے مسلمانوں کی کامیابی کے لیے جو تجاویز پیش کی تھیں، ان میں ایک

یہی تھی:

۱۱۶ ص ۶ ج	فتاویٰ رضویہ	۱۱۸ ص ۶ ج	۱۱۹ ص ۶ ج	۱۱۸ ص ۶ ج	۱۱۹ ص ۶ ج
	جہانِ رضا				
	حیات صدر الافاضل				

”اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر میں رہتا، اپنی
حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے،
یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھرتا نبا کچھ صنّاعی کی گڑھت کر کے
گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی
آپ سے لے جائیں۔“ لہ

انگریز نوازی کا الزام دینے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں
”یہ کس کی خوشی کو تھا مولوی عبدالباری صاحب خدام کعبہ کی بانگی کے لیے
مسجد کا پور کو عام سڑک اور ہمیشہ کے لئے جنب و حائض و کافر و مشرک کی
پامال کرا آئے اور بحمال جبرأت اسے مستکہ شرعیہ ٹھہرایا، اس کے رد میں
ابانۃ المتواری لکھا گیا، جس میں ان سے کہا گیا ہے

دائم نہ رسی بکعبہ اسے پشت براہ!
کیں راہ کہ تومی روی بانگلستانست

مختصر یہ کہ امام احمد رضا بریلوی، انگریز کے مذہب، اس کی تعلیم، اس کی تعظیم
کچھری، وضع قطع اور اس کی محبت سے شدید نفرت رکھتے تھے، حدیہ کہ کارڈ اور لفافہ
الٹا کر کے پتا لکھتے تاکہ ملکہ و کمٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کا سر نیچے ہو جائے۔
خطوط پر زیادہ پیسوں کے ٹکٹ لگانے سے منع فرماتے کہ بلا وجہ نصاریٰ کو روپیہ پہنچانا کیس
جن کے ساتھ دوستی ہو، یوں ان کی ایک ایک ادا سے نفرت نہیں کی جاتی۔

لہ غلام معین الدین نعیمی، مولانا

حیات صدر الافاضل

ص ۱۵۹

لہ احمد رضا بریلوی، امام،

رسائل رضویہ

ج ۲ ص ۱۲۳

لہ مرید احمد حسینی، مولانا،

جہانِ رضا

ص ۱۱۸

لہ ظفر الدین بباری مولانا

حیاتِ اعلیٰ حضرت

ص ۱۲۱

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی۔“

مجوس ہوں، خواہ یہود و نصاریٰ، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدانِ عنود۔“ لہ

سید الطاف علی بریلوی ایسے ہی ثوابد کی بنا پر لکھتے ہیں:

”سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ

حریت پسند تھے، انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ شمس العلماء

قسم کے خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا

خاں صاحب و مصطفیٰ رضا خاں کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔“ لہ

جعفر شاہ پھلواری جو تحریک ترک موالات کے دور میں امام احمد رضا بریلوی کے

خالقین میں سے تھے، لکھتے ہیں:

”ترک موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ! وہ سرکارِ

برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔“

طرفہ یہ کہ ایک طرف انگریز دوستی کا الزام دیا جاتا ہے اور دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ

”خود بریلوی نے کہا کہ جس نے انگریزی ٹوپی (ہیٹ) پہنی، وہ بلاشبہ کافر

ہے۔“ (ترجمہ) لہ

کیا دوستوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ان کے قومی شعار استعمال کرنے

لے کو کفر کی وادی میں دھکیل دیا جائے؟

تحریک ترک موالات کے راہنما اور امام احمد رضا کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین

لہ احمد رضا بریلوی: امام: فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۱۹۲

لہ مرید احمد چشتی، جہانِ رضا، ص ۱۱۸

لہ ایضاً، ص ۱۲۵

لہ نظیر: السبریلویہ، ص ۲۰۸

اجمیری لکھتے ہیں:

”ترکِ موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوں (مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔“ لہ

بہت دور کی سوجھی

امام احمد رضا بریلوی کے پردادا حافظ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ ان کے بارے میں مولانا طفر الدین بہاری لکھتے ہیں:

”وہ اس جدوجہد میں تھے کہ سلطنتِ مغلیہ اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے، ان کا تصفیہ ہو جائے، چنانچہ اسی تصفیہ کے لیے حضرت حافظ صاحب کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔“ لہ

صاف ظاہر ہے کہ وہ سلطنتِ مغلیہ کے نمائندہ اور سفیر ہونے کی حیثیت سے انگریزوں سے گفتگو کرنے کلکتہ گئے تھے، اس میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی، اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر کامیابی ہوئی بھی ہوگی، تو یہ مسلمانوں کی سلطنت کی سیاسی خدمت ہوگی نہ کہ انگریز کی، لیکن تاریخ سازی کی ناکام کوشش کرنے والوں کو یہ بھی انگریز کی پولیٹیکل خدمت دکھائی دیتی ہے۔

”مولوی احمد رضا خاں کے پردادا حافظ کاظم علی خاں بریلوی نے

انگریزی حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں۔“ لہ

کیا امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ممالک میں متعین پاکستانی سفیروں کے بارے میں بھی یہی

لہ رئیس احمد جعفری، اوراقِ گم گشتہ (مطبوعہ لاہور) ص ۵۷۶

لہ طفر الدین بہاری، مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۳

لہ افضل حق قرشی، قاضی، اقبال کے ممدوح علماء (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۴-۵۱۳

تاثر دیا جائے گا کہ وہ غیر ملکی سیاسی خدمات انجام دے رہے ہیں؟
 ہاں البتہ انگریزی حکومت کی سیاسی خدمات کی ملکی سی جھلک دیکھنا چاہیں، تو ایک
 اقتباس کا مطالعہ سود مند رہے گا۔

۱۲۳۱ء تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے مگر ایک
 ناموری کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرادی
 لارڈ ہیسٹنگ، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔
 دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ
 ہوا، امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب، سید احمد صاحب نے امیر خاں
 کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا اسی طرح متفرق پرگنے ریاستوں
 سے بڑی قیل و قال کے بعد انگریزوں سے دلو اکڑ پھیرے ہوئے شیر کو اس حکمت
 سے پنجرے میں بند کر دیا۔“ لہ

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ بتا رہے کہ سید صاحب نے انگریز حکومت کی کیسی کیسی
 نذر خدمات انجام دیں اور کس طرح ایک پھیرے ہوئے شیر کو پنجرے میں بند کر کے
 انگریز حکومت کے خطرات کا صفا یا کر دیا۔ امام احمد رضا پر اس قسم کی موبوم بنیادوں پر الزامات
 دیوار تعمیر کرنے والے ایک طرح یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس دلائل و شواہد نام کی کوئی
 چیز نہیں ہے، ورنہ وہ یوں ریت کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ لہ

لہ حیرت دہلوی، مرزا، حیات طیبتہ (مکتبۃ المسلمین، لاہور) ص ۲-۵۱۳

لہ تفصیل کے لیے دیکھئے: ”گناہ بے گناہی“ مطبوعہ لاہور اور کراچی، تصنیف پروفیسر محمد مسعود احمد
 پبل کورنٹ سائنس کالج، ٹھٹھہ، سندھ ۱۲ قادری

اب اگر اس جگہ صحیح عبارت نقل کر دی جاتی، تو گزشتہ صفحات کے الزامات غلط ہو جاتے، کیونکہ جس شخصیت نے اپنی وصیت میں ان فرقوں سے اجتناب کی تلقین کی ہو، اس کا ان فرقوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ پھر خاصۃً الدیوبندیین کس عبارت کا ترجمہ ہے؟ یہ خاص ایجاذبندہ ہے، امام احمد رضا نے یہ تخصیص ہرگز نہیں کی۔

امام احمد رضا نے وصال سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے چند وصیتیں قلم بند کرائیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

● ”شروع نزع کے وقت کارڈ، لفافے، روپیہ پیسے کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے۔“

ذی روح کی تصویر سے کس قدر نفرت اور اجتناب ہے؟ اور وہ بھی کس کی تصویریں؟ انگریز حکمرانوں کی۔

● ”خبردار کوئی شعر میری مدح کا نہ پڑھا جائے۔۔۔۔۔۔ یوں ہی قبر پر“
علماء ربانی کی یہی شان ہے۔

● ”فاتحہ کے کھانا سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقراء کو دیں۔
اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر۔
غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں، ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔۔۔۔۔۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ مہینس کے دودھ کا ہو۔۔۔۔۔۔ مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ۔۔۔۔۔۔ خواہ بگری کا شامی کباب۔۔۔۔۔۔ پراسٹھے اور بالائی۔۔۔۔۔۔ فیرینی۔۔۔۔۔۔ اُرد کی چھری۔۔۔۔۔۔ دال مع ادک و لوازم۔۔۔۔۔۔ گوشت بھری کچوریاں۔۔۔۔۔۔ سیب کا پانی۔۔۔۔۔۔ انار کا پانی۔۔۔۔۔۔ سوڈے کی بوتل۔۔۔۔۔۔ دُودھ کا برف۔۔۔۔۔۔ اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کرو

یا جیسے مناسب جانو۔۔۔۔۔ مگر بطیب خاطر۔۔۔۔۔ میرے لکھنے پر
مجبورانہ نہ ہو۔“ لے

سُبحان اللہ؛ دُنیا سے رخصت ہوتے ہوتے بھی غرباء اور فقراء کا اس قدر خیال ہے کہ
ان کے لیے ایسی ایسی چیزوں کا انتظام فرما گئے، جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ آسکتی تھیں۔
علماء اہل سنت پر شکم پروری کا الزام لگانے والے غور کریں کہ یہ اپنے پیٹ کی فکر ہے یا ناداروں
کے پیٹ کی!

امام احمد رضا بریلوی کی حیاتِ طاہرہ میں غریب پروری کا عالم یہ تھا،
”کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی
امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکل علی اللہ مہینے مقرر
تھے اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی، بلکہ بیرونجات میں بذریعہ منی آرڈرز قوم
امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔“ لے

جب کہ اُن کی اپنی خوراک کی مقدار یہ تھی،

”زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا دو ٹیڑھ بسکٹ
سوچی کا اور وہ بھی روزانہ نہیں، بلکہ بسا اوقات ناعہ بھی ہوتا تھا۔“ لے
وسیت میں ایک شوق یہ بھی تھی۔

”رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع
شریعت نہ چھوڑو، اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر
مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔“ لے

۲۲-۲۴ ص	دسایا شریف	لے حسنین رضا خاں، مولانا؛
ج ۲، ص ۵۲	حیاتِ اعلیٰ حضرت	لے نضر الدین بہاری، مولانا؛
ص ۲۷	” ”	لے ایضاً؛
ص ۲۵	دسایا شریف	لے حسنین رضا خاں، مولانا؛

ظاہر ہے کہ دین نام ہے اسلامی عقائد کا جن پر قائم رہنا ہر حال میں ضروری ہے۔
 اَلَا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (الایۃ) ”جبر و اکراہ کی صورت
 میں بھی تصدیق قلبی کا برقرار رہنا ضروری ہے اور شریعت عملی احکام کو کہتے ہیں جن پر بقدر طاقت
 عمل کیا جائے گا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (الایۃ، ۲۸۶- البقرۃ ۲)
 بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہوں نے نیا دین ایجاد کیا تھا جس پر
 کار بند رہنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں حالانکہ ان کی تصانیف موجود ہیں، کوئی بھی شخص مطالعہ کر کے
 معلوم کر سکتا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے اور نئے نئے اٹھنے والے فرقوں
 کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا ہے۔

وصال سے چند روز پہلے جو ارشادات بہ طور وصیت فرمائے، ان میں فرمایا:
 ”اللہ و رسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی
 تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت۔۔۔۔۔ جس سے اللہ و رسول
 کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤں، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، نوراً اس سے
 جدا ہو جاؤ۔۔۔۔۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ
 تمہارا کیسا ہی بزرگ معظّم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح
 نکال کر پھینک دو۔۔۔۔۔ میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا
 اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں۔“

سید الطاف علی بریلوی نماز جنازہ کی چشم دید رواد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں،
 ”حضرت کی میت ان کی جائے قیام، محلہ سوداگراں سے شہر کے باہر تین چار میل
 کے فاصلہ پر دریائے رام گنگا کے کنارے واقع عید گاہ، جہاں وہ عیدین کی
 نماز پڑھایا کرتے تھے، لے جانی گئی، اس وقت سخت گرمی اور دھوپ تھی، لیکن

اس کے باوجود جلوس اور نماز میں کم از کم دس ہزار عقیدت مندوں کا ہجوم تھا
 اس روز پورے شہر میں ہر شخص کو بے پناہ صدمہ تھا اور گھر گھر صفتا تم

بچھی ہوئی تھی۔“ لہ

اس دور میں جبکہ ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل و حمل محدود تھے۔ اس قدر اجتماع معمولی

نہیں ہے۔

مباحث آرائی

البرلویتہ (ص ۵۱ — ۴۶) میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام احمد رضا کے
 عقیدت مندوں نے ان کے بارے میں بے جا مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے
 کہ چند اقتباسات من لفظین کی تصانیف سے پیش کر دیئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مبالغہ آمیزی
 سے کس نے کام لیا ہے اور کس قدر؟

سید احمد بریلوی (رائے بریلی کی طرف منسوب) کے ہاتھ پر ایک شرابی بیعت کرتا ہے،
 سید صاحب نے کہا کہ ہمارے سامنے نہ پینا، وہ گھر جا کر پینے لگتا ہے، تو سید صاحب سامنے
 کو مٹھی میں جا کر پینے لگا، تو پھر سامنے!

”آخر لاچار ہو کر پاخانہ میں شراب طلب کی، تو وہاں بھی حضرت کو سامنے

کھڑا دیکھا“ لہ

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو تو
 بریلویوں کے ان خصوصی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے، جو عقل و نقل کے خلاف ہیں لیکن اپنے پیروں
 کی عظمت چمکانے کے لیے یہ قوت ثابت کی جا رہی ہے کہ وہ جہاں چاہیں حاضر و ناظر

ص ۱۱۳

جہان رضا

۱۔ محمد مرید احمد حشمتی

حیات سید احمد شہید (نفیس اکیڈمی، کراچی) ص ۱۳۹

۲۔ محمد جعفر تنہا نیسہ

ص ۱۰۶

البرلویتہ

۳۔ ظہیر

ہو جاتیں، آخر عقل و نقل کے مخالف یہ شعبہ بازی کیوں تسلیم کر لی گئی ہے؟
 ایک طرف تو انبیاء و اولیاء کے لیے علم غیب کے اثبات کو کتاب و سنت اور فقہ حنفی
 کے مخالف قرار دیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف سید صاحب کی شان میں دل کھول کر مبالغہ
 کیا جاتا ہے؛

”سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عطا کی ہے کہ میں
 دیکھ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی“

یہ مبالغہ نہیں، تو اسے حقیقت کے کس خانے میں فٹ کیا جائے گا؟

ایک دل دہلا دینے والا مبالغہ بھی ملاحظہ ہو، سید صاحب کی زبانی یہ کہلوا گیا ہے؛
 ”جب تک ہندو کا شرک اور ایران کا رخص اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق
 میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو جائے گی، اللہ رب العزت مجھ کو
 نہیں اٹھائے گا، اگر قبل از ظہوران واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو
 دے اور تصدیق پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے روبرو مارا گیا، تو تم اس کے
 قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا، کیونکہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ واثق کیا ہے کہ
 ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مارے گا۔“

آج تک ان امور میں سے کوئی بھی معرض ظہور میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہوتا تو
 یقیناً پورا ہوتا، اس لیے یہ کہنا حق بجانب ہو گا کہ یہ خود ساختہ الہام ہے، الہام ربانی ہرگز
 نہیں ہو سکتا۔ مولوی سخاوت علی جوہر پوری لکھتے ہیں؛

”تفصیلش در معیار الحق مستنفاً مولانا حجتہ اللہ علی العالمین“

ص ۸۵

البریلویہ

۱۰ ظہیر؛

ص ۱۰۴

حیات سید احمد شہید

۱۰ محمد جعفر تھانویسری؛

ص ۱۰۲

” ”

۱۰ ایضاً؛

مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب ادا امت برکاتہ علی کافۃ الخلق مرقومؒ

مولوی عبد الجبار عمر پوری، میاں نذیر حسین کی نشان میں لکھتے ہیں،

احییٰ طریق الحق بعد مہاتہ

ووجودہ من ابۃ الرحمن

احسن بہ من فایق اقوانہ

ماندۃ فی عالم الامکانؒ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمالات عالیہ میں نظیر ممکن، مگر میاں صاحب کی

نظیر ناممکن، ان کا وجود آیت الرحمن ہے، اس مبالغے کا کیا جواز ہے؟

قاضی طلا محمد پشاوری، میاں صاحب کی مدح میں لکھتے ہیں:

۵ شیخ اجل، چراغِ اجل، صادق العمل

غوثِ زمیں، غیاثِ زماں، پیرِ باصفا

۵ بدر جلی، صفی و ولی، عترة علی

دانائے ہر خفی و جلی، معدنِ سخا

۵ موقوف بر قبولِ تو احکامِ شرع و دین

چوں بر اصولِ ہندسہ، برہانِ مدعا

۵ ہم فکر بے قرین، تو سلالِ مشکلات

ہم عقل پیش بین تو کشفِ مدعاؒ

انبیاء و اولیاء کے لیے غوثِ زمیں، غیاثِ زماں، دانائے ہر خفی و جلی اور حلالِ مشکلات

۱۰ فضل حسین بہاری؛ الحیاء بعد المماتہ (مکتبہ شعیب کراچی) س ۵۲۳

۲۰ ایضاً؛ " " " " " " ص ۴۶۷

۳۰ ایضاً؛ " " " " " " ص ۴۶۷-۴۹

کے الفاظ استعمال کرنے والا فتوائے شرک سے محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر میاں صاحب کے بارے میں سب کچھ روا، بلکہ احکام شرع و دین ان کے قبول کرنے پر موقوف، اور اگر وہ قبول نہ کریں، تو؟

بر حکم بے رضائے تو مردودِ اہلِ دل؛
 بر نکتہ بے قبول تو ناچیز چوں لفظِ اہ
 ایک اور شعر ملاحظہ ہو، یوسف حسین صابری لکھتے ہیں؛
 کرامتے سنت کہ تبدیل مابیات نمود
 مجال عقل شدہ پیش سعی او مجبورے

میاں صاحب کی کرامات کو اس بلندی پر لے جایا جا رہے کہ وہ مابیات، وحقائق کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں اپنی بیگم نواب شاہجہان بیگم کی مدح و ثناء میں دادِ بلاغت دیتے ہوئے لکھتے ہیں؛

واحیت السنن وامات البدع الی ان
 سالت فیوضها العامة لكل حاضر وبادی وجمالت
 خمیول جودها فی کل بادیة ووادى جامعة
 للفضائل التي قلما تجتمع فی رجل فضلا عن النسران
 ماویة للفواضل التي قسرودون تبیانها لسان الترجمان
 وهذه ذمرة من میدان مناقبها العلیة ترته

۴۷۸	ص	الحیة بعد المماة	۱۷ فضل حسین بہاری؛
۵۰۳	ص	" "	۱۸ ایضاً؛
۲۸۶-۷	ج ۳	ابجد العلوم	۱۹ صدیق حسن بھوبالی، نواب؛

”وہ اللہ تعالیٰ کی حجتہ قاہرہ ہیں، وہ ہمارے درمیان زمانے کا عجوبہ ہیں، وہ مخلوق میں آیتِ ظاہرہ ہیں، جس کے انوارِ صبح صادق سے زیادہ ہیں۔ اس میں کچھ مبالغہ نہیں۔“

اربابِ علم و دانش کے چند تاثرات

ذیل میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں چند اہل علم کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں کی شخصیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان مبنی برحقیقت تاثرات کو غلو عقیدت میں دیا جاسکتا۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی سابق وزیر حقوق، بیروت، امام احمد رضا کی تصنیف لطیف المکیۃ پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

فوجدتہ من النفع الکتب الدینیۃ واقواہا حجتہ
ولایصدر مثالیہ الا عن امام کبیر علامۃ نحریر
فرضی اللہ عن مؤلفہ وارضاہ وبلغہ من کل خیر مناد
”میں نے اسے کتبِ دینیہ میں نافع ترین اور دلیل کے اعتبار سے مضبوط ترین
ایسی کتاب امام کبیر اور علامہ اجل ہی لکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف
سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے۔“

مولانا احمد ابوالخیر بن عبدالتمیز داد، مدرس مسجد حرام، مکہ معظمہ فرماتے ہیں،
فقد نظرت فی ہذہ الرسالۃ نظر تدقیق وامعان
فالفیتھا فی غایتہ من الحسن والتحقیق قد شرح القلوب
بیانھا وسطع فی سماء التحقیق برہانھا وکیف لا وہی

فیوضات المکیۃ لمحبت الدولۃ المکیۃ، (المکتبہ، کراچی) ص ۶ - ۲۷۲

جمع العلامة الامام النبیل الذکی الہمام ورأس
 المؤلفین فی زمانہ وامام المصنفین بحکم اقرانہ
 "میں نے اس رسالہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، تو اسے حسن، تحقیق اور سنجیدگی
 میں انتہا کو پہنچا ہوا پایا، اس کا بیان شرح صدر عطا کرتا ہے اور اس کے
 دلائل آسمان تحقیق پر درخشناں ہیں اور کیوں نہ ہو، یہ امام علامہ، دانشور، ذکی،
 بلند ہمت، اپنے زمانے کے مؤلفین کے رئیس اور معاصرین کے اعتراف
 کے مطابق، مصنفین کے امام کی تصنیف ہے۔"

حضرت شیخ موسیٰ علی شامی، مدنی فرماتے ہیں:

امام الائمة المجدد لهذا الامة

اماموں کے امام اور اس امت کے مجدد

ڈاکٹر سر ضیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ریاضی کے ایک پیچیدہ
 کے حل کے لیے جرمنی جانا چاہتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کے مشورے پر
 ہوئے۔ امام احمد رضا بریلوی نے چند منٹ میں وہ مسئلہ حل کر دیا، واپسی پر ڈاکٹر صاحب
 تاثیر یہ تھا:

و اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو، اللہ نے ایسا
 علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس،
 جبر و مقابلہ، توحیت (میں) اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس
 مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی، حضرت نے چند منٹ میں حل
 کر کے رکھ دیا۔ صحیح معنی میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔

۱۰ فیوضۃ الملکیۃ

ص ۳۰

۱۱ ایضاً،

ص ۲۶۲

۱۲ محمد برہان الحق جبپوری، مفتی؛

اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۶۰

تفصیل کے لیے دیکھئے پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ کی تصنیف فاضل بریلوی علمائے حجاز
میں اور امام احمد رضا اور عالم اسلام ملاحظہ فرمائیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ علمائے اسلام
احمد رضا کی بارگاہ میں کیسے کیسے گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں :

تواضع زگردن فرازاں شوکت

شعر و سخن اور خاص طور پر اردو نعت کے میدان میں امام احمد رضا بریلوی کے
کو ایک عالم نے تسلیم کیا ہے، متعدد دانشوروں اور ادیبوں کے تاثرات اس سے پہلے
لیے جا چکے ہیں، خود انہوں نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا ہے۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رخصتِ مسلم
جس سمت آگئے ہو سیکے بٹھا دینے ہیں

علم و فضل اور نعت گوئی کے بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے باوجود بارگاہِ رسالت سے
لگاؤ اور ادب و احترام ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا، یہاں تک کہ
مخالفین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ وہ واقعی عاشقِ رسول تھے، فرماتے ہیں،

کوئی کیوں پوچھے تیری باتِ رضا
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

اس شعر سے بارگاہِ رسالت کے ساتھ جس گہری عقیدت و الفت اور اپنے عجز و انکسار
پر مجبور ہے، اسے محبت آشنا قلوب ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ دیدہ و دل فرس راہ
والے اس کیف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ محروم محبت افراد کی اس سوز و گداز کی لذت
برسائی نہیں ہو سکتی۔

صداق بخشش مع حقیقی ادبی جائزہ (مدینہ پیشنگ کمپنی، کراچی)۔

امام احمد رضا بریلوی، امام :

ص ۷۷

امام ایضاً :

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

رؤى انصارى فى النوم فقل له ما فعل الله بك قال
غفر لي قيل بماذا قال بالشبه الذى بينى وبين
النبي صلى الله عليه وسلم قيل له انت شريف؟ قال لا؛
قيل فمن اين الشبه؟ قال كشبه الكلب الى السراعى
”ایک انصاری کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے
ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: مجھے بخش دیا، پوچھا کس سبب سے؟ فرمایا: اس
مناسبت کی بناء پر جو میرے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہے
پوچھا کیا آپ سید ہیں؟ فرمایا: نہیں، پوچھا پھر مناسبت کو کنسی ہے؟ فرمایا:
جو ایک کتے اور نگہبان کے درمیان۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ! یہ تعلق اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اسی کی بنا پر بخش دیا۔

محمد عبدالرحمن جامی قدس سرہ جو عاشقانِ رسول مقبول میں نہایت بلند مقام رکھتے
عرض کرتے ہیں: ع

سگت را کاشش جامی نام بودے

کاش کہ آپ کے کتے کا نام جامی ہوتا“

حضرت قدسی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں عرض نیاز کرتے ہیں:

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

”میں نے اپنی نسبت آپ کے کتے کی طرف کی اور تشریح ہوں،

کہ آپ کی گلی کے کتے کی طرف نسبت بھی بے ادبی ہے“

لیکن غیر صحت مندرنگا ہوں کو اس میں تضاد نظر آتا ہے، انہیں سب طرف مبالغہ ہی مبالغہ نظر آتا ہے۔ لہ

امام احمد رضا بریلوی کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے:

انا ملک مملکۃ البیان ولا بد للناس من تسلیم کل ما
اقولہ لہ

”میں مملکتِ بیان کا بادشاہ ہوں، اور میں جو کچھ کہوں لوگوں پر اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔“

خط کشیدہ عبارت خود ساختہ ہے، اس شعر میں ایسا کوئی نشان نہیں ہے۔
ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکتے بٹھا دیئے ہیں

تلامذہ اور خلفاء

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ نے حرمین شریفین اور دیگر ممالک کے ۳۲ علماء اور پاک و
کے ۲۷ علماء کا تذکرہ کیا ہے، جنہیں امام احمد رضا نے خلافت و اجازت عطا فرمائی ہے۔
امام حضرات آسمانِ شریعت و طریقت کے آفتاب و ماہتاب گزرے ہیں، جنہوں نے اپنے
و فضل کی تابانیوں سے ایک جہان کو منور کیا۔

آج بحمدہ تعالیٰ پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تنظیم المدارس سے وابستہ
یو بی اچھ سو مدارس امام احمد رضا کے مسلک، مسلکِ اہل سنت و جماعت کی نمائندگی
رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں سینکڑوں مدارس دین کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف ہیں۔

ص ۱ - ۵۰

البریلویہ

لہ ظہیر

ص ۵۰

”

لہ ایضاً

فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں (مجلس رضالابو) ص ۶۰ - ۶۸

ڈاکٹر محمد مسعود احمد

تحریک پاکستان

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعد امام احمد رضا بریلوی نے دو قومی نظریہ کی بانیگ دہل حمایت اور حفاظت کی۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم کے اس نظریے کو اپنانے سے پہلے امام احمد رضا اور ان کے ہم مسلک علماء پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس نظریے کی حفاظت کے لیے جہاد کر چکے تھے۔

۳ نومبر ۱۹۲۱ء کو روزنامہ پیسہ اخبار لاہور نے ایک ادارہ لکھا جس کا عنوان تھا:
آہ! مولانا احمد رضا خاں صاحب

اس عنوان کے تحت امام احمد رضا کے سیاسی موقف کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا:
”ترک موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جب مسلمانوں میں ترک موالات کا حکم صاف ہے تو اس میں استثناء کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ جب اسلام میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یکساں ترک موالات کا حکم ہے، تو جس طرح انگریزوں اور ان کی حکومت سے ترک موالات کیا جاتا ہے، ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین شمار کیے جاتے ہیں، ترک موالات ہونی چاہیے۔ یہ منطلق نہایت کمزور ہے کہ انگریزوں سے تو ترک موالات ہو۔ اور ہندوؤں سے محض سیاسی اتحاد کے لیے موالات رواد رکھی جائے۔“ لہ

امام احمد رضا کے وصال کے بعد ان کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء اسی راہ پر چلتے رہے اور ملت اسلامیہ کی بہتری اور کامیابی کے لیے تمام تر رعنائیاں صرف کرتے رہے۔

انگریز حکمرانوں کی جانب داری اور ہندوؤں کی بٹ و دھرمی نے اصحاب فکر و نظر مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ پُر امن اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اہل سنت کے ایک مفکر محمد عبدالقادر نے ۱۹۲۵ء میں ایک رسالہ ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام لکھا جس میں تقسیم ہند کے سلسلے میں تفصیلی تجاویز پیش کی گئیں اور یہ تجویز پیش کی کہ جس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہ مسلمانوں کو دے دیا جائے پھر انہوں نے ضلع داران علاقوں کی نشان دہی بھی کر دی اور جن علاقوں میں ہندو یا دوسری قومیں اکثریت میں ہوں، وہ انہیں دے دیے جائیں یہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں جب علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں تقسیم ہند کی اسی تجویز کو پیش کیا تو ہندوؤں نے اس پر بڑی برہمی کا اظہار کیا، طبقہ علماء میں سب سے پہلے حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس تجویز کی پُر زور تائید کی اور فرمایا:

”ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار اور دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا؟ یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہو گا۔ کیا یہ کوئی نا انصافی کی بات تھی؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا، تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے فائدہ ملتا تھا۔ کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برا بھلا کرتی رہی اور انہیں اس میں اپنا کیا ضرر نظر آیا؟ بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقا کی ایک صورت اس میں نظر آتی تھی اور انہیں تھوڑا سا اقتدار ملا جاتا تھا۔۔۔۔۔ اس حالت میں بھی مسلمان کبلانے والی جماعت (جمعیت العلماء ہند وغیرہ) ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پُرانی فرسودہ لکیر کو پٹیا کرے، تو اس پر ہزار افسوس ہے۔“

۱۰ محمد سعید احمد، ڈاکٹر، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم (رینا پبلی کیشنز، لاہور) ص ۲۷۵۔

ص ۲۷۶۔

لکھ ایضاً:

آل انڈیا سنی کانفرنس

مارچ ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد (بھارت) میں چار روزہ کانفرنس ہوئی جس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبہ صدارت پڑھا، اسی کانفرنس میں الجمعیتہ العالیۃ المرکزیتہ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ سدا کا مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اس کے ناظم اعلیٰ اور امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری اس کے صدر منتخب کیے گئے۔ قائدین نے شبانہ روز کوشش سے متحدہ پاک ہند کے گوشے گوشے میں اس جماعت کی شاخیں قائم کیں۔ ایک طرف اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ کو منظم کیا، تو دوسری طرف ہندوؤں اور کانگریسی علماء کی چالوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

”بریلوی مکتب فکر کی قیادت (بعد ازاں) مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ہاتھوں

میں آگئی۔ جمعیتہ علماء ہند کے برعکس وہ ۱۹۳۸ء میں ہی اس بات پر یقین

کر چکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک بڑھتی رہنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے

ان کے لیے یہ سوال شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار

کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل

مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیے، اس لیے جونہی قرارداد پاکستان

(۱۹۴۰ء) منظور ہوئی، اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء جنہوں نے اس سے

قبل بھی کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی۔ قیام پاکستان کے لیے

جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کر دیا اور

ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہو گئی۔

مولانا سید نعیم الدین نے بذاتِ خود شمالی بڑھتی رہنے کا دورہ کیا اور اس کے متعدد چھوٹے

اور بڑے شہروں اور قصبہات میں تقریریں کیں، تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے
 نیا نام دیا گیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس سے اس کا نام ”جمہوریۃ الاسلامیہ“ رکھ
 دیا گیا۔

۱۹۴۰ء میں منٹو پارک (مینار پاکستان) لاہور میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس
 اجلاس میں علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ عبدالغفور سزاروی اور علامہ ابوالحسنات قادری
 بھی شریک تھے۔ علامہ بدایونی نے قرارداد کے حق میں خطاب بھی فرمایا۔^۱
 قیام پاکستان سے اہل سنت کے قلبی لگاؤ کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہل سنت
 کے ترجمان ہفت روزہ الفقہیہ، امرتسر کی پیشانی پر ۱۹۴۲ء میں ہی پاکستان لکھا ہوتا تھا۔^۲
 جبکہ بدقسمتی سے امرتسر پاکستان میں شامل ہی نہ ہو سکا۔

۲۷ جون ۱۹۴۵ء کو رائسرائے ہند لارڈ ویول نے ایک منصوبے کا اعلان کیا کہ ہندوستان
 کی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے نئی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کی جائے گی۔ ۲۵ جون کو
 شملہ میں اس کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ قائد اعظم نے وائسرائے سے اس امر کی یقین دہانی
 چاہی کہ مسلمانوں کی طرف سے کونسل میں صرف مسلم لیگ کو نمائندگی دی جائے۔^۳
 اس موقع پر مفتی اعظم ہند مولانا مسطفیٰ رضا خاں نے بریلی سے وائسرائے ہند کے نام
 مسلم لیگ کی حمایت میں شملہ تار ارسال کیا۔ یہ خبر ۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء پھر ۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء
 کو روزنامہ انجام دہلی میں چھپی جسے اہل سنت کے ترجمان ہفت روزہ الفقہیہ امرتسر نے، تا
 ۱۴ نومبر ۱۹۴۵ء کے شمارے میں نقل کیا۔ الفقہیہ کے تراشے کا عکس خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس

۱۔ ریاست علی قادری، سید، معارف رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۸

۲۔ اکابر تحریک پاکستان (نوری کتب خانہ، لاہور) ص ۱۴۹

۳۔ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۳۲

۴۔ قائد اعظم کے ۲۷ سال (سورتنی اکٹھی کراچی) ص ۳-۳۹۲

۱۔ ریاست علی قادری، سید،

۲۔ محمد صادق قصوری،

۳۔ محمد جلال الدین قادری،

۴۔ رشی حیدر، خواجہ،

میں چھپ چکا ہے۔

۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہوا، مسلمانوں کی تیس نشستوں پر مسلم لیگ کے نمائندوں نے انتخاب لڑا اور بھاری اکثریت میں کامیابی حاصل کی۔ جمعیت علماء دہلی، احرار خاکسار اور مسلم مجلس نے بھی اپنے نمائندے مختلف نشستوں کے لیے کھڑے کیے تھے ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں بھی مسلم لیگ نے زبردست کامیابی حاصل کی۔

۴ دسمبر ۱۹۴۵ء کو وزیر ہند نے برطانیہ کے دارالامراء میں اعلان کیا کہ انتخابات کے بعد حکومت برطانیہ، ہندوستان میں دستور ساز اسمبلی قائم کرے گی اور ایک کابینہ ہندوستان بھیجے گی تاکہ یہ ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقات کر کے بحیثیت آزاد مملکت ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو کابینہ مشن، دہلی پہنچ گیا جو لارڈ پیٹک لارنس، سراسٹیفورڈ کرس اور اے وی ایگنزڈر پر مشتمل تھا، اسی دن پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مشن کے ایک رکن سراسٹیفورڈ کرس نے کہا:

”ہم کھلے دل کے ساتھ ہندوستان آتے ہیں، ہمارے پاس کوئی سیکم

نہیں، ہم ہر سیاسی مسئلہ کے متعلق تحقیقات کریں گے،

یہ وہ نازک ترین دور تھا، جس میں حکومت برطانیہ کو فیصلہ کرنا تھا کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کو منظور کیا جائے یا نہیں؟ علماء اہل سنت نے پوری قوت کے ساتھ قیام پاکستان کی حمایت کی اور آل انڈیا سٹی کانفرنس کی جدوجہد عروج کو پہنچ گئی۔

۱۔ رئیس احمد جعفری، حیات محمد علی جناح، ص ۸-۶۵

۲۔ رضی حیدر خواجہ، قائد اعظم کے ۷۲ سال، ص ۳۹۹

۳۔ ایضاً،

۴۔ ایضاً،

ص ۶-۶۰

حضرت مفتی اعجاز ولی خان، مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی نے اسی سال پاکستان کی

حمایت میں فتویٰ جاری کیا ہے

۱۹۴۶ء میں علماء اہل سنت کا ایک فتویٰ شائع ہوا جس میں کانگریس کی مخالفت اور

مسلم لیگ کی تائید کی گئی تھی۔ ذیل میں وہ فتویٰ پیش کیا جاتا ہے:

”آل انڈیا سٹی کانفرنس کے مشاہیر علماء و مشائخین کا متفقہ فیصلہ:

مسلم لیگ کو ووٹ دے کر

کانگریس کو شکست دی جائے

آل انڈیا سٹی کانفرنس، مسلم لیگ کے براس طریقہ عمل کی تائید کر سکتی ہے

جو شریعتِ مطہرہ کے خلاف نہ ہو جیسے کہ الیکشن کے معاملہ میں کانگریس کو

ناکام کرنے کی کوشش۔ اس میں مسلم لیگ جس مسلمان کو بھی اٹھائے

سٹی کانفرنس کے اراکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں ووٹ دے سکتے

ہیں، دوسروں کو اس کے ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں مسند پاکستان

یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر

حکومت قائم کرنا سٹی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔“

اس فتوے پر پچاس سے زیادہ اہل سنت کے جلیل القدر علماء کے دستخط ہیں جن میں سر فہرست

مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں (جانشین و فرزند امام احمد رضا بریلوی) صدر الافاضل

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ امام احمد رضا) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی

(خلیفہ امام احمد رضا) مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں (جانشین و فرزند حجتہ الاسلام

مولانا حامد رضا خاں) ان کے علاوہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے مدرسین مولانا تقدس علی خاں،

مہتمم محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد، صدر مدرس مولانا سردار علی خاں، مدرس

مولانا وقار الدین پیلی بھیتی، مدرس۔ مولانا عبدالغفور مدرس۔ مولانا احسان علی مظفر پوری مدرس۔ مولانا انوار احمد مدرس اور مولانا فضل غنی مدرس کے دستخط ہیں۔ یہ فتویٰ بصورتِ اشتہار شاعر آستانہ مولانا محمد یعقوب حسین نسیاء القادری پروپیگنڈہ سیکرٹری ڈسٹرکٹ سنی کانفرنس، بدایوں، یوپی نے شائع کیا ہے اس کے علاوہ ۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء کو اخبار ودیہ سکندری ج ۴ شماره ۵۵ میں بھی یہ فتویٰ شائع ہوا ہے۔

۲۳ تا ۲۵ صفر مطابق ۲۸ تا ۳۰ جنوری ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے عرس مبارک کے موقع پر متحدہ پاک و ہند کے اطراف و اکناف سے تشریف لائے ہوئے علماء و مشائخ جمع ہیں اور شخص مسند پاکستان کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جذبات کے تلاطم کا یہ عالم کہ بازار میں قائم کیے جانے والے ہوٹلوں کے نام پاکستان کی نسبت سے رکھے جا رہے ہیں کسی ہوٹل کا نام حامدی پاکستان ہوٹل اور کسی کارضوی پاکستان ہوٹل، یہ فیض صرف اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب کسی مطالبے کی لہز برکس و ناکس کو اپنی پیٹ میں لے چکی ہو۔

سٹیج پر جو مقرر آتا ہے، اس کا موضوع ایکشن اور پاکستان ہی ہے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (خلیفہ امام احمد رضا) نے اپنے خطاب میں فرمایا:

کانگریس فتنہ عظیمہ ہے، وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کر چکی ہے۔۔۔۔۔ علمائے اہل سنت مسلمانوں کو اس جال میں پھنستا دیکھ کر صبر نہیں کر سکتے، اس لیے ہم مدت سے اعلان کر رہے ہیں اور ہماری تمام سنی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں برسرِ صوبہ میں قائم ہیں۔ کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدوجہد کر رہی ہیں؛ چنانچہ پچھلے ایکشن (نومبر ۱۹۴۵ء مرکزی ایکشن)

۱۷ عکس فتویٰ: قادیاں مرتد مجلس رنہ لاہور ص ۴۴
۱۸ عکس فتویٰ: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۳۳۸

۱۹۲۶ء
میں ان کانفرنسوں کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اس وقت (فروری)

میں ہونے والے صوبائی انتخابات کے لیے ہم پھر یہی اعلان کرتے ہیں۔“ لہ

اس خطاب کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے تائید

کرتے ہوئے فرمایا:

”الیکشن کے معاملہ میں ہماری اجتماعی کوشش یہی ہے کہ کانگریس کو ناکام کر دیا

جائے، ہم اس خدمت کو مسلمانوں کے حق میں نافع سمجھ کر رضائے الہی کے لیے

انجام دیتے ہیں۔“ لہ

مفتی اعظم پاکستان

۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن الیکشن میں حضرت مفتی اعظم بند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلی میں مسلم لیگ

کے امیدوار کے حق میں سب سے پہلا ووٹ ڈالا۔ لیگی رضا کار انہیں جلوس کی شکل میں مفتی اعظم

پاکستان کے نعے لگاتے ہوئے واپس آستانہ رضویہ تک لائے۔

حضرت مولانا تقدس علی خاں مدظلہ پیر جو گوٹھ، سندھ فرماتے ہیں:

”حضرت مفتی اعظم بند قدس سرہ العزیز غالباً ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جس میں

کانگریس اور مسلم لیگ کا سخت مقابلہ تھا اور یہ فیصلہ ہونا تھا کہ پاکستان بنے یا

نہیں؟ اس میں اول ووٹ حضرت کا ہوا۔ امیدوار عزیز احمد خاں ایڈووکیٹ تھے

عزیز احمد خاں مسلم لیگ کی طرف سے تھے، اور ووٹ ڈالنے کے بعد حضرت کو

جلوس کی شکل میں مسلم لیگ کے رضا کار مفتی اعظم پاکستان کے نعروں کے ساتھ

آستانہ شریف پرواپس لائے،“ لہ

لہ محمد جلال الدین قادری مولانا، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (جوالہ دہ بدہ سکندری، ص ۱۰۰-۹۱)

ص ۳۱۱

لہ ایضاً،

تحریر ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء

لہ مکتوب بنام راقم الحروف،

یہ واقعہ فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات کا ہے جس میں بریلی، پیلی بھیت شہری حلقے میں مولوی عزیز احمد خاں، مسلم لیگ کے امیدوار تھے، انہیں ۱۱۵۳۱ ووٹ ملے، ان کے مقابلے میں عبداللطیف فاروقی قوم پرست تھے، جنہیں ۶۰۶ ووٹ ملے تھے، مسلم لیگ کے امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء

یوں تو آل انڈیا سنی کانفرنس کی متحدہ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی کثیر الشاخیں اور ان سے وابستہ ہزاروں علماء اپنے حلقوں میں تحریک پاکستان اور اس کے مقاصد سے عوام و خواص کو روشناس کر رہے تھے، لیکن بنارس کا اجلاس اپنی جامعیت اور شان و شوکت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا، اہل سنت و جماعت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ اور ہر اجلاس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع، شرکاء کے جنوں خیز جذبے اور پاکستان کے ساتھ گہرے قلبی لگاؤ کا غماز تھا۔ بلاشبہ یہ کانفرنس تحریک پاکستان کا وہ سنگ میل ہے جس کے تذکرے کے بغیر قیام پاکستان کی کوئی تاریخ مکمل نہیں کیلا سکتی۔

یہ کانفرنس ۲۰ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو فاطماں باغ، بنارس میں منعقد ہوئی، چاروں دن ہر اجلاس کی صدارت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے فرمائی تھی۔ اس کانفرنس میں کیبنٹ مشن، مسٹر کرپس اور ان کے ساتھیوں کو بھی دعوت دی گئی تاکہ وہ پورے ملک کے نمائندہ اجتماع میں حاضر ہو کر بحشم خود، پاکستان سے متعلق مسلمانوں کے والہانہ جذبات کو دیکھ لیں۔ انہوں نے شمولیت کا وعدہ بھی کیا، لیکن اپنی گونا گوں مصروفیات کے سبب عین

۱۔ ولی مظہر ایڈووکیٹ،	عظیم قائد عظیم تحریک (مطبوعہ ملتان ۱۹۸۲ء) ج ۱، ص ۳۶
۲۔ غلام معین الدین نعیمی، مولانا،	حیات صدق افاضل (مکتبہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص ۱۸۹
۳۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر،	تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۳-۲۵۲

آخر وقت میں بذریعہ تارا اپنی معذرت کا اظہار کر دیا۔ لہ

۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو صبح نو بجے سے ایک بجے دوپہر تک، منعقد ہونے والے کانفرنس

کے تیسرے اجلاس میں متفقہ طور پر یہ قرار داد منظور کی گئی:

”آل انڈیا سٹی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُر زور حمایت کرتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔“

اسی اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں حسب ذیل حضرات شامل تھے:

”مولانا سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی، مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبد اعظم صدیقی میرٹھی، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (یہ تمام حضرات امام احمد رضا کے خلفاء ہیں)، مولانا عبدالحامد بدایونی، دیوان سید آل رسول، اجمیر شریف۔ خواجہ قمر الدین سیالوی، سیال شریف۔ شاہ عبدالرحمن بھجر چوہڈی شریف (سندھ) مولانا سید امین الحسنات، مانچی شریف (سرحد)، خان بہادر بخش مصطفیٰ اعظمی، مدراس۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور،“

۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو جمہوریت اسلامیہ (آل انڈیا سٹی کانفرنس کا دوسرا نام) کی مجلس استقبالیہ

۱۸۹ ص	حیات صدر الافاضل	لہ غلام محین الدین نعیمی، مولانا،
۲۹ ص	۱۹۴۶ء	مختصر رپورٹ خطبہ صدارت، جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مراد آباد
۲۹ ص	”	” ایضاً، ”

کے صدر، محدثِ اعظم ہند مولانا سید محمد کچھو چھوی نے ولولہ انگیز اور انتہائی بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا
اس میں انہوں نے فرمایا:

”آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے، جس
میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں، بلکہ اسلام کی
حکومت ہو، جس کو مختصر یوں کہیے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو۔“ ۱

آل انڈیا سنی کانفرنس، اجمیر منعقدہ ۷-۸ جون ۱۳۶۵ھ / ۲۶-۲۷ جون ۱۹۴۶ء میں خطاب فرماتے

ہوئے محدثِ اعظم ہند کچھو چھوی نے فرمایا:

”ان پاکوں کا عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے
یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں جس کا نام آل انڈیا
سنی کانفرنس یا جمہوریتِ اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک صرف علماء
و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔ اب بحث کی لعنت
چھوڑو۔۔۔ اب غفلت کے جرم سے باز آؤ۔۔۔ اٹھ پڑو۔۔۔
کھڑے ہو جاؤ۔۔۔ چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو۔۔۔ پاکستان بناؤ
تو جا کر دم لو۔۔۔ کہ یہ کام اے سنیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے“ ۲

آل انڈیا سنی کانفرنس کی تنظیم میں سب سے زیادہ حصہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

کا تھا۔ ان کے سوز و گداز اور حکیمانہ طریق کار کا اثر یہ تھا کہ تمام علماء و مشائخ اہل سنت کو
ایک سیٹج پر لا کھڑا کیا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی آل انڈیا سنی کانفرنس کے بارے میں لکھتے ہیں:
اس کے ارکان پاکستان پر اس قدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین

۱۔ سنٹرل پورٹ خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء ص ۲۳

۲۔ الخطبۃ الاشرفیۃ للجمہوریۃ الاسلامیہ (مطبوعہ مراد آباد) ص ۸-۷

”مولانا! آپ گواہ رہیں، میں اب توبہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی ہنود وغیر مسلموں سے اتحاد و داد نہ رکھوں گا۔ مولانا! میں نے ہندوؤں سے میل جول رکھ کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ دعا فرمائیے کہ باقی (باقی) عمر میں اس نقصان کی تلافی کر سکوں، اب میں گاندھی کے پاس جا رہا ہوں، آپ دیکھیں گے کہ میری اس سے آخری ملاقات ہوگی۔“ ۱

مولانا جوہر، گاندھی کے پاس گئے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے چند فارمولے اس کے سامنے رکھے، اس نے صاف انکار کر دیا اور مولانا جوہر لڑکر واپس آگئے اور بیزاری کا اعلان کر دیا۔ اس واقعہ کے تین ماہ بعد گول میز کانفرنس، لندن کے موقع پر ان کا وصال ہو گیا۔ مولانا شوکت علی نے خود مراد آباد جا کر صدر الافاضل کے سامنے ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں سرزد ہونے والے غیر شرعی افعال و اقوال سے توبہ کی۔ ۲

مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، خلیفہ امام احمد رضا بریلوی نے بھی تحریک پاکستان

میں نمایاں خدمات انجام دیں، ان کا بیان ہے:

”فقیر نے تعمیر پاکستان میں جو نمایاں حصہ لیا اور مسٹر جناح کے مشن کو تقویت دینے کے لیے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کا پورا دورہ کیا اور اس سلسلے میں جو فقیر کی تقریریں ہیں وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جو بعونہ تعالیٰ قلم بند ہے مگر فقیر اپنی شہرت کا نہ کبھی طالب ہوا، نہ اس کی اشاعت ضروری سمجھی مسٹر جناح کے ایک شکریہ کا خط بھی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری کوششوں کو قبول فرمائے اور پاکستان کو برہم کے شر و فساد اور پریشانی سے محفوظ فرمائے آمین اللہ الموفق“

۱۔ غلام معین الدین نعیمی، مولانا حیات صدر الافاضل ص ۱۶۳

۲۔ ایضاً ص ۴-۱۶۳

۳۔ محمد برہان الحق جبل پوری، مفتی، اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۱۱۸

نوٹ: ۲۰ دسمبر ۱۹۸۲ء کو حضرت وصال فرما گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، ۱۲ قادری

امام احمد رضا بریلوی کے ہم مسلک علماء و مشائخ نے تحریک پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔ مشائخ میں سے حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مانجی شریف، زکوٹی شریف، گولڑہ شریف، جلال پور شریف، سیال شریف، تونسہ شریف، بھرچوٹی شریف وغیرہم کے سجادہ نشین اور دیگر مشائخ کرام نے ہر طرح تحریک کا ساتھ دیا۔

علماء کرام میں سے مولانا عبدالحماد بدایونی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، شاہ عارف اللہ قادری، علامہ ابوالحسنات قادری، علامہ عبدالغفور بزاروی، مولانا غلام الدین، لاہور۔ مولانا غلام محمد ترم، مولانا محمد بخش مسلم، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، مفتی محمد عمر نعیمی، علامہ سید سعید کاظمی، مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار نیازی وغیرہم نے اس تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔

اس موضوع پر تفصیلات جاننے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہے گا۔

- ۱- تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم
پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ لاہور
- ۲- فاضل بریلوی اور ترک موالات
" " "
- ۳- خطبات آل انڈیا سٹی کانفرنس
محمد حلال الدین قادری
- ۴- ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست
" " "
- ۵- اکابر تحریک پاکستان (۲ جلد)
محمد صادق قصوری
- ۶- پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر
میاں عبدالرشید
- ۷- حیات صدر الافاضل
سید غلام معین الدین نعیمی
- ۸- معارفِ رضا
سید یاسر علی قادری مطبوعہ کراچی

قیام پاکستان کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی، مفتی محمد عمر نعیمی اور مولانا غلام معین الدین نعیمی ماسی ۱۹۴۸ء میں پاکستان تشریف لائے اور دستور اسلامی کے مسئلے پر لاہور اور کراچی

کے علماء سے مذاکرات کیے، طے پایا کہ صدر الافاضل دستور اسلامی کا مستودہ تیار کریں، کوشش کی جائے گی کہ پاکستان کی قومی اسمبلی سے اسے منظور کرایا جائے۔ اسی اثناء میں صدر الافاضل سخت علیل ہو گئے۔ اس لیے انہیں واپس جانا پڑا۔ مراد آباد جا کر ابھی دستور کی گیارہ دفعات تخریر کر پاتے تھے کہ پیام اجل آپہنچا اور ۱۸ ذی الحجہ ۲۲ اکتوبر ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو وصال فرما گئے۔ لہ

جمعیتہ العلماء پاکستان

تقسیم ملک کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ انوار العلوم، ملتان میں علماء اہل سنت کا اجتماع ہوا جس میں طے پایا کہ پاکستان میں سُنی کانفرنس کا نام تبدیل کر کے جمعیتہ العلماء پاکستان رکھا جائے، کیونکہ دونوں ملکوں میں سُنی کانفرنس کے نام سے کام کرنے سے مختلف دشواریاں پیش آسکتی ہیں۔

حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری سابق صدر پنجاب سُنی کانفرنس جمعیتہ العلماء پاکستان کا صدر اور حضرت علامہ احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ علامہ ابوالحسنات قادری کے بعد علامہ عبدالحماد بدایونی، صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومباروی، علامہ عبدالغفور بزاروی، شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، یکے بعد دیگر جمعیت کے صدر رہے۔ ان دنوں قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد تورانی صدر اور مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی جنرل سیکرٹری ہیں۔

ص ۵۵

تخریب آزادی ہند اور السواد الاعظم

لہ محمد سعود احمد ڈاکٹر

ص ۱۹۶

حیات صدر الافاضل

لہ غلام معین الدین نعیمی مولانا

باب دوم

غیر مقلدین کی انگریز نوازی تاریخ کے ایٹنے میں

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر میں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

شیشے کے گھر

علماء اہل سنت و جماعت کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ وہ ارباب اقتدار کی چوٹ پر جب بیٹائی
کو اپنے دینی منصب اور مقام کے خلاف سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس سے مجتنب رہے۔ وہ غیر مسلم حکمران تو
کجا مسلمان سلاطین اور نوابوں سے بھی تعلق خاطر رکھنے کے روادار نہ ہوئے۔ ایک دفعہ امام
احمد رضا خاں بریلوی سے ریاست نانیپارہ کے نواب کی شان میں قسیدہ لکھنے کی فرمائش کی گئی
و آپ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعت لکھی اور مقطع میں فرمایا
کروں مدح اہل عدول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارہ ناں نہیں

ایسے بے نفس اور سپیکر و رع و تقویٰ حضرات کا انگریزی حکومت سے راہ و رسم رکھنے
اور اس کی خوشبودی حاصل کرنے کے لیے خوشامد اور تعلق سے کام لینے کا کوئی انصاف پسند
بیانت دار تصور بھی نہیں کر سکتا یہی روایت آج تک جاری ہے۔

پیش نظر مقالہ میں علماء اہل حدیث کی فکری اور سیاسی تاریخ کا ایک حصہ پیش کیا گیا ہے
صان الہی ظہیر کی طرح خود ساختہ نتائج اخذ نہیں کئے گئے، بلکہ ان کی کتابوں کے اقتباسات
من و عن پیش کر دیئے گئے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود
میرتائین علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے

کچھ عرصہ سے انہوں نے اتہام پر دازی کی ہم چلا رکھی ہے اس لیے انہیں آئینہ دکھانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد قارئین یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ ان ”پیشے“ کے مکان میں بیٹھ کر کلون انڈازی“ کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے۔

پیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ، حماقت تو دیکھتے

اہل حدیث کی وہابیت سے نفرت

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اہل حدیث آج تک وہابیت سے نفرت اور بیزاری اعلان کرتے رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ برطانیہ سے بڑی کوششوں کے بعد وہابی نام کی جگہ اہل حدیث منظور کرایا۔ ذیل کے چند اقتباسات اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

”ہند کے لوگوں کو وہابیہ نجدیہ سے نسبت دینا کمال نادانی اور نہایت

بے وقوفی اور صریح غلطی ہے۔“ لہ

اس الزام کو رد کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن و حدیث پر عامل ہیں، ان کا نام اہل سنت و جماعت ہے نہ وہابی۔ اور ہندوستان کے اکثر مسلمان عسقی مذہب رکھتے ہیں نہ مذہب سنہلی۔ اور علماء اسلام نے جہاں تعداد بہتر فرقوں اس امت اسلام کی لکھی ہے اور نام بنام ان کو گن ہے، ان میں کہیں کسی جگہ کسی فرقہ کا نام وہابیہ نہیں بتلایا۔“

اور یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دین قدیم اسلام میں کوئی نئی راہ و طریقہ یا جدید مذہب و فساد کی بات نکالے اس کا نام بدعتی اور ہوائی ہے اور وہ دوزخیوں میں سے ہے پھر کس طرح کوئی سچا مسلمان کسی نئے طریقے نکالے ہوئے پر چل سکتا ہے اور وہ کب کسی لقب جدید کو اپنے لیے پسند کرے گا، اے غور کیجئے نواب صاحب کتنی صراحت کے ساتھ کہہ گئے ہیں کہ وہابی نجدی سچے مسلمان نہیں بلکہ دوزخی ہیں، اس کے علاوہ جنیلیوں کے سنی ہونے کی بھی نفی کر گئے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والا جریدہ اشاعت السنۃ تمام اہل حدیث کا ترجمان رہا ہے، اس میں لکھا ہے:

”اہل حدیث کو وہابی کہنا لائبل (منزل حیثیت) ہے۔“

نیز لکھا:

”وہابی باغی و نمک حرام ہے۔“

غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

”وہابی کا لفظ اس لیے بھی غلط تھا کہ یہاں کے اہل حدیث کو نجد کے وہابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اہل نجد جنیلی ہیں۔ اہل حدیث کسی امام کے مقلد نہیں، لیکن انگریزوں نے انہیں زبردستی وہابی کہنا شروع کیا، اس کے خلاف جتنی کوششیں ہوئیں، وہ بالکل درست تھیں کہ

۱۔ صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب، ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۴

۲۔ اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۱۰ (حاشیہ)

۳۔ ایضاً، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۳۷

۴۔ غلام رسول مہر، افادات مہر مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پتی، شیخ غلام علی، لاہور، ص ۲۰۶

مگر آج کے اہل حدیث بڑے فخر سے اپنا تعلق وہابیت اور محمد بن عبدالوہاب نجدی سے جوڑ رہے ہیں، آخر کیوں؟ سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ نجدی ریالوں کی چمک دمک اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ

ذرا فراہ عقیدت دیکھیے، مجدد الدعوة السلفية في شبه الجزيرة وامام
 اهل التوحيد هي السنة قاطع الشرك والبدعة شيخ الاسلام محمد بن عبد الوهاب
 ایک ایک لفظ میں ریالوں کی کھنک محسوس کی جاسکتی ہے۔

شرفاوری

۷ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ
 ۲۶ جولائی ۱۹۸۵ء

لکھ ظہیرا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انگریزی دُور — زمانہ ترقی

متحدہ پاک و ہند میں انگریز کی آمد تک تمام مسلمان سُنی حنفی مسلک سے وابستہ تھے۔ سلاطین بھی اکثر و بیشتر حنفی تھے، البتہ بعض بادشاہوں نے نئی راہیں اپنانے کی کوشش کی، مگر انہیں عامۃ المسلمین کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ بعض مقامات پر فقہ جعفری کے پیروکار بھی پائے جاتے تھے۔ کہیں کہیں فقہ شافعی پر عمل کرنے والے بھی موجود تھے، مگر غالب اکثریت احناف ہی کی تھی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔“ لہ
ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کتر اہل حدیث ہیں۔“ لہ

ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۰

لہ صدیق حسن خاں بھوپالی نواب،

ص ۵۰

لہ ایضاً،

جب سے اس سرزمین پر انگریز کے منحوس قدم آئے، تو دین و مذہب سے آزادی اور

بے راہروی کی وجہی چلی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث لکھتے ہیں،

”اے حضرات! یہ مذہب سے آزادی اور خود سری و خود اجتہادی کی تیز

ہوا یورپ سے چلی ہے اور ہندوستان کے ہر شہر و بستی و کوہ و گلی میں پھیل گئی ہے

بس غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان رہنے نہیں دیا۔ حنفی اور شافعی

مذہب کا تو کیا پوچھنا ہے!۔

آزاد روی کی یہ ہوا اتفاقاً نہیں چلی تھی، بلکہ اس میں انگریزی حکومت کی منشا بھی

شامل تھی۔۔۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں؛

”فرمانروایانِ بھوپال کو ہمیشہ آزادگی مذہب میں کوشش رہی جو خاص منشا

گورنمنٹ انڈیا کا ہے۔۔۔۔۔ دولتِ عالیہ برٹش نے اس معاملہ میں

قدیم و حدیثاً ہر جگہ انصاف پر نظر رکھی ہے، کسی جگہ مجرہ تہمت و افتراء پر

کارروائی خلاف واقع نہیں فرمائی، بلکہ اشتہارِ آزادی مذہب جاری کیئے

مزید لکھتے ہیں؛

”اگر کوئی بدخواہ و بداندیش سلطنتِ برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا جو آزادی

مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت

سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے۔“

خاص طور پر حنفی، شافعی وغیرہ مذہب سے آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں؛

”یہ آزادی ہماری مذہب جدیدہ سے عین مراد قانون انگلشیہ ہے۔“

اشاعت اسناد ج ۱۵ شماره ۸، ص ۲۵۵

۱۔ محمد حسین بٹالوی؛

ترجمانِ دہلیہ مطبع محمدی لاہور، ص ۳

۲۔ صدیق حسن خاں بھوپالی؛

ص ۵

۳۔ ایضاً؛

ص ۲۰

۴۔ ایضاً؛

ملکہ وکٹوریہ کے جشنِ جوہلی پر غیر مقلدین کی طرف سے جو ایڈریس (سپاسنامہ) پیش کیا گیا
اس کی ایک شق یہ تھی:

”وہ خصوصیت ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت
میں حاصل ہے۔ بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی
سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔“ لہ

مولوی محمد حسین بٹالوی، حکومت کے ”وہابی“ کی بجائے اہل حدیث نام لاکھ
رنے پر شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فرقہ اہل حدیث، گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے
اور اپنے ہر دل عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ و اسی لارڈ و فرین اور اپنے
پیارے اور رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کا تہ دل سے
شکر گزار ہے اور بعض و شکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ گورنمنٹ کے
(جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص
احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک
خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے) لہ

ایک جگہ تو پوری صراحت کے ساتھ غیر مقلدین کی آزادی کو انگریزی حکومت کے
شارہ ابرو کامرہون منت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ لوگ (غیر مقلدین) اپنے دین میں وہی آزادی برتتے ہیں، جس کا اشتہار
بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا ہے، خصوصاً دربارِ دہلی میں جو سب درباروں
کا سردار ہے۔۔۔۔۔ یہ آزادی سرکار برٹش کو یا ان کو جو اس حکومت میں اظہار

اشاعت اسنتہ ج ۹ شمارہ ۷، ص ۲۰۶

ص ۲۰۳

لہ محمد حسین بٹالوی:

لہ ایضاً

اپنی آزادگی مذہبِ خاص کا کرتے ہیں، مبارک رہے۔ اب تامل کرنا چاہیے کہ
دشمن سرکار کا وہ ہوگا جو کسی قید میں اسیر (مقلد) ہے یا وہ ہوگا جو آزاد و فقیر
(غیر مقلد) ہے۔ ۱

محمد حسین بٹالوی اپنے فرقے کا تعلق تمام سلف صالحین سے قطع کر کے صرف نبی اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقلد ہونا ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ فرقہ اہل حدیث بجز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی (ابوبکر، عمر فاروق،
علی مرتضیٰ، عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، کسی تابعی (حسن بصری، زہری،
سعید بن المسیب وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کسی امام (ابوصنیفہ، شافعی، مالک
احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی صوفی (جنید بغدادی، شیخ عبدالقادر جیلانی
وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی مولوی زندہ یا مردہ کا محض مقلد نہیں ہے اور اسی
وجہ سے اس گروہ کا نام ان کے مخالفوں نے لاندہب و غیر مقلد رکھا ہوا ہے۔“

گویا صِرَاطِ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَالْأَصْرَارِ مُسْتَقِيمٍ فرسودہ ہو چکا تھا اس لیے
نئے راستے کی ضرورت پیدا ہوئی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس فرقہ کے نو پیدا ہونے کی شہادت دیتے ہیں:

فقد نبنت في هذا الزمان فرقة ذات سمعة ورياء
تدعي لانفسها علم الحديث والقران والعمل بهما على
العلات في كل شان مع انها ليست في شئ من اهل
العلم والعمل والعرفان ۲

ترجمانِ دہلیہ، ص ۳

۱۔ صدیق حسن خاں بھوپالی،

اشاعة السنة، ج ۹، شمارہ ۳، ص ۶۲

۲۔ محمد حسین بٹالوی،

الحطه (اسلامی اکیڈمی لاہور) ص ۱۵۲

۳۔ صدیق حسن خاں بھوپالی،

”اس زمانہ میں نمائش اور ریاکاری کا عادی فرق پیدا ہوا ہے جو اپنے علاقے
بھائیوں (احناف) کے مقابل حدیث و قرآن کے علم اور ہر معاملے میں قرآن
و حدیث پر عمل کا دعویٰ کرتا ہے، حالانکہ علم، عمل اور معرفت میں ان کا کوئی
مقام نہیں ہے۔“

میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبدالخالق فرماتے ہیں:
”سوبانی مبنی اس طریقہ احداث (غیر مقلدین) کا عبدالحق ہے جو چند روز
سے بنارس میں رہتا ہے۔“ لہ

مولوی محمد شاہ شاہجہانپوری جو خود غیر مقلد ہیں، لکھتے ہیں:
”کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے
میں آ رہے ہیں جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس
خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے
بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔“

اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق
میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لاندہب لیا جاتا ہے۔“ لہ

تقلید اکرمہ اور اجماع کا انکار

ہندوستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت مذہب حنفی سے وابستہ تھی۔ نواب سدید حسن
خان بھوپالی لکھتے ہیں:

لہ عبدالخالق، مولانا،
تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص ۳
لہ بشیر احمد قادری:
اہل حدیث اور انگریز ابو صیفہ اکیدمی فقیر والی، ص ۱۶-۱۵
بحوالہ الارشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۳

”اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کتر اہل حدیث ہیں۔“ ۱

ایسے عالم میں تشکیک کی فضا قائم کرنا اور عامۃ المسلمین کو ائمہ دین کی پیروی سے منع کرنا، وحدتِ ملی کے ختم کرنے کی جانب پہلا قدم تھا، غیر مقلدین کے پہلے امام شاہ اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں،

”اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی (اجتہاد) سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ ورسول کے کلام کو اصل رکھتے اور اس کی سند پکڑتے،“ ۲

حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ مقلدین قرآن و حدیث کے ان احکام پر عمل کرتے ہیں جو ائمہ دین نے بیان کیے جن کے علم و فضل اور تقویٰ و دیانت پر تمام دنیا کے مسلمان متفق ہیں، جبکہ غیر مقلدین براہِ راست قرآن و حدیث سے احکام حاصل کرنے اور اجتہاد کے مدعی ہیں، ان غیر مقلدین کو قرآن و حدیث کے فہم میں ائمہ مجتہدین سے کیا نسبت؟ جن کی جلالت اور ثقاہت پر دنیا کے تمام مسلمان متفق ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

فاذا كان جاهل في بلاد الهند او بلاد ما وراء النهر
وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب
من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب
ابي حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهب لانه حينئذ
يجلح سر بقعة الشريعة ويبقى سدا مهلا ۳

ص ۵۷

ترجمانِ دہلیہ

۱۔ صدیق حسن خان بھوپالی

تقویۃ الایمان (اخبار محمدی دہلی) ص ۳

۲۔ اسماعیل دہلوی

الانصاف (مکتبہ الشیخ استانبول) ص ۲۲

۳۔ ولی اللہ محدث دہلوی شاہ

”جب ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں کوئی بے علم شخص ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس پر امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اس پر حرام ہے کہ امام کے مذہب کو ترک کرے، کیونکہ وہ اس وقت شریعت کا قلابہ (گلے سے) اتار پھینکے گا اور بے کار اور مہمل رہ جائے گا۔“

چھوٹا مٹہ اور بڑی بات

نواب صدیق حسن خاں اپنے زمانہ کے مدعیان علم کے بارے میں لکھتے ہیں،
اس سے واضح ہو جائے گا کہ عالم کون ہے اور بے علم کون؟

ان قصاصی نظر ابناء هذا الزمان في علم الحديث في مشارق الافوار فان ترفعت الى مصابيح البغوى ظنت انها تصل الى درجة المحدثين وما ذاك الا لجهلهم بالحديث بل لو حفظهما عن ظهر قلب وضم اليه ما من المتون مثلها لم يكن محدثا رحتى ياج الجمل في سم الخياط وانما الذي يعده اهل الزمان بالغاً الى النهاية وينادونه محدث المحدثين وبخارى العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الاثير مع حفظ علوم الحديث لابن الصلاح او التقريب للنووي الا انه ليس في شيئ من رتبة المحدثين له

”علمِ حدیث میں ہمارے معاصرین کی نظر زیادہ سے زیادہ مشارق الانوار تک ہے اور اگر وہ امام بغوی کی مصابیح تک پہنچ جاتیں تو اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے ہیں، حالانکہ وہ اگر ان دونوں کتابوں کو زبانی یاد کر لیں اور ان کے علاوہ دیگر متون بھی حفظ کر لیں تو وہ محدث نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ ہمارے معاصرین جسے انتہا کو پہنچا ہوا شمار کرتے ہیں اور اسے محدثوں کا محدث اور بخاری عصر کہتے ہیں وہ ہے جو ابن اثیر کی جامع الاصول (کے پڑھنے پڑھانے) میں مصروف ہو اور ابن صلاح کی علوم الحدیث یا امام نووی کی تقریب سے یاد ہو حالانکہ اسے محدثین کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں ہے۔“

خود نواب صاحب نے ائمہ مجتہدین کی راہ پر چلنے سے جا بجا انکار کیا ہے اور دنیا بھر کے حنفی شافعی مالکی اور حنبلی مسلمانوں کے اجماع کو قبول کرنے سے گریز کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں،

”ہم ایک خدا کے ماننے والے اور ایک نبی برحق کی چال چلنے والے اپنے تئیں کسی اگلے بڑے اماموں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ نہ اپنے تئیں حنفی اور شافعی کہتے ہیں اور نہ حنبلی اور مالکی کہنے سے راضی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سے چند سطر بعد اجماع کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”اور بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ صرف کتاب و سنت (اجماع کا کوئی ذکر نہیں) کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھیراتے ہیں اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔“ لہٰذا

ترجمانِ دہلی، ص ۱۹

لہ صدیق حسن خاں بھوپالی؛

ص ۲۰

لہ ایضاً

ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کو مکروہ فریب اور امت مسلمہ کی غالب اکثریت کو خرابیوں کے جال میں گرفتار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور پر ظاہر ہے کہ سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغا بازیوں کی علم رائے (اجتہاد) ہے جو مسلمانوں میں بعد پیغمبر برحق کے پھیلا ہے اور مہاجال ان سب خرابیوں کا بول چال فقہار اور مقلدوں کی ہے۔“

چند سطر بعد اس سے بھی آگے کی خبر دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

”غرض یہ کہ اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو، تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتے ہیں۔ نواب وحید الزمان جو خود بھی غیر مقلد ہیں، اپنے بھائیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر، صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے، اس کو بھی نہیں سنتے ہیں۔“

غیر مقلدین کی تقلید

لطف کی بات یہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو عار جاننے والے، ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے اقوال کے آگے مقلدانہ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ نواب وحید الزمان اس غلو

ص ۲۴

ترجمان و ماہیہ

لے صدیق حسن خاں بھوپالی

ص ۲۴

لے ایضاً:

حیات وحید الزمان رنور محمد کراچی، ص ۱۰۲ (جولہ وحید اللغات
مادہ شتر شعب)

لے محمد عبدالحلیم چشتی

پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے، بُرا بھلا کہنے لگے۔

بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابو صنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟“

اسی لیے میاں نذیر حسین دہلوی کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق لکھتے ہیں،
”جیسے یہ نئے مذہب والے (غیر مقتدین) ہیں کہ کسی مذہب کو نہیں مانتے،
تو وہ مقررہ جماع امت مرحومہ کا مخالف ہے، اُس کو محمدی خالص جاننا
عین ذلالت ہے۔“

مولانا عبدالحی لکھنوی اس قسم کے نوپیدا فرقوں کے ظہور اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

ولعمری افساد هؤلاء الملاحدة و افساد اخوانهم
الاصاغر المشهورین بغیر المقلدین الذین سمو انفسهم
باهل الحدیث و شتان ما بینہم و بین اهل الحدیث
قد شاع فی جمیع بلاد الهند و بعض بلاد غیر الهند
فخریت بہ البلاد و وقع النزاع و العناد فالی اللہ

حیات و حید الزماں (جوالہ و حید اللغات) ص ۱۰۲

اے محمد عبدالحلیم چشتی،

تنبیہ الضالین (مطبع ریاض بند بگرہ) ص ۳۹

اے عبدالخالق، مولانا،

المشتكى واليه المتضرع والملتجئ بدأ الدين
 غريبا وسيعود غريبا فطوبى للغرباء۔
 ولقد كان حدث مثل هؤلاء المفسدين والملحدین
 فی الازمنة السابقة فی ان منة السلطنة الاسلامیة
 غیر مرة فقابلتهم اساطین الملة وسلاطین الامة
 بالصوارم المنکبة واجروا علیهم الجوانم المفضیة
 فاندفعت فتنهم بهلاکهم ولما لم یتبق فی بلاد
 الهند فی اعصارنا سلطنة اسلامیة ذات شوکة
 وقوة عمت الفتن واوقعت عباد الله فی المحن
 فان الله وانا الیه راجعون ۛ

” ملی نیچر یوں کے چھوٹے بھائی غیر متقدمین ہیں جنہوں نے اپنا نام
 اہل حدیث رکھا ہوا ہے، حالانکہ ان کے اور اہل حدیث کے درمیان زمین و
 آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں فرقوں کا فساد ہندوستان کے تمام شہروں اور
 بیرون ہند کے بعض شہروں میں پھیل گیا ہے۔ چنانچہ شہر خراب ہو گئے اور جھنگڑا
 اور عناد پیدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں شکایت، عاجزی اور التجا ہے،
 دین کی ابتدا غربت میں ہوئی اور وہ پھر غریب ہو جائے گا۔ پس غربا کے لیے
 خوشخبری ہے۔“

ایسے مفسدین اور ملحدین گزشتہ ادوار میں اسلامی سلطنت کے زمانے میں
 کئی دفعہ پیدا ہوتے رہے، ملت اسلامیہ کے سلاطین تلواروں سے ان کا
 مقابلہ کرتے رہے اور ان کے خاتمہ کے حتمی احکام صادر کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی

ۛ لے بدلتی لکھنوی، مولانا؛ الآثار المرفوعة، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۱۹۵۵ء

ہلاکت کے ساتھ ان کا فتنہ سرور ہوتا رہا اور جب ہمارے زمانے کے ہندوؤں میں قوت و شوکت والی اسلامی سلطنت باقی نہ رہی تو فتنے عام ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مصیبتوں میں ڈال دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

”راقم کو اگر کوئی طنز سے وہابی کہتا ہے تو تردید کی ضرورت نہیں سمجھتا لیکن اگر کوئی اہل حدیث کے نام سے یاد کرے تو اس سے برأت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، اہل حدیث سے تخریب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔“ لہ

سِرْوۃِ قَلْبِیۃ

پاک و ہند میں غالب اکثریت سنی حنفی مسلمانوں کی رہی ہے۔ غیر مقلدین ہمیشہ تعداد میں کم رہے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف خود انہیں بھی رہا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے ہم خیال علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”پھر خاص اپنے گروہ جو عام مسلمانوں کی نسبت ایسے ہیں جیسے آٹے میں نمک کی قلت پر اور عام مسلمانوں کی نظروں میں ان کی حقارت اور ذلت پر ترس کھائیں اس قلت اور ذلت کو اور نہ بڑھائیں۔“ لہ

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں:

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں۔“ لہ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

لہ مسعود عالم ندوی، حاشیہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور) ص ۲۹

۲ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۴، شماره ۱۲، ص ۳۰

۳ صدیق حسن بھوپالی، ترجمانِ دہلیہ، ص ۱۰

”حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے۔“ ۱

ان کا یہ قول بھی قابل ملاحظہ ہے؛

”اور ہند کے مسلمان، اکثر حنفی اور بعضے شیعہ اور کمتر اہل حدیث۔“ ۲

مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد لکھتے ہیں؛

”امرتسری میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے،

اسی سال قبل پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی

حنفی خیال کیا جاتا ہے۔“ ۳

مطرفہ تماشایہ کہ اس تمام ترقیت اور ذلت کے باوجود دنیا بھر کی برائیوں کا الزام

سوا د اعظم احناف کو دینے سے باز نہیں آتے اور صاف صاف کہہ دیتے ہیں؛

”اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں

کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔“ ۴

مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد سے آج تک جو جماعت غالب اکثریت

کے ساتھ موجود رہی، وہ جھوٹی ہے اور سچا فرقہ صرف وہ ہے جو انگریز کی آمد کے بعد پیدا ہوا

فیا للعجب!

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں؛

”سارے عالم اسلام میں غیر مقلدین کا فرقہ باقاعدہ جماعتی رنگ میں کبھی

پہلے تھا اور نہ ہی اب موجود ہے۔ صرف ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں

۱۔ صدیق حسن خاں بھوپالی؛ ترجمان دیوبند ص ۱۵

۲۔ ایضاً

ص ۵۷

۳۔ ثناء اللہ امرتسری؛ شمع توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴۰

۴۔ صدیق حسن خاں بھوپالی؛ ترجمان دیوبند ص ۲۴

یہ فرقہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے، لیکن ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ کا کہیں بھی نام و نشان تک نہ تھا۔ ہندوستان میں اس فرقہ کا ظہور وجود، انگریز کی نظرِ کریم اور چشمِ التفاتِ کارہینِ منت ہے۔ ۱۷

فتنوں کا سرچشمہ

سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا راستہ اور طریقہ نہ صرف صراطِ الذین انعمت علیہم کا مصلوق ہے، بلکہ ان حضرات کی پیروی وہ بابرکت قلعہ ہے جس کے اندر رہنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نئے نئے فتنوں سے محفوظ اور مامون رہتا ہے اور جب کوئی شخص ان حفاظتی حدود کو پھلانگ جاتا ہے، تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس گڑھے میں جا گرے گا۔

غیر مقلدین نے اتباعِ ائمہ کی رستی اپنی گردن سے کیا اتاری کہ جو شخص جس شکاری کی زد میں آیا، اسی کے جال میں گرفتار ہو گیا۔

غیر مقلد عالم قاضی عبدالاحد خاٹپوری لکھتے ہیں:

”پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین، مخالفین، سلف صالحین جو حقیقت ماجار بہ الرسول سے جاہل ہیں، وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں، شیعہ و روافض کے، یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحظہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف، یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں، ملاحظہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل اہل تشیع۔“ ۱۸

محمد سعید الرحمن علوی دیوبندی لکھتے ہیں:

۱۷ بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز (البحینۃ اکیڈمی، فقیر والی) ص ۶

۱۸ ایضاً، غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظریں (مطبوعہ فقیر والی) ص ۳۰

”دعویٰ تو اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نچریت انکار حدیث،
 قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے لطن سے پیدا ہوئے“^۱
 محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”سر سید کا مذہب اسلامی دنیا کو معلوم ہے کہ عقلی تاویلات اور ملاحدیو پ
 کے خیالات تھے، چند وزراء انہوں نے اہل حدیث کہلایا۔“^۲
 نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

”سید احمد خاں سی ایس آئی دعویٰ و ہابیت کا کرتے ہیں۔“^۳
 محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”قادیان میں مرزا پیدا ہوا، تو اس کو بھی اہل حدیث کے مولوی حکیم نور الدین
 بھیروی۔ جمونی اور مولوی احسن امر وہوی بھوپالی نے ویلکم یا لبیک کہا۔
 فتنہ انکار حدیث (چکڑاوی مذہب) نے مسجد چینیا نوالی میں جو اہل حدیث
 کی مسجد ہے، جنم لیا اور چٹو و محکم الدین وغیرہ (جو اہل حدیث کہلاتے تھے) کی
 گود میں نشوونما پایا اور یہی مسجد باقی مذہب چکڑاوی کا ہیڈ کوارٹر بنا گیا۔“^۴
 آج کل احسان الہی ظہیر اسی مسجد کے خطیب ہیں۔

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

”اس مقصد کے لیے بھی غیر مقلدین نے اس (انگریز) کو چند نہایت موزوں
 افراد فراہم کیے۔ یہ تھے لاہور کی چینیا نوالی مسجد کے خطیب عبداللہ چکڑاوی،

^۱ بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (مقدمہ) ص ۲

^۲ محمد حسین بٹالوی: اشاعت السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۲

^۳ صدیق حسن بھوپالی: ترجمان دہلیہ، ص ۵۷

^۴ محمد حسین بٹالوی: اشاعت السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۱، ص ۲۵۲

احمد دین گوی، اسلم جیرا چپوری، نیاز فتح پوری اور ان کے اتباع و اذتاب
 یہ اشخاص انگریز کی آرزووں، خواہشوں اور تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے کے
 لیے نہایت تیزی سے آگے بڑھے اور فرقہ انکار حدیث کی بنیاد رکھی۔ لہ
 مولوی بشیر احمد دیوبندی "خیر التقلید" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جناب بٹالوی صاحب لکھتے ہیں: — پچیس برس کے

تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق رہنے
 کا دعویٰ کرتے ہیں، اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام
 کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے
 بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔"

علماء دیوبند — اور اہل حدیث

دیوبندی مکتب فکر کے اعتقادات میں اہل حدیث کے ساتھ متفق ہونے کے باوجود
 اہل حدیث کے بارے میں تاثرات لائق مطالعہ ہیں۔

غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ

مولوی اشرف علی تھانوی، محمد حسین بٹالوی کے بارے میں کہتے ہیں،
 "مولانا موصوف غیر مقلد تھے، مگر منصف مزاج۔ حضرت (تھانوی صاحب)
 نے فرمایا کہ میں نے خود ان کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں ان کا یہ مضمون دیکھا،

لہ بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز ص ۱۱ - ۱۰

لہ ایضاً، اہل حدیث اپنے اکابر کی نظر میں ص ۳۴

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

”پچتیس سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے۔“
حضرت گنگوہی نے اس قول کو سبیل التداو میں نقل کیا ہے۔“ ۱

تھانوی صاحب کے چند اقوال ملاحظہ ہوں :

”ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدی بے عقلی کی دلیل ہے۔ بے دینی کی نہیں، ہاں جو ائمہ
مجتہدین پر تبراکرے، تو بے دینی ہے۔“ ۲

بے ادب اور گستاخ

”ایسے ہی اکثر غیر مقلد ہیں حدیث کا تو نام ہی نام ہے۔ محض قیاسات ہی
قیاسات ہیں، اپنے ہی مقلد ہیں، حدیث کی تو ہوا بھی نہیں لگی اور ایک چیز کا
تو ان میں نام و نشان نہیں، وہ ادب ہے، نہایت ہی گستاخ اور بے ادب
ہوتے ہیں جو جس کو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں، بڑے جری ہیں اس باب میں اور
بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنے والا بڑے ہی خطرہ میں ہوتا ہے سو برفا تمہ کاٹے

رخصتوں کا مجموعہ

”حضرت مولانا محمد نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکثر غیر مقلدوں کے
مذہب کا حاصل مجموعہ رخصتوں پر عمل کرنا ہے جس کا نتیجہ اکثر بے دینی ہے۔“

مجالس حکیم الامت دارالاشاعت کراچی ص ۲۴۲

۱۔ محمد شفیع، مفتی :

ص ۲۳۴

۲۔ ایضاً :

افاضات یومیہ (ادارۃ تالیفات اشرفیہ، ملتان ج ۴ ص ۲۴)

۳۔ محمد اشرف علی تھانوی

ج ۴ ص ۲۶۹

۴۔ ایضاً

غیر مقلد ہونا آسان

”غیر مقلد ہونا تو بہت آسان ہے، البتہ مقلد ہونا مشکل ہے، کیونکہ غیر مقلدی میں تو یہ ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا، جسے چاہا بدعت کہہ دیا، جسے چاہا سنت کہہ دیا، کوئی معیار ہی نہیں، مگر مقلد ایسا نہیں کر سکتا، اس کو قدم قدم پر دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے۔ بعضے آزاد غیر مقلدوں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ساند ہوتے ہیں۔ اس کھیت میں منہ مارا، اُس کھیت میں منہ مارا، نہ کوئی کھونٹا ہے نہ تنہا ہے۔“^۱

ادب و تہذیب کے دور

اکثر بچے محبت دنیا ہیں، بزرگوں سے بدگمانی اس قدر بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی حد و حساب نہیں اور اس سے آگے بڑھ کر یہ ہے کہ بدزبانی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ادب اور تہذیب ان کو چھو بھی نہیں گئے۔ ہاں بعضے محتاط بھی ہیں۔
وقلیل ماہم^۲ (اور وہ بہت تھوڑے ہیں)

نیت پر بھی شبہ

”بعضے غیر مقلدوں میں تشدد بہت ہوتا ہے، طبیعت میں شر ہوتا ہے اور مجھے تو الّا ما شاء اللہ ان کی نیت پر بھی شبہ ہے۔ سنت سمجھ کر شاید ہی کوئی

^۱ لے محمد اشرف علی تھانوی، افانساتِ یومیہ، ج ۴، ص ۲۹۴

^۲ لے ایضاً، ج ۱، ص ۲۲۲

^۳ لے ایضاً، ج ۱، ص ۲۲۲

عمل کرتے ہوں، مشکل ہی سا معلوم ہوتا ہے“^۱

ابطالِ سنت

”آج کل کے اکثر غیر مقلدوں میں تو سوء ظن کا خاص مرض ہے۔ کسی کے ساتھ بھی حسن ظن نہیں رکھتے۔ بڑے ہی جبری ہوتے ہیں، جو جی میں آتا ہے جس کو چاہتے ہیں جو چاہیں کہہ ڈالتے ہیں۔ ایک سنت کی حمایت میں دوسری سنت کا ابطال کرنے لگتے ہیں۔“^۲

فتنوں کے بانی غیر مقلدیت کے لطن سے

ہفت روزہ ختام الدین لاہور کے سابق مدیر، محمد سعید الرحمن علوی لکھتے ہیں؛
”دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکار حدیث،
قادیا نیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے لطن سے پیدا ہوئے۔“^۳

انگریز کی نظرِ کرم کا رہین منت فرقہ

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی، مدرس مدرسہ قاسم العلوم، فقیر والی لکھتے ہیں؛
”ہندوستان میں اس فرقے کا ظہور و وجود، انگریز کی نظرِ کرم اور چشم التفات
کا رہین منت ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز نے اپنے منحوس قدم جمائے،
تو اس نے مسلمانوں میں انتشار و خلفشار، اختلاف و افتراق اور تشقت و لامرکزیت

ج ۱، ص ۳۰۹

افاضاتِ یومیہ

۱۔ محمد اشرف علی تھانوی؛

ج ۲، ص ۳۲۲

۲۔ ایضاً؛

تقدیم اہل حدیث اور انگریز (ابو حنیفہ اکیڈمی فقیر والی) ص ۳

۳۔ محمد سعید الرحمن علوی؛

پیدا کرنے کے لیے لڑاؤ اور حکومت کرو“ کے شاطرانہ اصول کے تحت یہاں کے باشندگان کو مذہبی آزادی دی، کیونکہ وہ ابلیس سیاست تھا بنا بریں وہ بخوبی جانتا تھا کہ مذہبی آزاد خیالی ہی تمام فتنوں کا منبع، مصدر اور سرچشمہ ہے، اس مذہبی آزادی کے نتیجے میں فرقہ غیر مقلدین ظہور پذیر ہوا۔
آخر میں یہ طور خلاصہ لکھتے ہیں:

کیا وہ جماعت (جس کے بانی اور مؤسس ایسے گھناؤنے کردار اور گھٹیا ذہن کے مالک ہوں کہ جن کی ساری زندگی انگریز پرستی اور اسلام دشمنی میں گزری ہو، جن کی زندگی کا مشن اور نصب العین ہی انگریز کی وفاداری اور جان نثاری ہو، جو انگریزوں کے مقاصد کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہوں) محبت وطن اور ملک و ملت کی غم خوار اور بھی خواہ ہو سکتی ہے؟ کیا ایسی جماعت صحیح اسلام کی علمبردار ہو سکتی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔

. جب ان کے اکابر کے کردار کا یہ حال ہے، تو ان کے

اصاغر کے کردار کا اندازہ. ناظرین کرام بخوبی لگا سکتے ہیں۔

قیاس کن زنگستان من بہار مراٹھ

بے ادب اور گستاخ

آزاد روی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس طبقے کا رجحان خطرناک حد تک گستاخی اور بے ادبی کی طرف ہو گیا، علماء اہل سنت کے شدید محاسبے نے کسی حد تک روک تھام کی ورنہ یہ منہ زور سیلاب نہ جانے کہاں تک جا پہنچتا۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

● "غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے دریافت کر لیجئے، یہ

اللہ صاحب ہی کی شان ہے"۔

اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ غیب کا علم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ہے، معاذ اللہ! وہ غیب سے جاہل رہتا ہے تا وقتیکہ اس کے جاننے کا ارادہ نہ کرے۔

● اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے

آگے چھارے بھی زیادہ ذلیل ہے۔"۔

اس عبارت کو پڑھ کر بندہ مومن کی رُوح تک کانپ اُٹھتی ہے: "ہر مخلوق

بڑا ہو یا چھوٹا" میں تمام انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کرام سب ہی آگئے۔ ان کے بارے میں یہ

لیل کلمات لکھنا کس قدر متعفن ذہنیت کا غماز ہے؟ کوئی عیسائی یہ کلمات لکھتا تو بات

مجھ میں آسکتی تھی، مگر حیف ہے کہ یہ کلمات ایک کلمہ پڑھنے والے نے لکھے ہیں۔

● شیخ اور ان کے امثال، خواہ وہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف بہت

کا لگا دینا، اپنی گائے اور گدھے کے خیال میں غرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔ (ترجمہ)

ہمیں بحث و مناظرہ سے عرض نہیں ہے۔ اگر آپ کے سینے میں دل اور دل میں نور ایمان

کا کوئی کرن موجود ہے تو انصاف و دیانت کے نام پر بتائیے کہ اس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی توہین و تنقیص ہے یا نہیں؟ اور کیا توحید کی تکمیل کے لیے تنقیص رسالت ضروری ہے؟ ہم

اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ ایسی توحید شیطانی تو ہو سکتی ہے، رحمانی سرگز نہیں!

مولانا رومی اور مولانا جامی رحمہما اللہ تعالیٰ کی عظمت و ولایت کا ایک جہان معترف ہے،

تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۲۳

ص ۱۵

صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ لاہور) ص ۸۶

لہ محمد اسمعیل دہلوی،

۲ ایضاً،

۳ ایضاً،

مگر اہل حدیث انہیں کن القاب سے یاد کرتے ہیں؛ مولوی نور محمد کی تصنیف شہباز شریعت کا مطالعہ کیجئے، وہ لکھتے ہیں؛

ایہ جامی کتا سبھو کیا اندر تحفے کفران والے
جو جامی رومی دے پھلگ اوہ کافر سٹرن منہ کالے
مثنوی رومی دے وچہ جامی شارح چک چلایا
ہلکیاں کتیاں والے چکوں رکھیں شرم خدایا

یاد رہے کہ علامہ اقبال، پیر رومی کے اس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے کلام میں بابجا ان کے ارشادات کا تذکرہ کرتے ہیں اور مولانا جامی کی عظمتوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

کشتہ انداز ملا جامیم

نظم و نثر او عسلاج خامیم

اللہ تعالیٰ بزرگان دین کی بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھتے۔

عامتہ المسلمین کو بات بات پر مشرک قرار دینا، تو اس قوم کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ذیل کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، کس بے دردی سے تمام امت مسلمہ کو مشرک قرار دیا ہے اور غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو بھی اسی زمرے میں داخل کر دیا ہے۔ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

”پھر اللہ ایک ایسی باؤ (ہوا) بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا

ساجھی ایمان ہوگا، مرجائیں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں یعنی اللہ کی تعظیم، نہ

رسول کی راہ پر چلنے کا شوق، بلکہ باپ دادوں کی رسموں کی سند پکڑنے لگیں گے

اسی طرح سے شرک میں پڑ جائیں گے۔۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر

زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے

موافق ہوا۔“ لے

ان چند حوالوں کے پیش کرنے کا مقصد اس ذہنیت کی نشان دہی کرنا ہے جو اہل حدیث کا امتیازی وصف ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے:

تحقیق الفتویٰ
علامہ فضل حق خیر آبادی
اطیب البیان
مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی
اللوکبۃ الشہابیہ
امام احمد رضا بریلوی
مولانا اسمعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان
مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی

تبدیلی عنوان

سید احمد بریلوی اور شاہ اسمعیل دہلوی نے ائمہ اربعہ کے طریقے پر چلنے کو غیر ضروری قرار دیا اور کہا کہ ان چاروں مسالک سے جو کتاب و سنت کے قریب ہو اس پر عمل کر لیا جائے اور کسی درپیش مسئلہ میں کسی بھی امام کے قول پر عمل کر لینا چاہیے۔ کسی ایک معین امام کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اس فرقے کا نام سید صاحب کی نسبت سے احمدی رکھا گیا۔ سید صاحب کی وفات کے بعد ان کے معتقدین میں مزید شدت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنے افکار کے ساتھ ساتھ نئے نئے نام تجویز کرنا شروع کر دیئے۔ پہلے محمدی پھر موصد اور آخر میں اہل حدیث نام تجویز کیا۔ مولوی محمد شاہ جہانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موصد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے

دارالرشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۳، ۲

ص ۵۲

تقویۃ الایمان (دہلی)

لے محمد اسمعیل دہلوی

مشاہداتِ کابل و پاکستان (انجمن ترقی اردو، کراچی) ص ۱۰۶

لے محمد علی قصوری

ص ۱۴ غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں

۳ بشیر احمد قادری

غیر مقلدین کے مخالفین انہیں وہابی کے نام سے یاد کرتے تھے، حکومت کے کاغذات میں بھی یہی نام استعمال ہوتا تھا۔ غیر مقلدین کے مشہور راہنما مولوی محمد حسین بٹالوی نے باقاعدہ درخواست دے کر انگریزی حکومت سے اپنا نام اہل حدیث "الاط کرایا اور حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو درخواست حکومت کو دی، اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

● لفظ وہابی ایسے دو بڑے معنوں میں مستعمل ہے جن سے گروہ اہل حدیث کی برائت و نفرت ثابت ہے۔ لہذا اہل حدیث اپنے حق میں اس لفظ کی استعمال جائز نہیں جانتے اور اس کو لائبل (مزیل حیثیت) لفظ خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مومن، لفظ کافر کو یا مسلمان، لفظ حلال خور کو۔

اور اپنی مہربان گورنمنٹ اور خواص ملک سے وہ اصرار کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس لفظ سے اس گروہ کو مخاطب نہ کیا کریں۔

● یہ فرقہ گورنمنٹ کا دلی خیر خواہ، گورنمنٹ سے اس درخواست کرنے کی جرات کرتا ہے کہ گورنمنٹ اپنی خیر خواہ رعایا کی نسبت ایسے لفظ کا استعمال قطعاً ترک کرے۔

یہ درخواست ۱۹ جنوری ۱۸۸۷ء کو منظور ہوئی۔ بٹالوی صاحب نے اس کا تذکرہ تمام ترممنونیت کے ساتھ کیا، لکھتے ہیں:

اس درخواست کو ہمارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس لیکچی سن صاحب بہادر بالقابہ نے معرض قبول میں جگہ دی اور بڑے زور کے ساتھ گورنمنٹ ہند کی خدمت میں اس کی قبولیت کے لیے سفارش کی۔

مسلمانوں کے حال پر رحم فرماؤ ہر دل عزیز و آسراؤ گورنر جنرل لارڈ

ڈفرن بالقابہ نے بھی سرچارلس لیچی سن صاحب بالقابہ کی رائے زریں سے
 اتفاق رائے ظاہر فرمایا اور سرکاری کاغذات میں اس لفظ کے استعمال سے
 ممانعت کا حکم فرمایا۔^۱

نام کی تبدیلی کا اہم فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

منجملہ ان نتائج کے جو ۱۸۸۶ء میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک عمدہ نتیجہ یہ ہے

کہ اس رسالہ (اشاعت السنۃ) نے گروہ اہل حدیث کی وفاداری گورنمنٹ پر
 ثابت کر دی اور ان کے حق میں لفظ ”وہابی“ کا رجحان واقفوں کے خیال میں ان کی
 وفاداری میں شبہ انداز تھا، استعمال حکماً موقوف کر دیا۔^۲

اگست ۱۹۰۲ء میں مولوی محمد حسین بٹالوی شملہ گئے، تو رپورٹ مردم شماری میں

بعض جگہ اہل حدیث کے لیے لفظ وہابی لکھا ہوا دیکھا، چنانچہ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ مردم شماری
 پنجاب، ایچ۔ اے روز کو ایک درخواست دی، جس میں لکھا:

”ازراہ مہربانی و انصاف پروری اس نیک نیم (بدنام) کو رپورٹ میں بدل
 دیا جائے۔۔۔۔ اس بُرے لقب کو اپنے حق میں کوئی اہل حدیث استعمال
 نہیں کرتا۔“^۳

ایچ اے روز نے یہ درخواست اپنے سفارشی ریمارک کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب

کو بھیج دی، پھر بٹالوی صاحب لفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ملے اور اس معاملہ کی طرف
 توجہ دلائی =

”جس پر ہمارے بیدار مغز جزورس نامور لفٹیننٹ گورنر سرچارلس ریواڑ صاحب

^۱ محمد حسین بٹالوی : اشاعت السنۃ، ج ۹، شماره ۷، ص ۹-۱۹۷

^۲ ایضاً، ج ۱۰، شماره ۱، ص ۷

^۳ ایضاً، ج ۱۹، شماره ۹، ص ۱

بہادر نے حکم صادر فرمایا کہ جن کا غذاتِ مردم شماری میں لفظ "وہابی" لکھا گیا،
ان کو ردی کر کے از سر نو کا غذات چھپائے جائیں۔" ۱۷

ہندوستان کی برطانوی حکومت نے ۱۸۸۱ء کی مردم شماری رپورٹ
میں اس فرقے کا اندراج "وہابی" کے تحت کیا ہے۔ ۱۸

لیکن بعد کی رپورٹوں میں ان کی درخواست پر ان کے فرقہ کو اہل حدیث کے حروفِ تہجی
کے تحت لائے ہیں۔

روزنامے اس فرقہ کے عقائد کی تفصیلات تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے :

اس فرقے کے پیروں کو تمام مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں۔

۱۹ They call the rest of the Muhammadans Mushrik

ان تفصیلات سے اس فرقہ کی حکومت سے وفاداری، حکومت کی نگاہ میں قدر و
منزلت اور بٹالوی صاحب کی شبانہ روز تنگ و دو کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مستند خیر خواہ

نام کی اس تبدیلی کے فائدے پر اس انداز سے جوشنی ڈالی گئی ہے،
اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ پنجاب سے ایک سرکلر جاری

۲۰ لے محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲

betson, D.C. : Census Report for the Panjab, Lahore, 1882,
pp. 147-48

ose, H. R : A Glossary of the Tribes and Castes of the
Punjab and North West Frontier Province, Lahore, 1978,
Vol. II p. 8

کرادیا کہ اہل حدیث کو وہابی کہنا لائیں (مذہب جہنمیت) ہے خود گورنمنٹ پنجاب اور اس کے اعلیٰ حکام نے اپنی چٹھیوں میں اعتراف کیا ہے کہ اہل حدیث برٹش گورنمنٹ کے بدخواہ نہیں ہیں، بلکہ خیر خواہ ہیں۔ لہ

اہل حدیث — اور انگریز

اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدین سیاستِ جدیدہ سے بخوبی واقف واقع ہوئے ہیں، مانے کے نشیب و فراز اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے گڑ سے واقف ہیں، چاہے اس کے لیے کیسے ہی جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرنا پڑیں۔

شاہ اسماعیل دہلوی خاندانِ ولی اللہی میں امتیازی شخصیت کے حامل تھے علمی ماحول بن پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور مروجہ علومِ دینیہ حاصل کیے۔ گھڑ سواری اور تیراکی کے خاص ور پر شائق تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں،

”اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوادیا تھا“

شاہ اسماعیل دہلوی کے مزاج میں ابتداء ہی سے آزاد روی پائی جاتی تھی۔ دہلی میں جب ان نے اپنے حنفی آباء و اجداد اور اساتذہ کے برعکس رفع یدین شروع کیا، تو ان کے چچا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے انہیں کہلا بھیجا کہ رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا، انہوں نے جواب میں فوراً یہ حدیث پڑھ دی،

من تمسک بسنتی عند فساد اُمتی فله اجر مائة شهید
 جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو اپنائے اُس کے لیے سو شہید کا اجر ہے

اشاعة السنة، جلد ۱، شماره ۱، ص ۱۰

لہ محمد حسین بٹالوی،

حیاتِ طیبہ (مکتبۃ السلام، لاہور) ص ۶۱

لہ مرزا حیرت دہلوی،

اس پر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا:

”بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمعیل عالم ہو گیا، مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ

سمجھا۔ یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور مانحن فیہ

رزیرجیت مسند، میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں، بلکہ دوسری سنت ہے

کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے، یوں ہی ارسال بھی سنت ہے۔“ ۱

اسی آزاد روی کا نتیجہ تھا کہ تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی جس میں انبیاء و اولیاء کے حق

میں ایسی زبان استعمال کی گئی جو قطعاً ان کے شایان شان نہ تھی۔ عامۃ المسلمین کو بے دریغ

اور اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ محمد اعظم بیگ لکھتے ہیں:

”اور انبیاء و اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا

ہے جو خلاف شان اس عظیم الشان گروہ کے ہے، چنانچہ تقویۃ الایمان وغیرہ

ان کے رسائل نظم و نثر میں بہت جگہ اشارہ اس طرف ہے اور بہت عقائد

جو مختلف فیہ ہیں، ان پر بڑے شد و مد سے یہ لوگ عوام کو ایک طرف کھینچتے ہیں اور

تقلید حنفی کو پسند نہیں کرتے۔“ ۲

اس تشدد کا خود انہیں بھی احساس تھا، چنانچہ ایک مجلس میں شاہ اسمعیل دہلوی نے کہا

”میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذراتیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ

تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک حنفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔

ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی، گو اس سے

شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ پھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔“ ۳

۱ حکایات اولیاء (دارالاشاعت کراچی) ص ۱-۱۲۰

۲ اشرف علی تھانوی،

تواریخ ہزارہ (دکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۷۸ء) ص ۳۷

۳ محمد اعظم بیگ،

ص ۴-۱۰۳

حکایات اولیاء

۴ اشرف علی تھانوی،

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت وہ شورش پیدا ہوئی جو کبھی ختم نہ ہو سکی اور مسلمانوں میں ایسی فرقہ وارانہ خلیج حائل ہو گئی کہ بعد میں اس کے پاٹنے کی کوئی سبیل پیدا نہ ہو سکی انگریزوں کو ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیں اور کبھی متحد نہ ہونے دیں۔ شاطر فرنگی کی سیاست کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ”لڑاؤ اور حکومت کرو۔“ اس مقصد کے لیے وہ لوگ قطعاً موزوں نہ تھے جو قدیم طریقوں پر سختی کے ساتھ قائم رہنے میں ہی اپنی بقا تصور کرتے ہوں۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شرک خفی کو شرک جلی قرار دینے کا اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا؟ یہ تو خود شارع بننے کے مترادف ہے۔

انگریزوں نے تقویۃ الایمان کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کا انگریزی ترجمہ کروا کر شائع کیا، ظاہر ہے کہ بلا وجہ اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ سر سید لکھتے ہیں:

”جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ان میں ساتویں کتاب ”تقویۃ الایمان“ ہے، چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے رسالہ (جلد ۱۳، ۱۸۵۲ء) میں چھپا تھا۔“

یہ انگریزی ترجمہ منشی شہامت علی نے کیا تھا جو ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔ شہامت علی نے دہلی کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی اور مختلف اوقات میں انگریزوں کے ترجمان کے طور پر کام کرتا رہا۔ خاص طور پر اس نے سر سی۔ ایم ویڈ (Wade) کے ساتھ منشی کے طور پر کام کیا تھا۔ ۲

سید احمد بریلوی ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں خاموشی پسند اور علم و تعلیم سے بے تعلق واقع ہوئے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں،

مقالات سر سید (مجلس ترقی ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۷۸

۱۔ سید احمد خاں، سر

ج ۹، ص ۱۳۱

ب: ایضاً

تاریخ حسن ابدال (ادارہ تحقیقات، پاکستان، لاہور) ص ۱۲۶

۲۔ منظوم الحق صدیقی، پروفیسر

”یہ تعجب سے نظر کیا جاتا ہے کہ بزرگ سید بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرلے درجے کا غیبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سؤ ہے، کبھی کچھ آئے جاتے گا نہیں۔“ لے

”قرآن پاک پڑھنے کے بعد کریا پڑھنے کی باری آتی تو حال یہ تھا کریما کا پہلا مصرع خاصہ دعائیہ ہے، مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا اس پر بھی کبھی کریما کو بھول گئے، تو کبھی ہر حال ما کو دل سے محو کر دیا۔“ لے

بیس سال کی عمر میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پاس دہلی پہنچے اور دو سال ان کے پاس رہے۔ ۲۳ سال کی عمر میں امیر خاں پنڈاری کے پاس مالوہ میں جا کر سواروں میں ملازم ہو گئے، پھر باڈی گارڈ افسر بنا دیتے گئے۔ اسی دوران انہوں نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا اور وہ یہ کہ امیر خاں جو انگریزوں سے برسرِ پیکار رہتا تھا، اس کی صلح انگریزوں سے کروادی۔

”لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب — سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے بڑا نہیں ہے، تو تمہاری اولاد کے لیے ستم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔“ لے

ایک عرصہ بعد امیر خاں کی ملازمت ترک کر کے پھر دہلی پہنچے۔ شاہ اسماعیل دہلوی اور مولوی عبدالحی دہلوی ایسے علماء سید صاحب کی اقتدار میں دو رکعت نماز ادا کر کے اتنا متاثر

ص ۲۸۵

حیاتِ طیبہ

لے مرزا حیرت دہلوی

ص ۲۸۶

لے ایضاً،

ص ۵۱۳

لے ایضاً،

ہوئے کہ حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے۔ ۱۷

کیا یہ تحریک انگریزوں کے خلاف تھی؟

سید صاحب کی صوفیانہ وضع قطع اور شاہ اسماعیل کا علم اور زورِ خطابت جمع ہوئے تو ایک قیادت کا سامان فراہم ہو گیا۔ طے یہ پایا کہ جگہ جگہ وعظ کر کے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے چندہ اور افرادی قوت جمع کی جائے، پچنانچہ اس پروگرام پر پورے زور و شور سے عمل کیا گیا۔ جہاد سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ حج کر لیا جائے۔ ۱۲۳۶ھ میں ایک قافلہ کے ہمراہ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ ۱۷

انگریزی قلمرو میں اس تمام کارروائی اور سفر حج کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں:

”ان کو فضل رسول بدایونی نے وہابی اور سرکار کا دشمن بتلایا، حالانکہ وہ کلکتہ تک گئے تھے اور ہزاروں مسلمان فوج انگریزی کے ان کے مرید ہوئے تھے، مگر انہوں نے کبھی یہ ارادہ (جہاد) ساتھ سرکار انگریزی کے ظاہر نہیں کیا اور نہ سرکار نے ان سے کچھ تعرض فرمایا، حالانکہ خاص کلکتہ سے سات سو آدمی اپنے ہمراہ لے کر حج کو گئے اور مدت دراز تک ہزاروں مریدوں کو ہمراہ لے کر ہندوستان کے شہروں میں وعظ و نصیحت کرتے پھرے۔“ ۱۷

حج کے بعد زور شور سے سکھوں سے جہاد کے وعظ کہے گئے اور روانگی سے پہلے انگریزی حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی گئی۔

۱۷ محمد علی، سید،

مخزن احمدی (مطبع مفید عام، آگرہ) ص ۳۵

۱۸ مرزا حیرت دہلوی،

حیات طیبہ ص ۵۱۸

۱۹ صدیق حسن خان بھوپالی،

ترجمان وہابیہ ص ۱۴

سید صاحب نے مولانا شبید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس اللہ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے، تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں۔ اس وقت تک پنجاب اور موجودہ سرحد پر انگریز کا تسلط نہیں ہوا تھا۔ پنجاب سے ہری پور تک سکھوں کی حکومت تھی، ایسے میں سکھوں کے خلاف کارروائی کو انگریز ناپسندیدگی کی نگاہ سے کیوں دیکھتے؟ اس طرح تو ان کی راہ کا ایک سنگ گراں خود بخود دور ہو رہا تھا۔

سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں :

”تحریک مجاہدین کا قیام پنجاب کی سکھ حکومت کے خاتمے کے لیے عمل میں لایا گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب بست و کشاد بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اس تحریک سے ان کے دو مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ وادی گنگ و جمن کی مسلم اشرافیہ کے ذہن نوجوان ترک وطن کر کے ان کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ پنجابی (سکھ) حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں، جس سے دونوں قوتیں کمزور ہو رہی ہیں۔“

ضیغم صاحب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی تصنیف ”بصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ“ ص ۲۶۸-۲۶۹ کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں :

اسی بنا پر کمپنی کے زیر تسلط علاقوں میں سید احمد اور شاہ اسماعیل کو کئی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ انہیں نہ صرف ہر جگہ عوام سے خطاب کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ بلکہ ان کی تحریک کے لیے چندے کی فراہمی میں بھی انگریزوں نے تعاون

کیا۔ یہاں تک کہ ان مقامی ساہوکاروں پر انگریسی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کی اجازت بھی دئی جی جو اس روپے کو مجاہدین تک پہنچانے میں کوتاہی برتتے تھے جو انہیں اس مقصد کے لیے دیا جاتا۔ علاوہ ازیں تیل کے کارخانوں اور دوسرے کاروباری اداروں کے مقامی مزدوروں کے جہاد میں حصہ لینے کے لیے مختلف مراعات عطا کی گئیں۔“ لہ

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ تحریک انگریزی حکومت کے خلاف قطعاً نہ تھی، اس سے تو گورنمنٹ کے مقاصد کی تکمیل ہو رہی تھی۔ سرحدی مسلمان اگر اس قسم کے خدشات کا اظہار کرتے تھے، تو ان کو بے بنیاد نہیں کہا جاسکتا:

”خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریز کے مشورہ سے واسطے

فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے۔“ لہ

اس تحریک کے ہندوستان میں ردعمل کی بابت ۱۸۲۷ء میں میٹکاف نے گورنر جنرل کو جو رپورٹ پیش کی، اس میں لکھا ہے:

”سید احمد، مولوی اسماعیل اور ان کے پیروکار ساتھیوں نے ہماری مسلمان رعایا کے قلب و ذہن پر بے گہر تو نہیں، لیکن ایک وسیع اثر انگیزی ضرور مرتب کی ہے رنجیت سنگھ کے زیر عملداری علاقوں پر ان (مجاہدین) کی حالیہ یلغار نے دہلی کی مسلم آبادی کے دلوں میں ان کی کامیابی کے لیے مضطربانہ جذبات موجزن کر دیئے ہیں، چنانچہ عام لوگوں کی کثیر تعداد اپنے گھر بار چھوڑ کر لشکر مجاہدین میں جا شامل ہوئی ہے اور فوجی ملازمین مستعفی ہو کر ان سے جا ملے ہیں کہا جاتا ہے کہ شاہ دہلی (مہادر شاہ ظفر) نے لوگوں میں اس جوش و جذبہ کے فروغ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔“

ماہنامہ المعارف، لاہور (فروری ۱۹۸۳ء) ص ۷۱

لہ سبط الحسن ضیفم، سید

تواریخ ہزارہ (وکٹوریہ پریس، لاہور ۱۸۷۸ء) ص ۷۲۵

لہ محمد اعظم بیگ

Metcalf reported the repercussions in India to the governor general in the following words: "Syed Ahmed, Maulvi Ismail, and their colleagues have established a very extensive, if not universal, influence over the minds of our Mohammedan subjects. During the period of their recent attack on Ranjit Singh's territories, the most fervent anxiety for their success pervaded the Mohammedan population of Delhi. Numbers quitted their homes and marched to join them, including some who resigned their employments in the Company's service, both the military and the civil branches, for that purpose. It is said that the King of Delhi encouraged this spirit." (PC 38 of 22.6.1827.)^۱

اس تحریک کے بارے میں تحقیق و دیانت کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ انگریزوں کے خلاف ہرگز نہ تھی۔ اُردو ادب کے مشہور محقق اور سید صاحب کے عقیدت مند حافظ محمود شیرانی نے ہنٹر کے نقطہ نظر کی مدلل تردید ان الفاظ میں کی ہے:

"یہاں لفظ 'باغی' پر میرا اعتراض ہے۔ سید صاحب (سید احمد) کے سرحد پہنچنے کے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر سید صاحب نے انگریز سے کدھر بغاوت کی۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریز کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا، چونکہ تحریک سکھوں کے خلاف تھی، اس لیے کمپنی نے دانستہ اعماض کیا اور اپنے علاقے میں اس تحریک کے دبانے کی کوشش نہیں کی اس لیے سید صاحب کو ہنٹر کا باغی لکھنا، اس لفظ کا غلط اور جلد بازارہ استعمال ہے۔^۲
مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں،

"یہ تمام بتیں ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا، نہ انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخالفت نہ تھی۔"

^۱ Khushwant Singh : History of the Sikhs, Delhi, Oxford University Press, 1977, Vol. I p. 272 F n.

^۲ مجلہ تحقیق، حافظ محمود شیرانی نمبر (جلد ۳، شماره ۲-۳) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۴۸

ص ۵۲۳

حیاتِ طیبہ

مرزا حیرت دہلوی،

سرسید لکھتے ہیں،

”جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزوں کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔“ لے

خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کہ کمپنی اس تحریک کو اپنے حق میں نہ صرف بے ضرر سمجھتی تھی، بلکہ اپنے مقاصد کے مطابق قرار دیتی تھی۔

کلکتہ میں جہاد کے موضوع پر تقریر ہو رہی تھی۔ سکتوں کے مظالم بیان کیے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ شاہ اسماعیل دہلوی نے جواب دیا:

”ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے، ایک تو ان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آج نہ آنے دیں۔“ لے

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

”ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ مولانا اسماعیل شہید کا جہاد سکتوں سے تھا تو مسلمانوں کے مذہب سے تعزین کرتے تھے، نہ انگریزوں سے جن کو کسی مذہب سے

لے سید احمد خاں، سرا، مقالات سرسید (مجلس ترقی ادب لاہور) ج ۱۹، ص ۱۴۲

لے مرزا حیرت دہلوی، حیات طیبہ (مطبع سناروقی، دہلی) ص ۲۹۴

نوٹ: حیات طیبہ مطبوعہ لاہور میں اخفایہ حقائق کے لیے یہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔

آخر ۸ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟ ۱۲ قادری

تعرض نہیں ہے؛ بلکہ انگریزوں سے جہاد کرنے کو وہ بر ملا ناجائز کہتے تھے۔“ لے
مشہور سکھ مورخ خوشنونت سنگھ (Khushwant Singh) لکھتا ہے

The British government made no attempt to check this
crusade against a state with which it had signed a treaty
of friendship. ۲

برٹش سرکار نے جس (سکھ) ریاست کے ساتھ تحریری معاہدہ دوستی کیا تھا اس کے
خلاف ہونے والے جہاد کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں کی۔
مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

”جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے
اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔“
گرداب حیرت

مولوی محمد حسین بٹالوی کہتے ہیں: ”مجاہدین“ انگریزوں سے جہاد کرنے کو بر ملا ناجائز کہتے تھے۔
خوشنونت سنگھ کہتا ہے: ”برطانوی حکومت نے دوستوں کے خلاف مجاہدین کی کاروائی پر پابندی
عائد نہ کی۔“ مدنی صاحب کہتے ہیں کہ ”انگریزوں نے جنگی سامان کے مہیا کرنے میں سید صاحب
کی مدد کی۔“ ”مقام حیرت ہے کہ آخری جنگ میں ایک انگریز — ایگزیکٹو گارڈز بھی
”مجاہدین“ کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا اور صرف شریک ہی نہیں، بلکہ ایک دستے کا کمانڈر بھی تھا۔
اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے مجاہدین کو کس حد تک امداد فراہم کی تھی اور اس

۲۹ ص ۲، شمارہ ۲، ج ۹، اشاعت السنۃ، لے محمد حسین بٹالوی :
Khushwant Singh : History of the Sikhs, Delhi, 1977, Vol. I.
p. 271.

نقش حیات (بیت التوحید، کراچی) ج ۲، ص ۱۹۴
۲ حسین احمد مدنی :

پروپیگنڈے کی حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کا اصل مقصد انگریزی حکومت کا خاتمہ تھا گارڈنز، سید صاحب تک کس طرح پہنچا؟ اس کی تفصیل خود اُس نے بیان کی ہے

”امیر (والی کابل، دوست محمد خاں) نے مالِ غنیمت کو تو بخوشی منظور کیا، لیکن موٹے جھوٹے لباس والے اہل سیف کے لشکر کو (اپنی ملازمت میں) قبول نہ کیا، یہ لوگ اپنے بر خود غلط اعتماد سے پشیمان اور پریشان ہو کر علاقہ جات باجوڑ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں انہیں میر عالم خاں نے اپنی ملازمت میں (سید احمد غازی کی امداد کے لیے) بھرتی کر لیا۔

سید صاحب اُس وقت سکھوں کے خلاف اپنی لڑائی لڑ رہے تھے مذکورہ لشکر کی نضری دوسو پچاس تک کیسے پہنچ گئی؟ یہ امر واضح نہیں ہوتا۔

جونہی گارڈنز، سید صاحب کی صف آرائی کے مقام پر پہنچا، اُس نے دستور کے ہاتھوں ان کی شکست و سزیمیت کا نظارہ کیا، چنانچہ طالع آزما (گارڈنز) نے کسی معرکہ کے بغیر لوٹ مار کے مال سے اپنا حصہ وصول کیا اور اپنے (زیر کمان) فوجیوں کو برخاست کرتے ہوئے انہیں واپسی کا حکم دیا، اسے مالِ غنیمت کی یافت کن ذرائع سے اور کس طور ہوئی؟ یہ امر واضح نہیں۔

لے جنرل وینٹورہ (Ventura) وہ پہلا غیر ملکی جنرل تھا جس نے رنجیت سنگھ کی فوج کو مغربی طرز پر تربیت دی، وہ ایک اتالوی تھا جو نپولین کی فوج میں جنرل رہ چکا تھا۔ وہ ۱۸۲۲ء میں لاہور پہنچا، اسے رنجیت سنگھ نے ملازم رکھ لیا، بہت بڑی تنخواہ اور جاگیریں دیں اور بڑی بڑی مہمات اس کے سپرد کی گئیں۔ ۱۸۳۱ء میں (مجاہدین کے خلاف) جو مہمات روانہ کی گئیں، یہ اُن میں بھی شریک تھا، پھر اسے لاہور کا قاضی اور گورنر بنا دیا گیا، ۱۸۵۸ء میں فوت ہوا۔

Buckland, C. E. : Dictionary of Indian Biography, Lahore,

1975 pp. 435-6

اصل عبارت یہ ہے :

The Amir gracefully accepted the booty, but declined the swords of "the men in buckram," who, doubtlessly repenting of their misplaced confidence, drifted into the Bajour country, and accepted service with Mir Alam Khan, who hired the band, swollen in some unexplained manner to 250 men, to Syad Ahmad Ghazi, then making his last stand against the Sikhs. Gardiner reached the Syad just in time to see him routed by Ventura, whereupon the adventurer retired, and sharing out the booty, dismissed his band. Where this booty came from is also unexplained.

اس تحریک کا مطالعہ کرنے والا یہ معلوم کر کے حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ تحریک جو سکھوں کے خلاف تھی، اس کا ابتدائی تصادم مسلمانوں سے ہوا،

"سید صاحب نے پہلا جہاد مسمیٰ یا محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔"

یہ ۱۸۳۰ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد پابندہ خاں کو دعوت دی کہ سید صاحب

کے ہاتھ پر بیعت کر لو، وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوا، تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس پر چڑھائی کر دی۔ پابندہ خاں جو تمام زندگی سکھوں کے خلاف برسہا برس پیکار رہا، اُس نے وقتی طور پر

سکھوں سے صلح کر لی اور اپنا بیٹا جہاں داد خاں بہ طور ضمانت گروی رکھ کر دو پلٹن فوج

حاصل کی اور مجاہدین سے اپنا علاقہ خالی کر لیا، بعد میں سکھوں کے ساتھ پابندہ خاں

کی جنگیں بدستور ہوتی رہیں۔ ۲۷

Grey : European Adventurers in Northern India, Lahore, 1929, pp. 274.

تذکرۃ الرشید (مکتبہ بحر العلوم، کراچی) ج ۲، ص ۲۷۰

۲۷ عاشق الہی میرٹھی،

تاریخ تناویلیاں، تالیف ۱۸۷۵ء (مکتبہ قادریہ لاہور) ص ۵۲-۹

۲۸ مراد علی، سید،

الیکزنڈر گارڈنر جو بعد میں پنجاب آرمی میں کرنل کے عہدے پر فائز ہوا اور مجاہدین کی معینت میں تھا، اس نے اس لڑائی کا چشم دید بیان ان الفاظ میں کیا ہے:

”سید احمد اور مولوی عبدالحی اپنے بقیۃ السیف ہندوستانی پیروکاروں کی بھاری میں سکھ فوج کے جنونی اکالیوں کا مقابلہ دست بدست جنگ میں نہایت سببگیری سے کر رہے تھے، انہیں اچانک یہ صورت پیش آئی کہ وہ اپنے لشکروں کی مجموعی قوت بازو سے کٹ کر رہ گئے۔ سید صاحب کا بڑا لشکر جو ان سے فاصلے پر تھا، اپنے قائد کے بغیر کسی اچھی جنگی مہارت کا مظاہرہ نہ کر پایا، جو نہی میری نظر سید احمد اور مولوی عبدالحی کی جانب اٹھی، تو میں نے دیکھا کہ انہیں سینکڑوں ہتھیاروں سے چھید ڈالا گیا تھا۔ ان دونوں قائدین کے ارد گرد جتنے لوگ تھے، ایک ایک کر کے قتل ہوئے (اور سید صاحب کی فوج کا بڑا حصہ اطراف و جوانب میں تہتر بتر ہو گیا) جس دم سید صاحب زخمی ہو کر گرے تو میرا ان سے صرف چند سو گز کا فاصلہ تھا، میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی فرشتہ نازل ہوا ہو اور موسوف کو بہشت کی طرف اٹھا کر لے گیا ہو، اگرچہ ان کے بہت سے مریدوں نے بعد میں اپنی یادداشت سے یہ بیان کیا کہ انہوں نے حقیقتاً اس کا مشاہدہ کیا تھا۔“

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

Alexander Gardner, who later became a colonel in the Punjab army and was with the crusaders at the time, gave an account of this skirmish in the following words:

لے اس وضاحت میں خوشنونت سنگھ کو منغلطہ واقع ہوا ہے، مولوی سے گارڈنر کی مراد مولوی محمد اسماعیل دہلوی مولوی عبدالحی تو اس واقعہ سے پہلے ۸ شعبان ۱۲۲۳ھ / ۱۸۲۸ء کو فوت ہو گئے تھے (ملاحظہ ہو، تاسیہ احمد شہید، محمد جعفر تقانیسری، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۷ - ۲۳۶)

Syed Ahmed and the Maulvi (Abdul Haye), surrounded by his surviving Indian followers, were fighting desperately hand to hand with the equally fanatical Akalis of the Sikh army. They had been taken by surprise and isolated from the main body of the Syed's forces, which fought very badly without their leader. Even as I caught sight of the Syed and Maulvi they fell pierced by a hundred weapons. Those around them were slain to a man, and the main body dispersed in every direction. . . . I was literally within a few hundred yards of the Syed when he fell, but I did not see the angel descend and carry him off to paradise, although many of his followers remembered afterwards that they had seen it distinctly enough."

¹ Memoirs of Sir Robert Gordon, pp. 171-2

گارڈنز کون تھا؟

اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ ایک مہم جو تھا۔ امریکہ میں ۱۸۵۷ء میں ایک ڈاکٹر کے ہاں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۲ء میں مصر اور ایران پر تاجدار افغانستان پہنچا اور امیر دوست محمد خان والی آفغان کے بھتیجے امیر حبیب اللہ خان کے ہاں ملازم ہوا، وہ چونکہ افغانستان کے سیاسی معاملات میں ملوث تھا اس لیے قندھار میں گرفتار ہوا اور نو ماہ قید رہا۔ وہ موجودہ صوبہ سرحد میں وقت پہنچا جب "مجاہدین" سکھوں پر آخری حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، اُس نے اپنے آپ سید احمد بریلوی کے سامنے پیش کیا اور "مجاہدین" میں شامل ہو گیا، "مجاہدین" کی شکست کے وہ رنجیت سنگھ کی فوج میں کرنل آف آرٹلری بنا دیا گیا۔ اُس نے رنجیت سنگھ کی موت تک اُس کے لیے مہمات میں اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں گلاب سنگھ والی جموں کا ملازم ہو گیا اور اپنی موت ۱۸۷۷ء تک اسی خدمت پر مامور رہا۔ وہ سیالکوٹ میں دفن کیے گئے۔

Kland, C. E. : Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975. p. 159

ushwant Singh : Ranjit Singh, London, G. Allen, 1952, pp. 164-65.

Grey, C : European Adventurers of Northern India, ed. by
Garrett, Lahore, 1929, p. 274, 265-291

Khushwant Singh : Ranjit Singh, London, 1962, p. 164

انوکھا معیارِ تحقیق

اس جماعت کے کارناموں کو منظرِ عام پر لانے میں مشہور مورخ غلام رسول مہر کا بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے تاریخ کی بنیاد حقائق پر رکھنے کی بجائے عقیدت پر رکھی ہے، خود ان کا بیان ہے:

”میں مجاہدین کی شان و آبرو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں۔ اگرچہ وہ بعض سابقہ بیانات یا توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔“ لہ

اب اگر کوئی شخص خالص تاریخی نکتہ نگاہ سے حقائق سے آگاہی حاصل کرنا چاہے، تو اسے عمل یا خد کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ عقیدے اور عقیدت کے بنیاد پر تاریخ لکھنے والوں سے علمینان میسر نہ ہو سکے گا۔

مقصدِ جہاد

کسی بھی کام کی خوبی یا خرابی میں اس کے مقصد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ سید صاحب کی تحریک تمام تر رخ سکتوں کی طرف تھا یا سرحدی مسلمانوں کی طرف، انگریزوں کی طرف ہرگز نہ تھا جیسا کہ سے پہلے باحوالہ گزر چکا۔ اس تحریک کے مقصد کا ایک دوسرا پہلو بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

”سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پر دہی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ — اس سے آپ کو غرض نہیں ہے۔ جو لوگ حکومت کے اہل

افادات مہر (شیخ غلام علی لاہوری) ص ۲۳۱-۲

لہ شہیر محمد بنی ڈاکٹر،

ہوں گے۔ ہندوہوں یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔“ لہ

اس پر علامہ ارشد القادری نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

”آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لا دینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اٹھا تھا۔“ لہ

زلزلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی، ایڈیٹر ماہنامہ تجلی، دیوبند نے علامہ ارشد القادری کے اس تبصرہ پر داد دینے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ وہ بہ طور اعتراف حقیقت لکھتے ہیں:

”ہم کتنی ہی جانبداری سے کام لیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ریمارک میں لفظ تلخی آگئی ہے، لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے؟ کوئی افتراء ہے؟ کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو درست مان لیا جائے، تو حضرت اسمعیل کی شہادت محض افسانہ بن جاتی ہے۔ مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجے میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجرِ آخرت کا موجب کیوں ہوگا؟

لہ حسین احمد مدنی، نقش حیات ج ۲، ص ۱۹

لہ ارشد القادری، علامہ؛ زلزلہ (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۱۰۰

لہ عامر عثمانی؛ زلزلہ (تبصرہ) ص ۱۸۷

یہ کسی بریلوی کے رشحاتِ قلم نہیں ہیں، جنہیں تعصبِ قرار دے کر رد کر دیا جائے، یہ ان کے ایک عقیدت مند کا اعتراف ہے، جو بے ساختہ صفحہ قرطاس پر منتقل ہو گیا ہے۔
 دراصل اختلاف عقائد کے سبب، سید صاحب عامۃ المسلمین کو منافق قرار دیتے تھے اور ان کا خاتمہ بھی تحریک کے مقاصد میں اہم مقصد کی حیثیت رکھتا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ صدر اور افغانستان کے مسلمان کٹر سنی حنفی تھے۔ ان کے بارے میں سید صاحب، رئیس و تلات خان خاناں خلجائی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”جناب والا! خود غزنیوں کے نواح میں منافقین پر چھاپے مارنا شروع کر دیں۔۔۔۔۔ اور میں بھی ادھر سے پشاور کے منافقوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں جلال آباد پہنچ جاؤں گا، اور اسی طرح پھر وہاں سے کابل جاؤں گا۔ اس طرح مردود منافقین جو پشاور سے قذحاک تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاؤں ایسے اکھڑ جائیں گے۔“

یہ کون سے لوگ ہیں جنہیں منافقین کہا جا رہا ہے اور جن کے استیصال کے لیے لمبے چوڑے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ سر سید کی زبانی سنئے:

”مجھ کو صد ہا پہاڑی لوگوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، لیکن میری نظر سے آج تک کوئی پہاڑی پٹھان ایسا نہیں گزرا جو سوائے حنفی مذہب کے اور کسی مذہب کا پیرو ہو یا وہابیت کی جانب ذرا بھی میلان رکھتا ہو۔“
 تاریخ بنانے والے اہل قلم، سرحدی پٹھانوں کو غدار قرار دیتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ نظریاتی اور اعتقادی اختلاف کو برداشت کرنے کی بجائے جب تشدد کی راہ اختیار کی گئی، سیدھے سادے مسلمان پٹھانوں کو منافق قرار دیا گیا، ان کے خلاف میدانِ کارزار گرم کیا گیا۔

اے محمد بخش تھانوی: مکتوبات سید احمد شہید (نفس الکیڈمی کراچی) ص ۶۱

اے سید احمد خاں، سر: مقالات سر سید (مجلس ترقی ادب، لاہور) ج ۱ ص ۵۵

ان پر چھاپے مارے گئے، ان کی بیوہ خواتین سے زبردستی نکاح کیا گیا، تو ان سے خیر خواہی کی توقع کس طرح کی جاسکتی تھی؟ وہ بجا طور پر مجاہدین کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

”ان کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں۔ اکثر بیواتیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں، زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا جاتا۔ ان پاکباز مجاہدین سے اگر کوئی ناجائز فعل سرزد نہ بھی ہوتا، تو ان کا یہ کام کہ راند بیوہ کی عدت گزر جانے پر ان کا نکاح جبراً کر دینا خواہ ان کی مرضی نہ بھی ہو، ان کو بدنام کرنے کے لیے کافی تھا۔“ لہ

پھر پٹھانوں پر اپنے مذہبی عقائد ٹھونسنے کی بھی کوشش کی گئی جس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ”پہاڑی قومیں ان کے عقائد کے مخالف تھیں، اس لیے وہابی ان پہاڑیوں کو برگزا اس بات پر راضی نہ کر سکے کہ وہ ان کے مسائل کو بھی اچھا سمجھتے۔“ لہ

اس تشدد کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہ نکلا؛ ”چونکہ یہ قوم مذہبی مخالفت میں نہایت سخت ہے، اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کر لیا اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اور سید احمد صاحب کو شہید کر دیا۔“ لہ

اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا:

۱۔ سید احمد شہید کی صحیح تصویر وحید احمد مسعود بدایونی

۲۔ امتیاز حق راجا غلام محمد

حیات طیبہ (مطبوعہ لاہور) ص ۳۵۵

مقالات سرسید، ج ۹، ص ۲۰-۱۳۹

ص ۱۲۰

لہ مرزا حیرت دہلوی

لہ سید احمد خاں، سر

لہ ایضاً

۳۔ حقائق تحریکِ بالاکوٹ

شاہ حسین گردیزی

۴۔ تاریخ تناولیاں

سید مراد علی

۵۔ حقیقت افسانہ جہاد

سید نور محمد قادری

واقعہ بالاکوٹ کے بعد

اس واقعہ کے بعد مجاہدین کی قیادت صادق پور کے علماء کے ہاتھ آئی، مولوی عنایت علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راجہ کلاب سنگھ والی کشمیر سے برسرِ پیکار رہے۔ ان کے بڑے بھائی اور سید صاحب کے خلیفہ مولوی ولایت علی اس علاقہ میں پہنچے، تو قیادت ان کے سپرد کر دی گئی۔ اواخر ۱۸۴۹ء میں انگریزی تسلط پنجاب کو لپیٹ میں لے کر صوبہ سرحد تک پہنچ چکا تھا، انگریز جو اس سے پہلے اس تحریک کے پھیلنے کے مواقع فراہم کرتا رہا تھا۔ پنجاب سے سکھوں کا کانٹا نکل جانے پر اس نے مجاہدین کو مزید کاروائی سے منع کر دیا، کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں،

”کہنا یہ ہے اور صاف صاف کہ جب تک مجاہدین سکھوں سے اُلجھے رہے، کمپنی کی حکومت خاموش اور غیر جانبدار رہی ”سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے“ پر ترکوں نے نجد میں عمل کیا تھا، ان کے اُستادوں نے اس فارمولے پر یہاں عمل کیا۔ مقصود یہ تھا کہ مجاہدین اور سکھوں کی آویزش میں سرکارِ عالی کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو رہے گا، لیکن جو نہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے بُرا کوئی نہیں تھا۔“ لے

عبدالرحیم عظیم آبادی لکھتے ہیں،

”اس اثنائے میں ملک پنجاب، گورنمنٹ برطانیہ کے تصرف میں آ گیا تھا، جب

۱۱۳ مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

گلاب سنگھ کا اکثر ملک مجاہدین کے قبضے میں آ گیا اور وہ تاب مقابلہ کی نہ لاسکا۔
 مایوس ہو کر سرکارِ انگریزی سے اعانت کا خواہاں ہوا۔

اس وقت گورنمنٹ انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی و مولوی
 عنایت علی علیہما الرحمۃ کے لکھا کہ گلاب سنگھ نے سرکارِ انگریزی سے معاہدہ کیا
 ہے اور بموجب اس معاہدہ کے اب وہ گورنمنٹ کی حمایت میں ہے۔ اب اس سے
 لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے، لہذا تم کو چاہیے کہ اب اس سے مت لڑو۔ . . .
 تب بڑے حضرت (مولوی ولایت علی) نے اس ملک کو چھوڑ کر سوات کے ملک میں جانا چاہا۔
 بالاکوٹ سے سوات جاتے ہوئے راستہ میں انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ اس کے بعد کی

تفصیل مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی کی زبانی سنئے:

اس وقت مجاہدین و جمہ فوج لڑنے کو تیار تھی مگر جناب مولانا (ولایت علی) نے
 اپنی عادل گورنمنٹ سے لڑنا مصحت نہ سمجھ کر اطاعت افسرانِ انگریزی کر لی۔
 ان افسروں نے مولانا کو بجائے جانے سوات کے مع لشکر طرف لاہور کے
 روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرات مع فوج و توپ خانہ و خیرہ سامان جنگ زیر نگرانی
 افواجِ انگریزی لاہور میں پہنچے۔ ان ایام میں جان لارنس صاحب بہادر چیف کمانڈر
 پنجاب کے تھے، صاحب بہادر استقبال کر کے مولوی صاحب کو لاہور میں لائے
 اور بعد ہیئت گفتگو کے یہ بات قرار پائی کہ یہ دونوں حضرات مع ہندوستانی مجاہدین
 کے اپنے وطن کو واپس جائیں اور کل اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت
 کر کے اس کی قیمت سے فوج کی بقایا تنخواہ دے کر برخاست کر دیں، اس وقت
 صرف پانچ سو مجاہدین آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ سر جان لارنس صاحب بہادر
 نے گورنمنٹ کی طرف سے مع کل مجاہدین کے آپ کی دعوت کی دوسرے روز صاب

ممدوح نے خود اپنے پنج سے دعوت دی۔ تیسرے روز مولوی رجب علی صاحب نے جو میر منشی کمشنری پنجاب کے تھے، دعوت کی۔

بعد اس کے یہ لوگ بہ اعزاز و اکرام تمام طلی مراحل کرتے ہوئے مع فوج مجاہدین پٹنہ پہنچے۔ پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر تشریف لائے اور بدستور سابق وعظ و نصائح و مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف ہوئے۔ اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تحریک جو سرحد کے سکھوں اور ان کے مسلمانوں کے خلاف چلائی گئی تھی، اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ختم ہو گئی تھی۔

چند سال بعد مولوی ولایت علی اور عنایت علی وغیرہ اپنی جائدادیں فروخت کر کے ستھانہ سرحد چلے گئے اور وہیں گوشہ نشین ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ ستھانہ سوات میں یہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے نام ہندوستان سے مالی امداد اور متعلقین آمدورفت جاری رہتی تھی۔ انگریزوں نے جب سرحد میں اپنا تسلط جمانا چاہا، تو اس امداد کے سلسلے کو سختی سے بند کر دیا، ممانعت کے باوجود جن لوگوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا، ان پر مقدمات بنائے گئے اور انہیں کڑی سزائیں دی گئیں۔ اس معاملہ میں صادق پور کے علماء سر فہرست تھے۔ ناقصاً درست نہیں ہے کہ ان حضرات نے انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا، اس لیے ان کا نشانہ بننا پڑا۔

سید طفیل احمد منگلوری جو سید صاحب کی تحریک کے دل و جان سے مداح ہیں، لکھتے ہیں،
 ”یہ معاملہ متعدد بار گورنمنٹ ہند کے علم میں مقامی حکام کی طرف سے لایا گیا جس پر کوئی باز پرس نہ کی گئی اور صرف نگرانی کا حکم دیا گیا۔“

مگر ۱۸۶۲ء میں جب گورنمنٹ ہند نے سرحد میں پیش قدمی شروع کی تب اس

ص ۱۰۱-۱۰۰

تذکرہ صادقہ

لہ عبد الرحیم عظیم آبادی،

مسلمانوں کا روشن مستقبل (مطبع علمی دہلی ۱۹۴۵ء) ص ۱۲۲

سید طفیل احمد منگلوری،

امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان سے سرحد کے تعلقات بالکل قطع کر دیئے جائیں، چنانچہ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۸ء تک سرحدی محاربات کے دوران میں باشندگان ہند پر یکے بعد دیگرے پانچ مقدماتِ بغاوت چلائے گئے۔ ان مقدمات میں سب سے بڑے ملزمان پٹنہ کے خاندان کے لوگ اور ان کے مریدین و معتقدین تھے۔ مولوی ولایت علی کے بڑے صاحبزادے مولوی عبداللہ اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ ان کے حقیقی چچا زاد بھائی مولوی عبدالرحیم اور آخر ان کے حقیقی ماموں مولوی کبھی علی اور مولوی احمد اللہ سب کے سب ۱۸۶۲ء میں اس جرم میں مانوڑ ہوئے کہ انہوں نے اپنے عزیزوں سے خط و کتابت رکھتی اور انہیں مالی امداد بھیجی، حالانکہ یہ سلسلہ ۱۸۲۲ء سے جاری تھا جبکہ حکام گورنمنٹ خود مجاہدین کی ہینڈیوں کا روپیہ انہیں وصول کرا دیتے تھے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی کبھی علی پٹنہ کے بڑے روسا میں سے تھے اور اول الذکر (مولوی عبداللہ) گورنمنٹ کے مسلم خیر خواہ تھے۔ لے

۱۸۲۲ء اور اس کے بعد عرصہ تک سرمایہ کے سرحد منتقل کرنے پر انگریز پابندی نہ لگائی، بلکہ معاونت کی اور ۱۸۶۲ء کے بعد کیوں پابندی لگا دی؟ وجہ ظاہر انگریز کے مقاصد پورے ہو چکے تھے اور اب انگریز کی نظر میں ان لوگوں کے سرحد کوئی جواز نہ تھا، لہذا اس نے ہندوستان سے سرحد آنے والی مالی امداد کا پوری سختی سے درو کر دیا جس کے نتیجے میں سرحد میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔

گورنمنٹ سے روابط

مولوی محمد حسین بٹالوی، ایڈیٹر اشاعت السنۃ، اہل حدیث کے فاضل اور فعال عالم
 کے ”شیخ الکل“ میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے، انہوں نے اپنے فرقہ کار رابطہ عقیدت
 داری برٹش گورنمنٹ سے قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

”کسی قوم کی ترقی (جس میں مذہبی ترقی بھی شامل ہے) دنیاوی اسباب
 سے قطع تعلق کرنے سے نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اور موجودہ الوقت سلطنت
 سے ارتباط اور اس کی پالیسی کی مراعات اور اس کے حضور عقیدت و انقیاد اور
 ارکان سلطنت سے رابطہ محبت و اتحاد، اسباب دنیاوی سے ایک عمد اور
 قوی تاثیر سبب ہے۔“

یہ خیال کسی کو پیدانہ ہوا کہ مذہب بلا استعانت اسباب حسن معاشرت
 چل نہیں سکتا اور سلطنت وقت کے حضور میں اظہار عقیدت اور ارکان سلطنت
 سے ارتباط و موافقت، اسباب دنیاوی سے اعلیٰ سبب ہے۔ اسی بے خیالی میں
 وہ (اہل حدیث) اپنی مسجدوں میں صحیح بخاری کا درس کرتے رہے یا کسی حجرہ میں
 خلوت گزری ہو کر یا حتیٰ یا قیوم پڑھتے رہے اور کسی سے منجملہ اعیان ملک یا ارکان
 سلطنت ارتباط و اتحاد کا تعلق پیدانہ کیا اور نہ کسی کے آگے اپنی عقیدت و
 اطاعت سلطنت کا اظہار کیا۔“

بقول بٹالوی صاحب اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ مخالفین نے حکومت کو یہ تاثر دینا

اشاعت السنۃ ج ۹، شماره ۷، ص ۱۹۴

ص ۱۹۵

لہ محمد حسین بٹالوی،

لہ ایضاً،

شروع کرو یا کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔

”ان کا اور ان کے حریفوں کا یہ حال دیکھ کر اس قوم کے خادم و وکیل ایڈیٹر اشاعت السنۃ کو یہ تعجب انگریز (انگریز) خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے تمام طبقات رعایا سے صرف یہی ایک فرقہ اہل حدیث ہے جو اس سلطنت کے زیر سایہ رہنے کو بلحاظ امن و آزادی، اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بھی بہتر جانتا ہے، کیونکہ اس فرقہ کو بجز اس سلطنت کے کسی اور سلطنت میں (اسلامی) کیوں نہ ہو، پوری آزادی حاصل نہیں ہے۔“ ۱

یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر بٹالوی صاحب نے جماعت اہل حدیث کا خصوصی گورنمنٹ سے قائم کیا اور تمام وفاداریاں حکومت کو پیش کر دیں۔

”ادھر اپنی مہربان گورنمنٹ سے ارتباط اور ارکان سلطنت سے رابطہ ملاقات پیدا کیا، قوم (اہل حدیث) کے وفادارانہ و مطیعانہ خیالات کو گورنمنٹ تک پہنچایا اور گورنمنٹ کی نظر عنایت شاہانہ کو قوم کی طرف متوجہ کیا۔“ ۲

پھر اپنی قوم کے تمام افراد اور طبقات کو پُر زور اپیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”اس تمہید کو پڑھ کر امید ہے ہمارے اخوان اہل حدیث، خصوصاً ان کے اکابر و رہبر اس ضرورت کا بڑھ کر ہونا تسلیم کریں گے، بلکہ خود بھی اشاعت السنۃ کی تقلید اختیار کر کے جا بجا اسی قسم کی کاروائیاں شروع کر دیں گے۔ و اعظین مدرسین اپنی مجالس و عظ و درس میں اور مصنفین اپنی کتب و رسائل میں اس قسم کے مضامین شائع کریں گے اور قولاً و عملاً گورنمنٹ پر اپنے سچے اور وفادارانہ خیالات ظاہر کرنے میں سرگرمی سے کوشش کریں گے۔“ ۳

۱ اشاعت السنۃ ج ۹، شماره ۷، ص ۶-۱۹۵

۲ محمد حسین بٹالوی،

ص ۱۹۶

۳ ایضاً،

ص ۱۹۶

۴ ایضاً،

اس کا روایتی کا ایک حصہ اہل حدیث نام الاٹ کرانے کی کوشش اور درخواست تھی (جس کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے) اس درخواست کی توثیق پورے ہندوستان کے اہل حدیث نے کی اور تین ہزار ایک سو چھتیس اعیان و اشخاص نے دستخط کیے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بٹالوی صاحب کی کارروائی سے تمام اہل حدیث متفق تھے۔

ہدیہ تشکر

مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواستوں اور پے درپے کوششوں سے انگریزی حکومت نے اس فرقہ کا نام اہل حدیث تسلیم کر لیا۔ اس احسانِ عظیم کا شکریہ دل و جان سے ادا کیا گیا اور ہدیہ تشکر کے اظہار کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ فرقہ اہل حدیث گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے برادر عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ "وائس رائے لارڈ ڈفرن" اور اپنے پیارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر "سر چارلس ایچی سن" کا تہ دل سے شکر گزار ہے اور بعض و شکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ گورنمنٹ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے) اہل حدیث لاہور نے جشنِ جوہلی کی تقریب پر کمال مسترت ظاہر کی اور قیصرہ ہند کی پنجاہ سالہ حکومت کی خوشی میں اہل اسلام کی مکلف ضیافت کی جس میں روسا، شرفار، علماء و عام اہل اسلام رونق افروز ہوئے۔

تعداد اہل دعوت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکا، مگر ناظرین حاضرین کے قیاس میں سات آٹھ ہزار اشخاص کا مجمع تھا۔

۲- اس دعوت میں گورنر پنجاب اور اس کے سیکریٹریوں سے بھی شمولیت کی درخواست کی گئی تھی۔ انہوں نے فرصت نہ ہونے کے سبب معذرت کر دی، تاہم انہیں ہدیہ نیاز پیش کرنے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا؛

اس دعوت کے مقام (مولوی الہی بخش کی کوٹھی) کے عین دروازہ کے سامنے سے رات کے وقت ملاحظہ روشنی کے لیے نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر گائزر کرنا مقرر تھا۔ اس جگہ اہل حدیث نے ایک بلند اور وسیع دروازہ بنایا جس پر سنہری حرفوں میں ایک طرف انگریزی میں یہ کلمات دعائیہ مرقوم تھے،

THE AHL-I-HADIS WISH EMPRESS ALONE LIFE

(اہل حدیث چاہتے ہیں کہ قیصر ہند کی عمر دراز ہو)
 دوسری طرف لاہور دی رنگ سے یہ بیت اُردو سے
 دل سے ہے یہ دعائے اہل حدیث
 جشنِ جوہلی مبارک ہو

اس دروازہ سے لیفٹننٹ گورنر اور ان کے مصاحبوں اور تیسوں کی سواریوں کا گزر ہوا تو سب کی نگاہیں ان کلماتِ دعائیہ کی طرف (جو لیمپ جہاڑ اور مہتابیوں کی روشنی سے روز روشن کی طرح نمایاں تھی) لگی ہوئی تھی اور اکثر کی زبان سے کلمہ اہل حدیث جاری تھا۔

۳- اسی خوشی و مسرت و عقیدتِ سلطنت کے اظہار کے لیے اسی رات دس بجے اہل پنجاب کی مختلف سوسائٹیوں کے ایڈریس مبارکباد پیش ہوئے۔ ان میں مسوئیل پرائیمری اہل حدیث کا ایڈریس جس کی نقل ماشیہ میں ہے، بذریعہ ڈیپوٹیشن پیش ہوا۔ اس ایڈریس پر مختلف اضلاع ہندوستان و پنجاب، بمبئی، مدراس و بنگال وغیرہ اعیان اہل حدیث کے دستخط ثبت تھے۔ ۱۷

یہ سپاسنامہ بھی ملاحظہ ہو، اس کے ایک ایک حرف سے عقیدت و نیاز کے فوارے پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ایڈریس گروہ مسلمانان اہل حدیث
بمختار فیض گنجور کوئین و کٹوریہ ملکہ گریٹ برٹن
وقیصرۃ ہند بارک اللہ فی سلطنتہا

(۱) ہم ممبران گروہ اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت عالی میں جشن جوہلی کی دلی مسترت سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔
(۲) برٹش رعایائے ہند میں کوئی فرقہ ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں مبارک تقرب کی مسترت جوش زن نہ ہوگی اور اس کے بال بال سے صدائے مبارکباد نہ اٹھتی ہوگی۔ مگر خاص کر فرقہ اہل اسلام جس کو سلطنت کی اطاعت اور فرماں روائی وقت کی عقیدت اس کا مقدس مذہب سکھاتا ہے اور اس کو ایک فرض مذہبی قرار دیتا ہے۔ اس اظہار مستر اور اولے مبارکباد میں دیگر مذاہب کی رعایا سے پیش قدم ہے۔
علی الخصوص گروہ اہل حدیث من جملہ اہل اسلام اس اظہار مسترت معقیدت اور دعائے برکت میں چند قدم اور بھی سبقت رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جن برکتوں اور نعمتوں کی وجہ سے یہ ملک تاج برطانیہ کا حلقہ بگوش ہو رہا ہے ازاں جملہ ایک بے بہا نعمت مذہبی آزادی سے یہ گروہ ایک خصوصیت کے ساتھ اپنا نصیبہ اٹھا رہا ہے۔

(۳) وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام میں زیادہ مسترت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد

کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔

ہم بڑے جوش سے یہ دُعا مانگتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور والا کی حکومت کو اور

بڑھائے اور زیادہ حضور والا کی رعایا کا نگہبان رہے تاکہ حضور والا کی رعایا کے تمام

لوگ حضور کی وسیع حکومت میں امن و تہذیب کی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں۔" ۱

۱۸۸۶ء میں ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا جشن پنجاہ سالہ (گولڈن جوبلی) سرکاری طور

پر منایا گیا تھا جس میں جماعت اہل حدیث، لاہور نے مذکورہ بالا سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ ۲

۱۸۸۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے اس ایڈریس کی منظوری کا پروانہ جاری کیا گیا

جسے اشاعت السنۃ میں ان الفاظ میں شائع کیا گیا۔

ملکہ معظمہ کی طرف سے اہل حدیث کو خطاب

ہم اس مشرودہ کے سنانے سے بھی نہیں رہ سکتے کہ ہماری مہربان ملکہ معظمہ

انگلینڈ و قیصر ہند نے اہل حدیث کے ایڈریس موقعہ جوبلی کو کمال مسرت کے ساتھ

قبول فرمایا ہے اور ازراہ عنایت خسروانہ گروہ اہل حدیث کا شکریہ ادا کیا ہے۔

اُس شکریہ میں اس گروہ کو اُسے اہل حدیث خطاب "اہل حدیث" سے مخاطب

کیا گیا ہے جو ان کے کمال امتیاز و اعزاز کا موجب ہے۔ اس اعزازِ شاہانہ و

اکرامِ خسروانہ ملکہ معظمہ قیصر ہند پر اہل حدیث ہند کمال ادب و انکسار کے ساتھ

اپنی مہربان ایمپرس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کی درازی عمر و ترقی توفیق و

اقبال کے لیے دست بدعا ہیں۔" ۳

۱ لہ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ماسیہ ص ۶-۲۰۵

۲ لہ پیام شاہجہانپوری، پندرہ روزہ تقاضے، لاہور (۱۵ مارچ و یکم اپریل ۱۹۸۳ء) ص ۳۷

۳ لہ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۶

اس کے بعد دو مکتوب پیش کیے گئے ہیں، جن میں ایڈریس کی قبولیت کا مشورہ
کیا ہے۔ ذیل میں ایک مکتوب کی نقل پیش کی جاتی ہے:

نمبر ۱۲۶۷۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ (پبلک)

از طرف: جے۔ پی۔ میوٹ صاحب۔ انڈر سیکرٹری گورنمنٹ ہند

بنام: ممبران اہل حدیث پنجاب

مقام شملہ ۱۱ جون ۱۸۸۸ء

صاحبان شرف! مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوتی ہے کہ صاحب سکرٹری
آف اسٹنٹ نے اطلاع دی ہے کہ سیر میجسٹری ملکہ معظمہ قیصر ہند نے بالطف
خسروانہ اس ایڈریس وغیرہ کو قبول فرمایا ہے جو آپ صاحبان نے سیر میجسٹری
کی خدمت میں جوہلی کے موقع پر پیش کیا تھا اور ارشاد فرمایا ہے کہ سیر میجسٹری کا
خاص شکریہ آپ لوگوں کو اس خیر خواہانہ نذرانہ کے لیے پہنچایا جائے۔
مجھے اے صاحبان آپ کا نہایت فرمانبردار ملازم ہونے کی عزت حاصل ہے۔

جے۔ پی۔ میوٹ

انڈر سکرٹری گورنمنٹ ہند

ملکہ برطانیہ کی گولڈن جوہلی کے موقع پر اہل حدیث نے جس خوشامد اور اظہار عقیدت و
وفاداری کا اظہار کیا۔ وہ صرف ظاہری کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ دل جذبات کی ترجمانی تھا۔ نیز
اس پر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوتی، بلکہ اس طرز عمل کے جواز پر انہوں نے شریعت کے حوالے
سے دلائل بھی پیش کیے، محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”اس مضمون میں دلائل کتاب و سنت کا بیان دو غرض سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ
گورنمنٹ کو یہ یقین ہو کہ اس موقع پر مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے، سچے دل سے کیا ہے

۱۔ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ ۱۰ ج ۱۱، شماره ۲، ص ۲۷

اور اپنے مقدس مذہب کی ہدایت سے کیا ہے۔ صرف ظاہر داری اور جھوٹی
خوشامد سے کام نہیں لیا۔

دوسری یہ کہ ناواقف مسلمانوں کو مسلمانوں کے اس فعل میں عدم جواز اور
مخالفت شریعت کا وہم و گمان پیدا نہ ہو۔“ لہ
مزید لکھتے ہیں:

- پس واضح ہو کہ جو کچھ اس موقع پر اہل حدیث نے کیا ہے، وہ امور ذیل ہیں:
- (۱) ملکہ معظمہ کی تعظیم کرنا اور تعظیمی الفاظ سے اس کو یاد کرنا۔
 - (۲) ملکہ معظمہ کی حکومت پنجاب سالہ پر خوشی کرنا اور اس خوشی میں مسلمانوں کو کھانا کھلانا۔
 - (۳) برٹش سلطنت کی اطاعت و عقیدت کو ظاہر کرنا اور اس کو فرض مذہبی بنانا۔
 - (۴) اس سلطنت کی برکات و احسانات (امن آزادی وغیرہ) کا معترف ہونا اور
اس پر ملکہ معظمہ اور سلطنت کی تعریف کرنا اور شکر گزار ہونا۔
 - (۵) ملکہ معظمہ اور اس کی سلطنت کے لیے دعا، سلامت و حفاظت و برکت کرنا
و علیٰ ہذا القیاس ان امور میں کوئی امر بھی ایسا نہیں ہے جس کے جواز پر شریعت
کی شہادت پائی نہ جاتی ہو۔

لارڈ ڈفرن کے حضور

غالباً ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ڈفرن کے حضور،
جماعت اہل حدیث نے اس کی وطن واپسی کے موقع پر ایک سپانامہ پیش کیا۔ سپانامہ
کیا ہے؟ عقیدت و وفاداری کا نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے اور بقول بٹالوی صاحب:

لہ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۲۸

ص ۲۲۹

لہ ایضاً،

”ڈیپوٹیشن ڈھوم دھام کا تھا۔“

سپاسنامہ فارسی میں تھا، اس کا ترجمہ مع تلخیص پیش کیا جاتا ہے،

حضور والا!

ہم فرقہ اہل حدیث کے چند ارکان اور پنجاب اور ہندوستان کے دیگر اسلامی فرقوں کے چند اشخاص اپنی طرف سے اصالتاً اور اپنے دیگر ہم مشربوں کی طرف سے وکالتاً، اس والا درجات کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے اور اس ذات ستودہ صفات کی مفارقت پر اظہارِ غم کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ —

”خیر اندیشوں“ اور ”جاں نثاروں“ کے مذہب کے مطابق کمالِ عجز و انکسار کے ساتھ، عرضِ مدعا کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس کرم گستر اور عدل پرور کے عہد سعادت مہد کی برکتیں اور احسانات، بارانِ رحمت، عمیم البرکت کی طرح اس اطاعت شعار علاقہ کے تمام لوگوں اور تمام قوموں پر برسے ہیں (جیسے مملکت میں قیام امن و عد و سلطنت کا استحکام، پبلک سروس کمیشن کا تقرر اور لیڈی ڈفرن فنڈ کی تجویز وغیرہ) ہندوستان کے مسلمانوں نے دوسری قوموں کی طرح اور ان کے برابر ان سے کافی و وافی حصہ حاصل کیا ہے۔ ”حضور پر نور“ کے بعض انعامات اور احسانات ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن سے استفادہ کرنے میں اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث خصوصاً سبقت لے گئے ہیں اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور پر فرقہ اہل حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراں قدر احسان و ارکھا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے حق میں لفظ وہابی کا استعمال سرکاری و فرائض میں ممنوع قرار دے دیا ہے جو ان کی دل آزاری کرتا تھا اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری جو نازک وقتوں میں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور سرکار والا کے نزدیک بھی مسلم ہے،

لے محمد حسین بنالوی : اشاعت السنۃ ج ۱۱ شماره ۲۰۲ ص ۴۲

ناواقفوں کی نظر میں مشکوک بنا دیتا تھا، اس طرح بے خبروں کی بدگمانیوں کو ختم کر دیا۔

اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث پر خصوصاً ان انعامات عامہ و خاصہ پر نظر کرتے ہوئے ہزار زبان سے اس والا دودمان کے احسان کا شکر تہ دل سے بجالاتے ہیں اور اس منظم وجود و احسان کی قبل از وقت مفارقت پر اشکِ حسرت بہاتے ہیں اور دلی رنج کو اس آرزو کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ کاش ہما کا ہم پلہ سایہ، مقررہ میعاد تک ان کے سروں پر پھیلا رہتا اور حکومت کی مدت دوگنا ہو جاتی تاکہ فوائد و منافع، مسلمانوں کا نصیب ہو کر بارِ احسان ان کے کندھوں پر رکھ دیتے۔

آخر میں حضور موفور السرور کی ناگزیر مفارقت پر فراق گزیدہ بے چارے صبر و سکون کا دامن پکڑ کر اس دعائے خیر کے ساتھ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ خداوندِ عالم، ذاتِ مکرمت صفات کو امن و عافیت کے ساتھ وطنِ مالوف تک پہنچائے اور اس جگہ روز افزوں ترقی، اقبالِ عطا فرما کر اہل اسلام کے فائدے اور بہتری کے لیے سرچشمہ بنائے۔

اور تاج و تختِ برطانیہ جس کی نیابت کا شرف جناب والا کو حاصل ہے کو تمام ترقیام و استحکام عطا فرما کر ملک کے لیے موجبِ امن و برکت اور مسلمانوں کی حفاظت و حمایت کا باعث بنائے۔

ہم میں حضور کی وفادار اور جاں نثار رعایا

اگر زحمت نہ ہو تو ایک دفعہ پھر اس سپاسنامے کو پڑھ لیجئے اور خیر اندیشوں اور جاں نثاروں کا حضور پر نور، گرم گستر اور عدل پرور کی بارگاہ میں یہ فدویانہ اعتراف ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے

بعض انعامات وہ ہیں جن کے حصول میں اہل حدیث خصوصیت کے ساتھ سبقت لے گئے ہیں اور پھر نگاہ حیرت سے یہ نظارہ بھی دیکھتے کہ ان کی جبین پر عرق انفعال نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی :

” اور پھر مولانا محمد حسین بٹالوی کے متعلق ماسوا اس کے کہ انہوں نے انگریز گورنر کے پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے، لوکل گورنمنٹ کے اجراء چیفس کالج کے قائم کرنے، پیسک لائبریری کے بنانے اور طلبہ کو وظائف دینے پر اس کا شکریہ ادا کیا ہے اور کون سی چیز ہے جس پر انہیں مطعون کیا جاسکتا ہے۔“

اسے کہتے ہیں کہ اپنی آنکھ کا شبہ تیر نظر نہیں آتا۔ اگر بٹالوی صاحب کے سپاسنامے میں طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ انگریزی حکومت سے مرے حاصل کرنے اور حرمت جہاد کا فتویٰ دینے اور خوشامدوں کے طومار کھڑے کر دینے میں بھی آپ کے نزدیک طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر کہہ دیجئے کہ دنیا میں کسی ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے جس پر طعن کیا جاسکے۔
جان چھڑانے کا ایک تعجب خیز انداز بھی دیکھتے چلتے :

رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا تو ہم اس سلسلہ میں متنبی قادیانی کی اُمت کی طرح کسی طرح کی تاویل و تحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا تو غلط کیا، ہم انہیں معصوم سمجھتے ہیں اور نہ صاحب شریعت کہ ان کی بر بات ہمارے لیے حجت و سند ہو قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھتہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بنا پر کسی گروہ کو مطعون کیا جاسکتا ہے۔“

مقام عبرت ہے کہ جب اس ایڈریس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کسی کو مطعون کیا جاسکے، تو اس برأت کی کیا ضرورت؟ پھر یہ معاملہ ایک فرد یا چند افراد کا نہیں ہے۔ اس سپانے پر دستخط کرنے والے اس وقت کے اہل حدیث کے تمام بڑے بڑے ستون اور قائدین شامل ہیں اور حدیہ کہ شیخ الکل "میاں نذیر حسین دہلوی کے دستخط سرفہرست ہیں۔ انصاف و نیت کا پتا اس وقت چلے گا، جب ان سب سے اظہارِ برأت کروا جائے گا، ورنہ گلو خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس سپانے پر دستخط کرنے والوں کے چند نام ملاحظہ ہوں:

مولوی سید محمد نذیر حسین دہلوی (شیخ الکل)

ابوسعید محمد حسین (بٹالوی)، وکیل اہل حدیث ہند

مولوی محمد یونس خاں، رئیس و تاولی، علی گڑھ

مولوی قطب الدین، پیشوائے اہل حدیث روپڑ

مولوی محمد سعید، بنارس

مولوی الہی بخش پلیڈر، لاہور

مولوی سید نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس، وغیرہ وغیرہ لے

اس سپانے کے جواب میں وائسرائے لارڈ ڈفرن نے جو کچھ کہا، اس کا ایک اقتباس

ملاحظہ ہو:

صاحبان! میں اس ایڈریس کے لیے جو بھی آپ نے مجھے دیا ہے، آپ کا

شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے خیر خواہانہ اظہارِ راتِ عقیدت، نسبت برٹش

گورنمنٹ کو سن کر خوش ہوتا ہوں اور میں خلوص دل سے امید کرتا ہوں کہ شمال مغربی

سرحد کو استحکام دینے کی وجہ سے جس میں آپ میں سے اکثر لوگ اس کے کہ

سرحدی صوبہ کے باشندے ہیں، خاص دلچسپی رکھتے ہیں، جو امن اس وقت ہمیں
حاصل ہے، قائم رہے گا۔“ لہ

لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ایچی سن کے حضور

۲۴ مارچ ۱۸۸۷ء کو گورنر پنجاب کی رخصت پر اہل حدیث نے ایک سپانامہ پیش
کیا جس میں اظہار عقیدت و وفاداری کا وہی والہانہ انداز ہے جو لارڈ ڈفرن کے سپانامہ میں ہے۔
اس سپانامہ کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے:

ایڈریس منجانب فرقہ اہل حدیث و ممبران دیگر فرقہ اہل اسلام
بمخبر سر چارلس امفرسن ایچیسن صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی
سی۔ آئی۔ امی۔ ایل ایل۔ ڈی لیفٹیننٹ گورنر پنجاب وغیرہ
ہم ممبران فرقہ اہل حدیث و دیگر فرقہ ہائے اہل اسلام حضور والا کی عالی خدمت
میں اس موقع پر (جب کہ حضور اس صوبہ سے مرخص ہوتے ہیں) کمال ادب و
اخلاص کے ساتھ حضور والا کے خسروانہ احسانات و مرتبیانہ عنایات کا شکریہ
ادا کرنے اور حضور کی مفارقت پر دلی افسوس ظاہر کرنے کی غرض سے حاضر
ہوتے ہیں۔

حضور والا کے شاہانہ عنایات و مرتبیانہ توجہات ابتداء رونق افروزی ہندوستان
سے اس عہد گورنری تک اس ملک ہندوستان پر اس کثرت و تواتر سے مبذول رہی
ہیں کہ اگر ان کو متواتر بارانِ رحمت یا موجزن دریا موبہبت کہا جائے تو بیجا نہیں ہے
آضر میں لکھتے ہیں:

خاتمہ میں ان کلماتِ دُعائیہ کی عرض پر اکتفا کرتے ہیں کہ خداوندِ عالم

لہ محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۳۳

حضور فیض گنجور کو صحت و سلامتی کے ساتھ وطن مالوف میں پہنچائے اور پھر بہت جلد حضور کو عہدہ گورنر جنرل پر مامور و معزز فرما کر ہندوستان میں لاوے اور ہماری آنکھوں کو دوبارہ حضور کے دیدار فیض آثار سے منور کرے۔ آمین ثم آمین

۵۔ بوطن رفتنت مبارکباد سلامت روی و باز آئی

دربار دہلی میں ارمغان عقیدت

اہل حدیث کی تاریخ یہ رہی ہے کہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کی خوشامد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"خاکسار نے بمشورہ بعض اعیان اہل حدیث پنجاب و بنگال، گورنمنٹ پنجاب سے اس مضمون کی درخواست کی کہ ہر چند مختلف اضلاع اور شہروں کے تمام جلسوں میں، جن میں اہل اسلام ہندوستان نے بتقریب تاجپوشی سزیمبجی کنگ امپرمسٹرت کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانان اہل حدیث بھی شامل رہے ہیں، مگر خاص موقع دربار دہلی میں وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ اظہار مسرت چاہتے ہیں۔۔۔ اس درخواست کے جواب میں سکریٹری گورنمنٹ پنجاب کی طرف یادداشت

نمبری ۶۳۹ دفتر اشاعت السنۃ میں موصول ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخت نشینی سزیمبجی کنگ امپرمسٹرت کی تقریب پر ہندوستان کے مختلف فرقوں کو ایڈریس مبارک باد پیش کرنے کا کئی دفعہ موقع دیا گیا ہے، لہذا گورنمنٹ ہند کی تجویز نہیں ہے کہ اب دربار دہلی میں کوئی ڈیپوٹیشن ایڈریس پیش کرے۔ ہاں فرقہ اہل حدیث معمولی طور پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کرے تو گورنمنٹ ہند کو اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا۔"

اشاعت السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۵۴-۲۵۱

۱۔ محمد حسین بٹالوی

اشاعت السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۴

۲۔ ایضاً

کوئی وجہ نہ تھی کہ خصوصی طور پر یہ عقیدت پیش کرنے کی اجازت نہ دی جاتی، کیوں کہ حکومتِ برطانیہ کو یہ جاں نثاری اور وفاداری کسی دوسرے فرقے سے نہیں ملی تھی۔

الاقتصاد فی مسائل الجہاد

مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کے وکیل اور سرکردہ علماء میں سے تھے۔ ۱۸ محترم
 ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۳۸ھ / ۲۰ - ۱۹۱۹ء کو فوت ہوئے۔
 حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

الشیخ الفاضل ابوسعید محمد حسین بن رحیم بخش بن
 ذوق محمد الہندی البٹالوی احد کبار العلماء
 گزشتہ صفحات میں انگریزی حکومت سے روابط کا تذکرہ زیادہ تر ان ہی کے حوالہ سے کیا
 گیا ہے اور ان معاملات میں زیادہ تر وہی پیش پیش رہے ہیں۔
 ۱۸۷۶ء میں انہوں نے ایک رسالہ الاقتصاد لکھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی
 کوشش کی ہے کہ ہندوستان تو ہندوستان دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں کا گورنمنٹ سے
 جہاد جانتے نہیں۔

”سنہ ۱۸۷۶ء میں ایڈیٹر اشاعت السنۃ رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد تالیف کر چکا ہے
 جس میں قرآن و حدیث اور فقہی دلائل سے ثابت و مدلل ہے کہ اس گورنمنٹ سے
 مسلمانوں کا ہند کے ہوں خواہ روم یا عرب کے مذہبی جہاد جانتے نہیں اور اسی سال
 پنجاب کے عام اہل حدیث نے بذریعہ ایک عرضداشت اپنی عقیدت اطاعت گورنمنٹ
 کا اظہار کیا تھا جس پر گورنمنٹ کی طرف سے اس کی تائید و تصدیق میں ایک سمر کلر
 جاری ہوا تھا جو اشاعت السنۃ“ نمبر ۹، جلد ۸ میں منقول ہو چکا ہے۔“ ۵

نزہۃ الخواطر (نور محمد کراچی) ج ۱۸، ص ۲۲۷

اشاعت السنۃ ۰ ج ۰۹، شماره ۱، ص ۲۶

۱۰ عبدالحی لکھنوی، مورخ ۱

۱۱ محمد حسین بٹالوی ۱

ہندوستان دارالاسلام ہے

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

”جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو، وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو، اقوام غیر نے اس پر غلب سے تسلط پایا ہو، (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں اوائے شعائر اسلام کی آزادی رہے، وہ بحکم حالتِ تدبیر دارالاسلام کہلاتا ہے۔“

دنیا کا کوئی مسلمان بادشاہ گورنمنٹ سے جہاد نہیں کر سکتا۔

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

”اس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجود کیہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے، دارالاسلام ہے، اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا ہونخواہ عجم کا، مہدی سودان ہو یا خود حضرت سلطان (ترکی کا بادشاہ) شاہ ایران ہونخواہ امیر خراسان، مذہبی لڑائی و چڑھائی کرنا جائز نہیں ہے۔“

جہاد کہیں بھی نہیں ہو سکتا

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”ان دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت نہ کوئی مسلمانوں کا امام موصوف بصفات

شرائط امامت موجود ہے اور نہ ان کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی امید کر سکیں۔

ہم جب کبھی بعض اخبارات میں یہ خبر دیکھتے ہیں کہ سلطنتِ روم یا ریاستِ افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہیں آتا اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت روتے زمین پر امام کہاں ہیں جس کی پناہ میں اور اس کے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کر سکیں اور ایسی جمعیت و شوکت کس کو میسر ہے جس سے وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی امید رکھیں؟

بعض لوگ جب تسلیم سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتے، تو یہ عذر تراشتے ہیں کہ اس قسم کی کارروائیوں کی ذمہ داری بٹالوی صاحب یا چند دیگر افراد کے سر ہے، حالانکہ بٹالوی صاحب نے سالہ الاقتصاٰ پر پورے ملک کے سینکڑوں علماء سے تصدیق حاصل کی تھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”یہ رسالہ میں نے ۱۸۷۶ء میں تالیف کیا اور اس میں علماءِ اسلام کی رائیں لینے اور ان کا توافق رائے حاصل کرنے کے لیے لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہ ہائے اسلام کو یہ رسالہ حرفِ بحرف سنا کر ان کا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلادِ ہندوستان و پنجاب میں جہاں راقم خود نہیں جاسکا، اس رسالہ کی متعدد کاپیاں بھجوا کر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا۔ پھر ۱۸۶۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو بہ ضمنِ ضمیمہ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ اشاعت السنۃ بعنوان استشہاد عام لوگوں میں شائع کیا اور اس میں عام اہل اسلام کو ان مسائل میں اپنی آراء ظاہر کرنے کا موقع دیا جس پر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے

(جہاں وہ ضمیمہ پہنچا) صد ہا عوام و خواص نے ان مسائل کی نسبت اپنا اتفاق رائے
ظاہر کیا۔" ۱

صاف ظاہر ہے کہ اس رسالہ کے مندرجات تمام اہل حدیث کے اتفاقی تھے،
بٹالوی صاحب کے انفرادی نظریات نہ تھے۔

قصور میں اہل حدیث کے سرکردہ علماء میں مولوی غلام علی قصوری ثم امرتسری اور مولوی
مرزا فتح محمد بیگ تھے۔ وہ دونوں بٹالوی صاحب سے بھی پہلے جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ
دے چکے تھے۔ اس وقت ہمارے سامنے مرزا فتح محمد بیگ کی نگرانی میں شائع ہونے والے ماہانہ
رسالہ انجمن مفید عام قصور کا ایک شمارہ ہے جس میں مرزائے موصوف کے رسالہ جہاد پر ریویو تبصرہ
ایک معاصر اخبار سے نقل کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں،
"مرزا صاحب (فتح محمد بیگ) نے جملہ ساکنان پنجاب کی نسبت اعلیٰ احکام
کے سامنے بارہا ظاہر کیا ہے کہ وہ سب کے سب بمقابلہ گورنمنٹ جہاد کو حرام خیال
کرتے ہیں۔" ۲

علاوہ بریں اور بہت سے علماء دین نے جو اس مسئلہ کی بابت بہت کچھ لکھا
اور کہا ہے ان کا کیا نقصان ہوا؟ جیسا کہ جناب مولانا حضرت مولوی سید محمد خاں
صاحب بہادر نجم الہند نے ایک رسالہ ڈاکٹر ہینٹر کے جواب میں لکھا اور مولوی غلام علی
صاحب امرتسری ایک مدت سے اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں، صاحب آخر الذکر
خاص کر کے اُس وقت بھی جہاد کو مخالف گورنمنٹ انگریزی ایسا ہی ناجائز اور حرام
کہتے تھے، جبکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس مسئلہ میں ان کے برخلاف تھے۔" ۳

۱۔ محمد حسین بٹالوی، الاقتصاد

س ۲-۳

ص ۲۲

شمارہ فروری ۱۸۸۰ء

۲۔ رسالہ انجمن مفید عام قصور

ص ۲۳-۲۴

۳۔ ایضاً؛

بٹالوی صاحب تو زبانِ حال سے یہ کہتے ہوں گے ع

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

ان تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ محو حیرت ہوتے بغیر نہ رہ سکیں گے،

”اور اس دور میں جبکہ ہندوستان کے خائن اور خداریاں انگریزوں کی حمایت میں جہاد کو ناجائز قرار دے رہے تھے اور ہندوستان کو دارالاسلام بنا رہے تھے اہل حدیث نہ صرف برسرِ طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے اور پورا ہند ان کے جہاد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔“

شاہ اسمعیل دہلوی کی تقریر کا ایک اقتباس اس سے پہلے گزر چکا ہے اس موقع کی مناسبت سے دوبارہ نقل کر دینا مناسب رہے گا۔

”ان پر (انگریز کے خلاف) جہاد کسی طرح واجب نہیں
بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور
اپنی گورنمنٹ پر آئینچ نہ آنے دیں۔“

ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ ”اہل حدیث نہ صرف برسرِ طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے۔“ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ انگریز کے خلاف جہاد کا درس دیا جا رہا تھا یا جہاد کیا جا رہا تھا اور حقائق و شواہد بھی یہ گواہی دے رہے ہیں کہ دہلوی سے لے کر بٹالوی تک انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز اور حرام قرار دینے تھے، ان کا جہاد کے حنفی مسلمانوں کے خلاف تھا یا سکھوں کے خلاف جو انگریزوں کے لیے مستقل دردِ سر کی حیثیت رکھتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان میں جہاد کی شرطیں موجود نہیں، اس لیے مسلمانوں پر جہاد واجب نہیں، اس پر انتہائی تند و تیز فتوے صادر کیے جاتے ہیں۔ اندازاً ملاحظہ ہو:

"کسی انصاف پسند کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس بات سے اختلاف کرے کہ بریلوی اور بریلویت کا تمام وزن، غاصب انگریزی استعمار کے پٹے میں تھا، اگرچہ انہیں انگریز کا ملازم، جاسوس اور تنخواہ دار تسلیم نہ کرے، کیونکہ انہوں نے جہاد اور مجاہدین کے خلاف فتویٰ دیا اور انگریزی استعمار کے خلاف ترک موالات کی تحریک کی مخالفت کی، بلکہ لوگوں کو انگریزوں کی دوستی اور موالات کا حکم دیا۔" لے

ترک موالات کے مسئلہ میں امام احمد رضا بریلوی کا موقف کیا تھا؟ اس وقت زیر بحث نہیں، اس کے لیے پیش نظر کتاب کے دیگر اوراق کا مطالعہ کیجئے، اس وقت تو صرف اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہ تمام امور بلکہ اس سے کہیں زیادہ بٹالوی صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث میں پائے جاتے ہیں، انہیں کن خطابات سے نوازا جائے گا؟

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

"مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار اور بحکم قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی، بدکردار تھے، اکثر ان میں عوام کا لالہ عام تھے۔ بعض جو خواص و علماء کہلاتے تھے، وہ بھی اصل علوم دین (قرآن و حدیث) بے بہرہ تھے یا نا فہم و بے سمجھ، باخبر و سمجھ دار علماء (اہل حدیث) اس میں سہرے شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لیے مفسد لیے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔"

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسماعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے، اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن و عہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں۔ اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں سے (جو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرتے تھے) کسی کو اونچی اذان نہیں کہتے دیتے تھے) لڑے۔“ ۱

جہاد حرام

درجہ نگہ کے ایک اہل حدیث لکھتے ہیں،

”حکام نے مولوی محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں سرکار سے جہاد درست ہے یا نہیں؟ تب انہوں نے ایک کتاب لکھی اور بہت علماء سے دستخط کرا کے بھیجی کہ ہم لوگ اہل حدیث کے مذہب میں بادشاہ سے جس کے امن میں رہتے ہیں، جہاد حرام ہے۔“ ۲

الاقتصاد کے علاوہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والے جریدہ اشاعت السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں کہ فرقہ اہل حدیث نے گورنمنٹ کے حضور کس کس طرح اپنی وفاداری کے ثبوت فراہم کیے ہیں،

”اشاعت السنۃ نے گورنمنٹ میں اہل حدیث کی وقعت کو جہاد دیا اور ان کی وفاداری کا ثبوت دے کر داغِ بغاوت جو دراصل ان کے دشمنوں کا اختراع تھا، مٹا دیا۔“ ۳

۱۔ محمد حسین بٹالوی، الاقتصاد ص ۵۰-۴۹

۲۔ محمد حسین بٹالوی، اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شماره ۲، ص ۳۶

۳۔ ایضاً، ص ۴۰

سٹیفکیٹ (اعزازیہ سند)

۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء کے سٹیفکیٹ میں سر چارلس ایچ پین صاحب بہادر سابق نواب
یونیٹ گورنر بہادر پنجاب لکھتے ہیں:

”ابوسعید محمد حسین فرقہ اہل حدیث کے ایک سرگرم رکن مولوی اور فرقہ اسلام
کے وفادار اور ثابت قدم وکیل ہیں، ان کی علمی کوششیں لیاقت سے ممتاز ہیں،
وہ نیز ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا میں سے ہیں۔“

اگر کوئی محقق ”انگریز اور اہل حدیث کی وفاداری“ کے عنوان پر اشاعت السنۃ کی بنیاد پر
تحقیقی مقالہ لکھنا چاہیے تو ضخیم مقالہ لکھ سکتا ہے اور اگر اس موضوع پر اس رسالہ کے متعلقہ
صفحات کے عکس ہی جمع کر دیئے جائیں، تو اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مولوی محمد یونس خاں اہل حدیث، رئیس داتاؤلی، علی گڑھ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کی
حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا، اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

رفتارِ زمانہ سے واقف

”حقیقت میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اہل حدیث کے فرقت میں
پہلے وہ شخص ہیں جو زمانہ کی رفتار سے واقف ہوئے ہیں اور ٹھیکہ اسلام کی رو
سے ہمارے اور گورنمنٹ ملکہ معظمہ کے تعلقات کو سمجھے ہیں اور ان کو ظاہر کیا ہے
..... جب کہ تمام ملکہ اور تمام مذاہب کی رعایا حضور ملکہ معظمہ کی بچا ہمارے
جشن میں اظہارِ مسترت کر رہے ہیں۔ کیا صرف فرقہ اہل حدیث ہی ایسا ناسپاس
اور خیرہ ہو جاوے کہ اظہارِ خوشی سے سکوت اختیار کرے۔“

اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شماره ۲۸، ص ۴۱

۱۷ محمد حسین دہلوی،

اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شماره اول، ص ۲۲

۱۷ محمد یونس، اہل حدیث،

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں،

”اس کارروائی کے پہلوؤں کو وہی لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں جو پولیٹیکل امور کے سمجھنے کا دماغ رکھتے ہیں۔“ لہ

خوفناک انگریزی مظالم

احسان الہی ظہیر لکھتے ہیں،

”انگریزی استعمار نے ہندوستان سے مسلمانوں کا بساطِ حکومت لپیٹ دیا

اور، ۱۸۵۷ء میں ان کے خون بہائے، ان کی شوکت کو توڑا، ان کی قوت کو کمزور کیا

ان کے علماء کو پھانسیوں پر چڑھایا، ان کے قائدین اور زعماء کو جلا وطن کیا۔“

اس میں شک نہیں کہ انگریز کے مظالم نے ہلا کو اور چنگیز کی رُوحوں کو شرمادیا، لیکن

علمائے اہل حدیث، ملکہ و کٹوریہ کو مادرِ مہربان قرار دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

ایسی شنیق ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی ہے، تو اس نتیجہ میں وزن محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات

نے نہ تو جنگِ آزادی میں حصہ لیا تھا اور نہ ہی موردِ عتاب بنے۔ انہوں نے تو اپنے ولیِ جذبات

عقیدت سے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔

مادرِ مہربان

مولوی محمد یونس اہل حدیث رئیس داتاؤلی لکھتے ہیں:

”ہم اپنی ملکہ مادرِ مہربان کی خوشی کے کیونکر ساتھ نہ ہوں؟ کون ملکہ؟ جس نے

ہماری شوخ چشمیوں اور خیرہ سریوں کو بالکل اپنے دل سے فراموش کر کے غدر

حاشیہ اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شماره اول، ص ۱۱

ص ۳۶

البریلویہ

لہ محمد حسین بٹالوی،

ظہیر،

۵۷ء کے بعد پھر ہم کو خطِ آزادی دیا اور جس نے اپنی ایک نگاہ عنایت اور ایک دستخطی فرمان سے ہمارے خونوں کو سحاف کیا، ہماری جانداویں واپس کیں۔“ ۱۷

ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی ہے

”جب ایسی شفیق لکنہ پروردگار نے ہماری خوش قسمتی سے ہماری سلطنت کے واسطے بنائی ہے تو بتائیے کہ عقلاً و عرفاً و شرعاً کیونکر ہم اس کی خوشی کو اپنی خوشی نہ سمجھیں؟ اس کے رنج کو اپنا رنج تصور نہ کریں، اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہم پر نفرین ہے۔“ ۱۸

ہم ڈنکے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے

”اگر آپ کے دست و بازو میں قوت ہو جہاد کیجئے، مگر یاد رکھیے کہ ایسے صاحب کا ساتھ دو، ایک خارج از عقل ہی دیں گے اور میں اور میرے ساتھی تو ڈنکے کی چوٹ سے بادشاہ وقت کا ساتھ دیں گے۔“ ۱۹

ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعثِ فخر

اور سچ یہ ہے کہ اپنی ملکہ کی خیر خواہی کے واسطے جس کی سلطنت میں لکھنؤ کھیا فوائد ہم کو حاصل ہوتے ہیں، اپنی جان کھودینے یا بدخواہ کی جان لینے کو اپنا فخر

۱۷ محمد یونس اہل حدیث، اشاعت السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۲۴

ص ۳۱

ص ۲۲

۱۸ ایضاً،

۱۹ ایضاً،

سمجھتے ہیں۔
۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے

”وہ لوگ اگرچہ ہمارے بزرگ یا قراہتی ہوں بے وقوف اور نادان تھے جنہوں نے
شہرہء کے غدر کو برپا کیا تھا، اصل بات یہ ہے کہ وہ ہماری طرح اس سلطنت
کے فوائد سے واقف نہ تھے۔“ لہ

برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے

”بہتر ہے وہ صاحب افغانستان میں سنت کی پیروی کا وعظ کہیں یا مکہ معظمہ
میں حدود شرعی کو جاری کریں یا بخارا میں جو ایک مسلمان ریاست روس کے ماتحت
ہے اپنے کو غیر مقلد طلبہ کریں۔ حضرت اس صورت میں یا تو آپ کا ہاتھ یا کان یا ناک
نہ ہو گا یا آپ خود نہ ہوں گے۔ برٹش گورنمنٹ ہی میں آپ کی ترقی چلتی ہے اور جگہ کیا
مجال جو آپ اپنی زبان تک بلا سکیں۔“ لہ

مسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا

ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین، اہل حدیث (دھوری، ضلع ساگر) زیر عنوان ”اس ایک مسئلہ
خلافت کے بیان کے بے انتہا فوائد ہیں“ لکھتے ہیں:

● مسلمانوں کو برٹش کا زیادہ مطیع بنانا، اس کے فوائد بھی واقفان معاملات
پولٹیکل پر مخفی نہیں ہیں۔

● مسٹر بلنٹ (جو ترقی وہی خواہ اسلام ہیں اور بہبودی اسلام کے کام کرنے میں

ساعی ہیں، کی مخالفت سے لوگوں کو باز رکھنا جس سے اتفاق اہل اسلام و ترقی
اسلام کی تدابیر میں رخنہ اندازی نہ ہونے پاوے۔ ان میں سے ہر ایک فائدہ میں
اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔“ لہ

انعام و ن

اشاعت السنۃ کی فائلوں سے چند اقتباسات گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں جن
سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی پوری
جماعت کو انگریز حکومت کے دامن مہر و وفا سے وابستہ رکھا، یہاں تک کہ گورنمنٹ نے نہ صرف
ان کی وفاداری کا کھٹے دل سے اعتراف کیا بلکہ اظہارِ خوشنودی کے طور پر انعامات سے بھی مالا مال کیا۔
مولوی محمد حسین بٹالوی اپنی وصیت میں لکھتے ہیں:

”راضی ہو خدا تعالیٰ نے گورنمنٹ سے مجھے دلائی ہے، چار مربع ہے۔“

مسعود عالم ندوی (اہل حدیث) لکھتے ہیں:

”بندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرگروہ
مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکارِ انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور صدیہ کہ وقت
کے بعض مشہور حنفی علماء (مولانا فضل حق خیر آبادی اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر گتہ
کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے۔“ لہ

انعام ملنے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل
الجہاد) فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی

اشاعت السنۃ، ج ۷، شماره ۸، ص ۲۲۷

لے ابو محمد جمال الدین،

اشاعت السنۃ، ج ۱۹، شماره ۹، ص ۲۷۷

۲ محمد حسین بٹالوی

بندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۸-۲۷

۳ مسعود عالم ندوی،

شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار
انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی۔ اس رسالہ کا پہلا حصہ ہمارے پیش نظر ہے
پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔“ لے

بٹالوی صاحب نے اپنی پوری قوم کو اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

”اس رسالے (الاقتصاد) میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی
ہے۔۔۔۔۔ اردو، انگریزی، عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی
اور اردو ترجمے سرچارلس ایچیسن اور سزیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون
کیے گئے۔۔۔۔۔ اللہ مرحوم کی مغفرت کرے، اس کتاب پر انعام سے بھی
سرفراز ہوئے تھے، جماعت اہل حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا حصہ ہے
اور یہ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوب پیدا
کی۔“ لے

واقعہ بھی یہ ہے کہ انگریز اپنے وفاداروں کو نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیتا تھا،
اُس نے اپنے وفاداروں کو نوازا اور خوب نوازا۔ امام احمد رضا بریلوی پران کے مخالفین
شدید سے شدید تر الزامات عائد کرنے سے نہیں چوکتے، لیکن آج تک بڑے سے بڑا مخالف
یہ ثابت نہیں کر سکا کہ انہیں یا ان کے صاحبزادوں کو گورنمنٹ نے شمس العلماء کا خطاب دیا
ہو کوئی جاگیر یا کوئی انعام دیا ہو؟ پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جاتے کہ وہ انگریز کے حمایتی یا وظیفہ خواہ
تھے اور انگریز کے سب سے بڑے دشمن علماء اہل حدیث تھے؟

میاں نذیر حسین دہلوی

میاں صاحب ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں بہار کے ایک گاؤں سورج گڑھا میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔ اُسے طویل عمر پائی۔ نلا منہ کی بڑی تعداد یادگار چھوڑی، اہل حدیث میں شیخ الكل کے لقب سے مشہور ہوئے۔ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔

پہلا دور

میاں صاحب کے اُستاد اور خسر مولانا عبدالخالق دہلوی اور دوسرے اُستاد شاہ محمد اسحاق دہلوی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے طرزِ عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب محمد قطب الدین نے ۱۲۸۵ھ میں ایک کتاب تحفۃ العرب و العجم کے نام سے لکھی، اس میں لکھتے ہیں:

”اُس وقت میں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم اور مولوی محبوب العلی صاحب مرحوم اور مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم دہلی میں موجود تھے اور یہ صاحب ایسے لوگوں (غیر مقلدین) سے بہت ہی ناراض رہتے تھے اور ان کے کلمات سن کر ہر مبارک سُرخ ہو جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ پھر یہ لوگ ضال (گمراہ) ہیں اور مولوی محبوب العلی صاحب ایسے لوگوں (کو) بہتر فرقہ کا ملعوبہ فرماتے تھے اور قلع قمع ان لوگوں کا بوجہ احسن کرتے تھے۔ اور مولوی عبدالخالق صاحب بھی ان کا رد و کد

بوجہ احسن فرماتے تھے اور خوب ان کی گت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ

چھوٹے رافضی ہیں۔" ۱۷

اس وقت میاں صاحب بھی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے رد میں سعی بلیغ کرتے تھے۔

نواب صاحب لکھتے ہیں:

"منجملہ ان کے سید نذیر حسین صاحب نے بھی دفع اس فتنہ میں بہت سعی کی

کہ مولوی حقی اور عبد المجید پوربی سے اس باب میں بہت گفتگو کر کے ان کو ساکت کیا

بلکہ ان کے جوابات شکوک میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں تعریفیں امام صاحب

کی اور حقیقت اپنے مذہب حنفی کی اور جواب مخالفین کے اور جو حقیقت مذہب غیر کی بیان کی

اور رواۃ احادیث پر جو خلاف احادیث متمسکہ مذہب حنفی کی ہیں۔ جرح و قدح

بوجہ احسن فرما کر ان کو ضعیف بتایا اور بار بار اپنی زبان مبارک سے ان لا مذہبوں

کو رافضیوں کا بھائی کہا۔" ۱۸

ایک وقت تھا کہ میاں صاحب دل و جان سے احناف کا ساتھ دیتے تھے اور غیر مقلدین

کا زبانی اور قلمی رد کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

"اس بلا کے دفع میں سید نذیر حسین صاحب بجان و دل بھائے ساتھ رہنے

حقیقی کہ تنویر العینین کے مضامین کے رد میں جس کو لوگ منسوب مولانا اسماعیل کی طرف

کرتے ہیں۔ مدلل ایک رسالہ عربی میں لکھا اور سورۃ فاتحہ کے نہ پڑھنے میں پیچھے

امام کے بھی ایک رسالہ لکھا اور اخصاً آئین اور عدم رفع یدین وغیرہ میں بھی نواب

خوب عبارتیں اور روایتیں لکھیں اور لکھا کہ عدم رفع یدین نماز میں اہق ہے اور رفع

منسوخ اور مذہب حنفی کی بہت سی تعریفیں لکھیں، چنانچہ وہ اب تک میرے ایک

۱۷ محمد قطب الدین دہلوی، نواب، تحفۃ العرب والعجم (مطبع حسنی، دہلی)، ص ۲-۳

۱۸ ایضاً،

دوست کے پاس موجود ہیں۔“ لہ

اس وقت میاں صاحب دعوائے سے کہتے تھے کہ مذہبِ حنفی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ نواب قطب الدین لکھتے ہیں:

”اور چونکہ سید صاحب اس فقیر سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ہر جمعہ کو میرے ہاں آتے اور بارہا فرماتے کہ ہم اور تو کچھ جانتے نہیں، ہم کو کوئی بتا دے کہ فلاں مسند حنفیہ کا خلاف قرآن یا حدیث کے ہے۔ دیکھو تو ہم کیسا قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔“ لہ

دوسرا دور

طالب علمی کے دور میں ہی میاں صاحب کے مزاج میں آزاد روی کے آثار پائے جاتے تھے، اسی لیے ایک موقع پر شاہ محمد اسحاق نے کہا تھا:

”اس لڑکے سے وہا بیت کی جھلک آتی ہے۔“ لہ

پچاس سال کی عمر تک حنفی رہنے کے بعد اس وقت رنگ بدلا، جب جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جما چکا تھا، ابتداءً غیر مقلدین کی نشست میاں صاحب کے ہاں رہتی تھی، ان کے ہاں حلقہ جمتا تھا۔

”بعد غدر کے لاندہبوں نے یہ پیرایہ اختیار کیا کہ سید زبیر حسین صاحب کے پاس حلقہ باندھ باندھ کر بیٹھنا شروع کیا۔ کیا مسجد میں، کیا ان کے مکان پر، اور جب کوئی بات لاندہبوں کی منہ سے نکالیں یا عمل کریں تو حوالہ سید صاحب کا

لہ محمد قطب الدین، نواب؛ تحفۃ العرب و العجم ص ۵

ص ۵ - ۶

لہ ایضاً؛

لہ فضل حسین بہاری؛ الحیاء بعد الہماة (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۵۷

دے دیں، ہم لوگ ان کو جھٹلاویں کہ تم جھوٹے ہو، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔
 اور جو کوئی صاحب، سید صاحب سے ان کا مقولہ کہے کہ وہ آپ کا حوالہ دیتے ہیں،
 تو سید صاحب یہی فرماویں کہ وہ جاہل ہیں، اُن کا کیا اعتبار؟
 آخر نوبت بایں جا رسید کہ اماموں پر اور ان کے اتباع پر کھلم کھلا تبرے ہونے
 اور اِتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ کے مصداق لگے ٹھہرانے۔^۱

میاں صاحب کا ایک طرف احترامِ اساتذہ ملاحظہ ہو:
 ”بیانِ مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سنلاتے اور فرماتے
 ”ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں، اُس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر کہہ دیتا کہ حضرات
 کا کہنا سند نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے، تو بہت
 خفا ہو کر فرماتے ”مردود! کیا یہ حضرت آگس کٹے تھے، ایسی ہی اڑان گھائی اڑتے تھے“
 دوسری طرف ائمہ مجتہدین سے بے اعتنائی کا یہ عالم،
 آپ جب کوئی حدیث صحیح فرماتے اور کوئی شخص اس کے معارض کسی ائمہ مذہب
 کا قول پیش کر دیتا، تو برہم ہو کر فرماتے ”سنو! یہ بزرگ ہم سے بڑے، میرے باپ
 سے بڑے، دادا سے بڑے، مگر رسولِ خدا سے بڑے نہیں۔“^۲

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین ساری عمر گھاس کاٹتے رہے تھے،
 اسی لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف احکام بیان کر دیتے تھے۔ معاذ اللہ
 میاں صاحب کے اساتذہ شاہ محمد اسحاق اور مولانا عبدالخالق وغیرہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے مقلد اور حنفی تھے۔

۱	تحفة العرب والعم	۱	محمد قطب الدین، نواب
۲	الحياة بعد الممات	۲	فضل حسین بیاری
۳	ص ۲۸۵	۳	ایضاً:

پھر تو میاں صاحب نے کھل کر تقلیدِ ائمہ کا لبادہ اتار دیا اور غیر مقلدین کے امام کہلائے۔
 نواب محمد قطب الدین لکھتے ہیں،

”لامذہبوں نے نہ مانا اور لامذہبی میں زیادہ مصر بہوئے اور نشست و برخاست
 سید صاحب (کے) پاس زیادہ رکھنے لگے اور سید صاحب کو ایسا ورغلانا اور اپنی
 ساتھ سانٹھا کہ سید بھی ان کی ممنونی و مشکوری میں لٹو بن کر ان کی حمایت کرنے لگے
 اور کہنے لگے کہ میں تو بیس، بائیس برس سے ایسا ہی تھا، پر کسی کو معلوم نہ تھا اور میں کیا
 کروں، مجھ کو تو یونہی سوجھتی ہے۔“ لہ

میاں نذیر حسین دہلوی کو روایت اور ترک تقلید کی راہ پر لگانے میں سر سید کا بھی ہاتھ
 تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں،

”سر سید احمد خاں ایک ممتاز اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم آروی کو اپنے
 ایک مکتوب مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں،

جناب سید نذیر حسین دہلوی صاحب کو میں نے نیم چڑھا دیا ہے۔
 وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سنتِ ہدی جانتے تھے۔ میں
 نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے
 خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔
 جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں
 عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اُس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔“ لہ

نواب محمد قطب الدین نے تنویر الحق اور توفیر الحق کے نام سے دو رسالے لکھے جن میں مذہب
 حنفی کو قرآن و حدیث اور اجماع کے دلائل سے ثابت کیا اور امام معین کی تقلید کی ضرورت کو واضح

لہ محمد قطب الدین، نواب، تحفۃ العرب والعجم ص ۶-۷

لہ محمد ایوب قادری، پروفیسر، برگ گل، سر سید نمبر، نقش ثانی (اردو کالج، کراچی) ص ۶-۷-۲۸۵

کیا۔ میاں صاحب نے ان کے جواب میں معیار الحق نامی کتاب لکھی؛
 ”سو تنویر الحق کے جواب میں رسالہ معیار لکھا کہ اُس سے تمام مقلدین کیا اولیاً
 اور کبار علماء و صلحاء، متقدمین و متاخرین مشرک و بدعتی ٹھہرے، سید صاحب کی
 ذات سے بعید ہے کہ ایسے واسیات لکھیں اگرچہ اس کام سے وہ امصار و
 دیار میں ایسے بدم و خوار ہوتے ہیں کہ حاجت بیان کی نہیں، پر اس کو بھی انہوں
 نے اپنا نام دکھو سمجھا“

نواب صاحب ائمہ مجتہدین کی راہ سے برگشتہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 ”افسوس صد افسوس! ان لوگوں سے کہ مذہب مجتہدین خیر القرون کا چھوڑ کر تابع واری
 غیر مجتہد نامہم اس زمانہ فساد انگیز کی کرتے ہیں اور زبان طعن کی اکابر دین پر دن رات
 جاری رکھتے ہیں۔ بیت سے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس ورد
 میانش اندر طعنہ پا کاں زندہ

انعام یافتہ وفادار

دیگر علماء اہل حدیث کی طرح میاں صاحب بھی برٹش گورنمنٹ کے دل و جان سے
 وفادار تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں پاس وفاداری کی خاطر حصہ نہ لیا۔ ان کے سوانح نگار
 نے جلی سُرخی قائم کی ہے؛

”گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری (لو ایٹیٹی) ۳

۱ ص	تحفة العرب و العجم	۱۷ محمد قطب الدین، نواب؛
	ص ۱۱	۲۷ ایضاً؛
ص ۱۲۲	الحياة بعد الممات	۳۷ فضل حسین بہاری؛

اس شہ سرنجی کے تحت سوانح نگار لکھتے ہیں:

”حج کو جاتے وقت بھی جو چھٹی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی، اس کی نقل سفر حج کے بیان میں ہدیہ ناظرین کی جاتے گی، مگر اسی کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے، زمانہ عد ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ ”میاں وہ بٹڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔“ حشرات الارض خانہ براندازوں نے تمام دہلی کو خراب کیا، ویران، تباہ اور برباد کر دیا، شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے تو اس فتوے پر دستخط نہیں کیا، مہر کیا کرتے اور کیا لکھتے؟ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکڑ میں آگئے۔ بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے، مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے؟ اے یہ وہ چیختے ہوئے حقائق ہیں جو خود بخود سب کچھ ظاہر کر رہے ہیں، واقعات کو توڑ مروڑ کر ان سے من مانے نتائج نہیں نکالے گئے۔

حالتِ جنگ میں درس جاری رہا

جن حضرات نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی طور پر بھی حصہ لیا۔ سقوطِ دہلی کے وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، لیکن میاں صاحب پورے اطمینان کے ساتھ درس و تدریس میں مصروف تھے۔ اگر اس جنگ میں ان کا کوئی حصہ ہوتا یا انہیں کسی قسم کا خطرہ دامن گیر ہوتا تو حالتِ دگرگوں ہوتی۔

”دوسرے امتحان میں ۱۸۵۷ء کے غدر میں آپ کامیاب ہوئے جس زمانے میں مولانا عبداللہ غزنوی قدس سرہ آپ سے صحیح بخاری پڑھتے تھے اور صحن مسجد کے اوپر سے توپ کے گولے دنا دن گزرتے تھے، یہاں تک کہ ایک وز ایک گولہ حالتِ سبق میں آکر گرا، مگر نہ آپ (میاں صاحب) ہراساں ہوئے اور نہ صحیح بخاری کو بند کیا اور جب تک انگریزوں نے دلی کو فتح کر کے اہل دلی کو نکال نہ دیا، آپ نے جان کے خوف سے دلی نہ چھوڑی۔“ لہ

جہاد باعثِ ہلاکت و معصیت

میاں صاحب کے فتووں کے مجموعہ فتاویٰ نذیریہ کی کتاب الامارۃ والجماد میں ایک سوال یہ ہے کہ جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مگر ”جہاد کی کئی شرطیں ہیں، جب تک وہ نہ پائی جائیں گی، جہاد نہ ہوگا۔ پھر فرضیتِ جہاد کی چار شرطیں بیان کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

”پس جب یہ بات بیان ہو چکی، تو میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ان چار شرطوں

میں سے کوئی شرط موجود نہیں، تو کیونکر جہاد ہوگا ہرگز نہیں۔“ لہ

خاص طور پر انگریزی اقتدار کے دور میں جہاد کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”علاوہ بریں ہم لوگ معاہدہ ہیں، سرکار سے عہد کیا ہوا ہے، پھر کیوں کر عہد کے

خلاف کر سکتے ہیں؟ عہد شکنی کی بہت مذمت حدیث میں آئی ہے۔“ لہ

ایک سائل نے سوال کیا کہ ہندوستان میں جہاد جائز ہے یا نہیں؟ میاں صاحب جواب

لہ فضل حسین بہاری، الحیاة بعد المماتہ ص ۲۴۷

لہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر (جوالہ فتاویٰ نذیریہ، مطبوعہ لاہور، ج ۳، ص ۲۸۴)

لہ ایضاً: فتاویٰ نذیریہ، ج ۳، ص ۲۸۴

میں جہاد کے جائز ہونے کی دو شرطیں بیان کر کے لکھتے ہیں:

”بندوستان میں شوکت و قوت اور قدرت سلاح و آلات مفقود ہے اور ایمان

پیمان یہاں موجود ہے۔ پس جبکہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی، تو جہاد کرنا

یہاں سبب ہلاکت اور معصیت کا ہوگا۔“ ۱

کتنی صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ حالات میں نہ صرف یہ کہ جہاد نہیں کیا جاسکتا

بلکہ جہاد کرنا گناہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں و لہذا

مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔“ ۲

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ مسلمانوں پر موجود بے بسی کے

عالم میں جہاد فرض نہیں ہے۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

”جہاد سنانی (نیزے اور ہتھیاروں سے جہاد) ہم اور پر بیان کر چکے ہیں کہ نہیوں

قرآنِ عظیم ہم مسلمانانِ ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بنانے والا

مسلمانوں کا بدخواہ مبین ہے۔“ ۳

امام احمد رضا بریلوی نے جہاد کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ

مسلمانوں میں طاقت نہیں، لہذا جہاد واجب نہیں، اس فتوے کی بناء پر کیسے کیسے الزامات لگائے

گئے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”مسلمانوں میں مشہور کیا گیا کہ وہ انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور ان کے لیے

کام کر رہے ہیں۔“ ۴ (ترجمہ)

۱ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور بحوالہ فتاویٰ نذیریہ ج ۳، ص ۵-۲۸۴

۲ امام احمد رضا بریلوی، امام، دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۴۶

۳ ایضاً؛ رسائل رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج ۲، ص ۲۰۸

۴ ص ۴۳ البریلویہ

مزید ترقی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے :

”یہی بات ہندوستان میں انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور بریلوی کے ہم عصر
قادیانی نے بھی (ترجمہ) لے

اگر انصاف و دیانت کا کوئی حصہ دل کے کسی گوشے میں موجود ہے۔ اور خوفِ آخرت
کا معمولی سا عکس بھی آئینہ قلب پر جلوہ فگن ہے، تو انصاف سے بتائیے کہ فتویٰ کی یہ زبان
میاں نذیر حسین دہلوی کے بارے میں کیوں نہ استعمال کی جائے جو صرف جہاد کو ناجائز ہی نہیں بلکہ
گناہ قرار دے رہے ہیں، مولوی محمد حسین بٹالوی پر یہ فتویٰ کیوں نہ لگایا جائے جو نہ صرف مسلمانانِ ہند
پر جہاد کو حرام قرار دے رہے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک نیا کے کسی بادشاہ کا گورنمنٹ سے جہاد جائز
نہیں جیسے کہ اس سے پہلے اوراق میں گزر چکا۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس حکم میں کیوں داخل
نہیں، وہ تو حکومت کے وفادار اور جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

انگریزی میم کی حفاظت

مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

”عین حالتِ غدر میں جبکہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا، مسز
لیسنس ایک زخمی میم کو میاں صاحب رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے
پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے۔ اس وقت اگر ظالم باغیوں کو خبر بھی ہو جاتی
تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ کڑھ اس پر یہ تھا کہ پنجابی
کڑھ والی مسجد کو تغلبا باغی دخل کئے ہوتے تھے، اسی میں اس میم کو چھپائے ہوئے
تھے، مگر ساڑھے تین مہینے تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کئے

آدمی ہیں

تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا، تب اس نیم جان مریم کو جو اب بالکل تندرست و توانا تھی، انگریزی کمیپ میں پہنچا دیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور مندرجہ ذیل سارٹیفکیٹس ملیں یہ

عین اُس وقت جب مجاہدین پر قیامت گزر رہی تھی، میاں صاحب جان پر کھیل کر مریم کی جان بچاتے ہیں، ساڑھے تین ماہ تک بحفاظت اپنے گھر پر رکھتے ہیں اور جنگ کے خاتمے پر اسے انگریز کے حوالے کر کے ایک ہزار تین سو روپیہ (جو موجودہ دور کے ایک لاکھ تیس ہزار روپے سے کسی طرح کم نہ ہوں گے) بہ طور انعام وصول کیے، حالت جنگ میں معمولات تدریس حسب معمول جاری ہے، اس کے باوجود انہیں استعمارِ انگریزی کا دشمن اور عظیم مجاہد قرار دیا جائے تو یہ تاریخ کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

مشہور مورخ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

یہ بھی صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک زخمی انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی، اٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا، وہ تندرست ہو گئی اور اُسے اُس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کمیپ میں پہنچا دیا تھا، مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا یہ میرا اسلامی فرض تھا۔
حیرت ہے کہ میاں صاحب ایک ہزار تین سو روپے اور تعریفی سٹیفکیٹ وصول کریں، شمس العلماء کا خطاب بھی پائیں، اس کے باوجود مہر صاحب کہتے ہیں کہ "اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا۔ کیا یہ سب کچھ اسلامی فرض کی ادائیگی کے ضمن میں آئے گا؟"

سٹیفکیٹ (اعزازیہ سند)

میاں صاحب کو مسز لیسنس کی حفاظت کے بدلے میں نہ صرف نقد انعام ملا بلکہ تعریفی سٹیفکیٹ بھی جاری کیے گئے۔ ذیل میں ایک سٹیفکیٹ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ بھی متعدد سٹیفکیٹ وصول کیے گئے تھے:

دہلی: مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۸۶۶ء

از: ڈبلیو جی واٹر فیلڈ انی شینگ کیشنز

مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوتے حالت مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کی انگریزی سٹیفکیٹس ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قرین امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل نیو ایل چیمبر لین، جنرل برنارڈ اور کرنل سائٹرو وغیرہم سے سٹیفکیٹس ملی تھیں۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے۔

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلہ میں مبلغ دو سو اور چار سو روپیہ ملے تھے، مبلغ سات سو روپیہ بابت تاوان منہدم کیے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیے گئے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسن سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔“ لے

راولپنڈی کی نظر بندی

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر وفاداری کے باوجود میاں صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک راولپنڈی میں نظر بندیوں رکھا گیا؟ اس کا ایک جواب جو حقائق پر نہیں، بلکہ محض عقیدت پر مبنی ہے اور ”میریاں بھی پرانند“ کا مصداق ہے، یہ ہے:

”آخر میں انگریزوں نے دہلیہ کے خلاف کارروائی میں، اہل حدیث کے امام کبیر اور

ان کے قائد ذر عظیم، شیخ الکل سینذیر حسین محدث دہلوی کی گرفتاری کا فیصلہ کیا،

لیکن وہ ان کی علمی سمیت، بلند مقام اور مسلمانوں میں اثر و نفوذ سے خائف تھے،

اس لیے ان کے معاملے میں مجبور ہو گئے تاکہ مسلمان بھڑک نہ اٹھیں اور قیامت

نہ آجائے، اس لیے کچھ عرصہ کی قید کے بعد انہیں رہا کرنا پڑا۔“ (ترجمہ)

لیکن حقائق کسی دوسری سمت اشارہ کر رہے ہیں۔ سر دست ایک سرٹیفکیٹ کا مطالعہ

کیجئے جو حقیقت حال کے جاننے میں معاون ثابت ہوگا۔

”مورخہ“ ۱۸۸۱ء

از: میجر جی۔ ای۔ ینگ کمشنر

میں نے اس سرٹیفکیٹ کی اصل کو ملاحظہ کیا ہے (جو اس سے پہلے نقل کیا

جا چکا ہے)، اور مسز لیسنس سے بھی مجھ کو وہ حالات معلوم ہوئے ہیں جو اس میں

مندرج ہیں، یہ امر قرین امکان ہے کہ مولوی نذیر حسین اور شریف حسین کے بیان

کیے ہوئے حالات نے مخالفوں کو ان کا دشمن بنا دیا ہے۔“ ۱۸

ساتھ تین ماہ تک انگریزی میم کو پناہ میں رکھا گیا، اس وقت تو مجاہدین کو کانوں کان

خبر نہ ہوئی، تاہم بعد میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، اس لیے جنگِ آزادی کے جیالوں کا برم بن بالقیہی تھا۔ اس سے قبل گزر چکا ہے کہ پنجاب کے انگریزی اقتدار میں آجانے کے بعد سرحد میں مقیم "مجاہدین" کو کارروائی کے ختم کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ انگریز کا مقصد پورا ہجو چکانا اور اس حکم پر عمل کرنے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سرحد جانے والے چندہ پر پابندی لگادی گئی اور تشدد اس قدر بڑھا کہ اہل سرحد کے ساتھ خط و کتابت رکھنے والوں پر بھی مقدمے قائم کر دیئے گئے۔ اسی ضمن میں میاں صاحب کی بھی مخبری کر دی گئی کہ یہ بھی سرحد والوں سے خط و کتابت رکھتے ہیں، "میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا اور آپ تحقیقاتِ کامل کم و بیش ایک برس تک راولپنڈی کے جیل میں نظر بند رہے۔

دہلی میں میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی جب تلاشی ہوئی، تو دوسروں (اہل سرحد) کے بھیجے ہوئے خطوط بہ تعدادِ کثیر بے ٹھکانے دری پر، چٹائی پر، دری کے نیچے، چٹائی کے نیچے، چار پائی کے نیچے، کتابوں میں پائے گئے۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس قدر بہ کثرت خطوط کیوں آتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ وہ اس کی تو بھیجنے والوں سے پوچھنی چاہیے یا ان خطوط میں دیکھنا چاہیے۔" لہٰذا خطوط دیکھے گئے ان میں کوئی ایسی بات نہیں ملی جس سے انگریز کی مخالفت یا حکمِ عدولی کا سراغ مل سکے،

"خطوط جو پڑھے گئے تو ان میں اس کے سوا کیا دھرا تھا کہ فتویٰ کا سوال ذیل میں درج ہے۔ جنہو اس کا جواب جلد بھیج دیں۔ فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے۔؟ وغیرہ وغیرہ۔"

ظاہر ہے ان خطوط میں انگریز دشمنی کا کوئی مواد نہ تھا، اس کے برعکس اس قسم کا کوئی فتویٰ مل سکتا تھا، پوچھا گیا کہ مولوی عبداللہ صاحب جو علاقہ خراسان میں ہیں، وہ امام وقت ہیں یا نہیں؟ یہ عبداللہ صاحب ”مجاہدین کے امیر تھے۔ میاں صاحب نے جواب میں امام اکبر کی شرائط بیان کرنے کے بعد لکھا،

”اب میں کہتا ہوں کہ مولوی عبداللہ جو علاقہ خراسان میں ہیں سبب فقدان شرط اول کے یعنی قریشی نہ ہونے کے امام نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انصاری ہیں۔“ لہٰذا جب میاں صاحب، عبداللہ صاحب کو امام ہی تسلیم نہیں کرتے، تو ان سے ربط و ضبط یا مالی امداد کیا معنی رکھتی ہے اور انگریز کو کھٹک کیوں باقی رہتی؟

”الغرض بعد تحقیقات کامل یہ بات روز روشن کی طرح کھل گئی کہ ان پر مواخذہ محض ناجائز ہے اور یہ بالکل بری الذمہ ہیں، اس لیے رہا کر دیئے گئے۔“

یہ باتیں ہیں جو میاں صاحب کے ظاہر باطن کے یکساں ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ جس طرح ۱۸۵۷ء میں مسز لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے، اسی طرح ۱۸۶۴-۶۵ء کے مقدمہ بغاوت میں بھی بے لگاؤ ٹھہرے کہا جاتا ہے،

”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔“ (ترجمہ) لہٰذا حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ میاں صاحب کے اہل حدیث سوانح نگار بھی اس جنگ کو غدر ہی قرار دے رہے ہیں، خود میاں صاحب کہتے تھے:

”میاں وہ بلطرت تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔“ لہٰذا

۱۔ فتاویٰ نذیریہ (بحوالہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد) ج ۳، ص ۲۸۲

۲۔ فضل حسین بہاری: الحیاء بعد المماتہ ص ۱۳۷

۳۔ ظہیر: البریلویہ ص ۳۷

۴۔ فضل حسین بہاری: الحیاء بعد المماتہ ص ۱۲۵

اس عنوان پر اگر علمائے اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، تو ایک مبسوط مقالہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے جو سرٹیفکیٹ نقل کیے جا چکے ہیں، وہ اس مقدمہ کے بعد کے ہیں۔

سفر حج اور کشنزدہلی کی چٹھی

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا اور اس خیال سے کہ مخالفین جس طرح ۱۸۶۴ء کے مقدمہ میں غلط بیانی سے اُلجھا چکے ہیں، کہیں اس سفر میں بھی پریشان نہ کریں کشنزدہلی سے مل کر یہ صورت حال بیان کی۔ کشنزدہلی نے ایک چٹھی انہیں دہلی جو اُن کی وفاداری کا سرٹیفکیٹ تھی اور وہ یہ تھی:

”مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں، جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو مکتہ جاتے ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے، وہ اُن کو مدد دے گا، کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط: جے ڈی ٹریبلٹ بنگال

سروس کمشنر، دہلی و سپرنٹنڈنٹ

۱۰ اگست ۱۸۸۳ء لہ

اللہ اکبر! انبیار و اولیاء سے استمداد و استعانت (جو تو تسل ہی کی قسم ہے) کو شرک قرار دینے والوں کا گورنمنٹ انگریزی سے یوں استمداد و استعانت کرنا اور وہ بھی سفر حج میں کیونکر مقتضائے توحید بن گیا؟

ایک چٹھی مسٹر لیسنس سے بھی حاصل کی، جنگ کے دنوں میں جس کی میم کو گھر میں پناہ

دی تھی؛

”دوسری چٹھی مسٹر لیسنس نے بنام کونسل جدہ کے دی جس میں آپ کی خیر خواہی
زمانہ قدر کا مفصل بیان تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی بہت
ہیں اور ان میں سے بعض مکہ معظمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہو گئے ہیں۔ مسٹر لیسنس
نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ کا نسل کا فرض ہے کہ ان کو ان کے مخالفین کے
شرف و فساد سے بچائے۔ یہ چٹھی برٹش کانسول، مقیم جدہ (مکتوب الیہ) نے اپنے پاس
رکھ لی۔“ لے

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں میاں صاحب پر جو مقدمہ قائم کیا تھا، وہ غلط
مخبری کی بنا پر تھا۔ اب انگریز کا دل ان کی طرف سے مکمل طور پر صاف ہو چکا تھا۔

ہندوستان دارالامان

فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

”ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب
کبھی نہ کہا۔“ لے

گورنمنٹ خدا کی رحمت

میاں صاحب کے تلمیذ خاص اور سفرِ حج کے رفیق مولوی تلمطف حسین نے ایک موقع
پر پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا،

ص ۴۱ - ۱۴۰

الحیاء بعد الممات

لے فضل حسین بہاری؛

ص ۱۳۴

لے ایضاً،

”ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم
مسلمانوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔ لے

امام احمد رضا بریلوی کا فتویٰ یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں ہے
تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ”دواہم فتوے“ اس موقف کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ امام احمد رضا
بریلوی کو اس موقف کی بناء پر آزادی وطن کی تحریکوں کا مخالف، جہاد کی حرمت کا قائل اور دوسروں
کی خوشنودی کے لیے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دینے والا قرار دیا جاتا ہے۔ لے
کیا یہ سب فتوے میاں نذیر حسین اور ان کے شاگرد مولوی تملطف حسین پر
بھی لگائے جائیں گے؟

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ابن اولاد حسن قنوجی ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے بھائی سے پھر فرخ آباد اور کانپور کے اساتذہ سے پڑھیں پھر زیادہ تر درس نظامی کی کتابیں صدر القدر مفتی صدر الدین خاں آزرہ سے پڑھ کر سند تحصیل حاصل کی۔ پھر بھوپال میں قاضی زین العابدین انصاری بمبانی سے حدیث کا درس لیا۔ ۲

زینت ترقی

۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء میں بھوپال کے محکمہ نظارت المعارف، پھر محکمہ دیوان الانشاء میں ملازم ہوئے۔ ملکہ بھوپال نواب شاہجہاں بیگم بیوہ تھیں، ان کے شوہر نواب باقی محمد خاں کئی سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ ۲

۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۲ء میں حکومت برطانیہ کے ایما پر ملکہ بھوپال نے نواب صاحب کے ساتھ نکاح کر لیا۔ نواب صاحب کا بیان ہے:

ثم تزوجت بی فی سنة ۱۲۸۸ھ بعد ما اجازتہ
بذالك السلطنة البريطانية في عهد حكومة
لاردميو حاكم الهند نزيل دارالامارة كلكتة

۱۔ عبدالحی لکھنوی، حکیم،

نزہۃ الخواطر

ج ۱ ص ۱۸۷

۲۔ ابوالحسن علی ندوی،

نزہۃ الخواطر

ج ۱ ص ۱۸۷-۸

۳۔ ایضاً،

ص ۱۸۹

۴۔ نواب صدیق حسن بھوپالی،

ابجد العلوم (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ج ۲ ص ۲۸۴

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”جب دوسرا سال گزرا، رئیسہ معظمہ نے اپنی زوجیت سے مجھے عزت و افتخار

بخشا اور یہ امر باطلاع گورنمنٹ عالیہ و حسب مرضی سرکار انگلشیہ ظہور میں آیا۔“ ۱۷

اس جگہ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر گورنمنٹ کو ملکہ کے نکاح کرنے اور خاص

طور پر نواب صاحب ہی کے ساتھ کیا دلچسپی تھی؟ — نواب صاحب کے سوانح نگاروں

نے اس عقدہ کو حل نہیں کیا، لیکن اس سوال کا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب

گورنمنٹ کے انتخاب اور معیار پر پورے اترتے تھے، انہیں نوازا نام مقصود تھا، اس لیے نوازا اور

خوب نوازا۔ یہاں تک کہ ملکہ بھوپال کو ان کے ساتھ عقد پر مجبور کر دیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

میں جنہوں نے کسی طور پر حصہ لیا تھا، وہ یا تو اگلے جہان پہنچ چکے تھے یا کالے پانی اور جیلوں میں

زندگی کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ نواب صاحب ایسے خیرگراں و فاکونہ نوازا جاتا تو کسے نوازا با

نواب صاحب لکھتے ہیں:

”یہ علاقہ موجب ترقی منصب اور عروج و عزت روز افزوں کا ہوا اور چوبیس

ہزار روپیہ سالانہ اور خطاب معتمد المہامی سے سرفرازی حاصل ہوتی اور خلعت

گرامی قیمتی دو ہزار روپیہ مع اسپ و فیل و چنور و پاکلی و شمشیر وغیرہ عنایت ہوا، بعد

چندے خطاب نوابی و امیر الملکی و وال جاہی، ۱۷ فی شلنگ سے سر بلندی عطا فرمائی

اور اقطاع ایک لک روپیہ سال اس پر مزید مرحمت ہوئے۔“ ۱۸

یہ بھی نواب صاحب کا بیان ہے:

”ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ سے مذہب شیعہ یا حنفی رکھتے ہیں۔“ ۱۹

ص ۲۸

ترجمانِ دہلیہ

۱۷ سدیق حسن خاں بھوپالی،

ص ۲۸

۱۸ ایضاً،

ص ۲۳

۱۹ ایضاً،

”اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کمتر اہل حدیث ہیں۔ لہٰذا
 نواب صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث نے مسلمانان ہند کے قدیم اور اکثریت کے
 طریقے سے برأت کر کے الگ راہ اختیار کی۔“

”ہم لوگ صرف کتاب و سنت کی دلیلوں کو اپنا ناسدستور العمل ٹھہراتے ہیں،
 اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔
 حقیقت یہ ہے کہ احناف کتاب و سنت کے دلائل پر ہی عمل کرتے ہیں۔ وہ دلائل جو
 دنیا بھر کی مسلم آبادی کی اکثریت کے امام، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور
 اس مذہب کے دیگر ائمہ نے بیان کیے ہیں، جبکہ نواب صاحب اور ان کے ہم خیال اپنے
 فہم اور اپنے استدلال پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کے دلائل کو خاطر میں ہی
 نہیں لاتے۔ نواب صاحب کی یہی ادا گورنمنٹ کی نظروں میں باعث محبوبیت تھی۔
 ”اور یہ آزادی ہماری مذاہب مروجہ جدیدہ سے عین مراد قانون انگلشیہ ہے“
 حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔“

وكان كثير النقل عن القاضي الشوكاني وابن قيم
 وشيخه ابن تيمية الحراني وامثالهم، شديد
 التمسك بمغتاراتهم وكان له سوء ظن
 بائمة الفقه والتصوف جدا، لاسيما ابي حنيفة
 قاضي شوكاني، ابن قيم اور ان کے شیخ ابن تيمية حراني وغير ہم کی عبارات بہت نقل

۱۰ صدیق حسن خاں محبوبالی،	ترجمان و ہابہ	ص ۵۷
۱۱ ایضاً:	ص ۲۰	
۱۲ ایضاً:	ص ۲۰	
۱۳ عبدالحی لکھنوی، حکیم	نزہۃ الخواطر	ج ۸، ص ۱۹۱

کرتے اور ان کے مختارات کو شدت کے ساتھ اپناتے، وہ ائمہ فقہ و تصوف، خصوصاً امام ابوحنیفہ سے بہت بدگمانی رکھتے تھے۔“

اسی طرز عمل کے پیش نظر نواب وحید الزماں نے لکھا تھا:

”ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے، بُرا بھلا کہنے لگے، بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو۔ جب تم نے ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاثر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ لے

نواب صاحب کا دوسرا امتیازی وصف گورنمنٹ سے وفاداری تھا، چنانچہ ایک موقع پر کچھ معنی لفظین نے ان کے خلاف گورنمنٹ کے کان بھرنایا ہے:

”مگر حکام عالی منزلت، یعنی کارپردازان دولت انگلشیہ کو چونکہ تجربہ اس ریاست کی خیر خواہی اور وفاداری کا عموماً اور اس بے صولت و دولت کا خصوصاً ہو چکا ہے، اس لیے تہمت ان کی پایہ ثبوت کو نہ پہنچی لے

جہاد کا عزم گناہ کبیرہ ہے

نواب صاحب لکھتے ہیں:

”علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والہ مقام فرنگ فرماں روا ہیں۔ اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے، یا

لے محمد عبدالحلیم چشتی؛ حیات وحید الزماں (نور محمد کراچی) ص ۱۰۲

لے صدیق حسن خاں بھوپالی؛ ترجمان دہلیہ ص ۲۹

دارالاسلام؛ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔ اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماءِ اردہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن و امان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں۔ جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں۔^۱

”وچوں بر اسلام باقی ماند جہاد دوراں یعنی چہ بلکہ گناہ ہے از گناہ و کبیرہ از کبائر باشد۔“^۲

اور جب ہندوستان دارالاسلام ہے، تو یہاں جہاد کا کیا مطلب؟ بلکہ گناہوں میں سے ایک گناہ اور کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مرتکب کبیرہ

وآنکہ اقدام بر قتل اصحاب دولت برطانیہ یا دیگر مردمے کنند خود ایشان از علم و دین بے بہرہ محض افتادہ اند۔ ہر کہ شریعت اسلام را بروجہ تحقیق می شناسد ازوے ہرگز این جرمیہ کبیرہ سرزد نمی تواند شد۔^۳

۱۔ صدیق حسن خان بھوپالی، نواب، ترجمانِ دہلیہ ص ۱۵

۲۔ ایضاً؛ عوائد الموائد (مطبع صدیقی، بھوپال) ص ۳۴

۳۔ ایضاً؛ ص ۳۸

جو لوگ اربابِ حکومتِ برطانیہ یا دوسرے لوگوں کے قتل پر اقدام کرتے ہیں، وہ خود علم اور دین سے محض بے بہرہ واقع ہوتے ہیں۔ جو شخص تحقیقی طور پر شریعتِ اسلام کو پہچانتا ہے، اس سے یہ بڑا حیران کن گناہ کبیرہ، سرزد نہیں ہو سکتا۔

شرائطِ جہاد منفقود ہیں

ساری دنیا میں کوئی معتقد اس امر کا کہ جہاد و قتال خاص سرکارِ انگلشیہ سے جائز ہے، دوسرے سے نہیں، ہرگز نہیں، اس لیے کہ شرطیں اس عمل کی بنیاد منفقود ہیں اور جمع ہونا ان شرطوں اور ضابطوں کا نہایت دشوار ہے۔^۱

”عذر“ میں اہل حدیث نے حصہ نہیں لیا

”جتنے لوگوں نے عذر میں شر و فساد کیا اور حکامِ انگلشیہ سے برسرِ عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدانِ مذہبِ حنفی تھے، نہ متبعانِ حدیث نبوی۔“^۲

جہاد نہیں فساد تھا

”اسی طرح زمانہ عذر میں جو لوگ سرکارِ انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی وہ جہاد نہ تھا، فساد تھا۔“^۳

سب سے زیادہ خیر خواہ

۱	لے صدیق حسن خاں بھنوی پالی، نواب،	ترجمانِ ولایت	ص ۳۰
۲	ایضاً،	ص ۲۵	
۳	ایضاً،	ص ۵۴	

”کوئی فرقہ ہماری تحقیق میں زیادہ تر خیر خواہ اور طالبِ امن و امان و آسائش رعایا کا اور قدر شناس بند و بست گورنمنٹ کا اس گروہ سے نہیں ہے جو آپ کو اہل سنت و حدیث کہتا ہے اور کسی مذہبِ خاص کا مقلد نہیں۔“ لہ

ملکہ بھوپال کے اعزازات

بھوپال میں اصل اقتدار نواب شاہجہاں بیگم کے پاس تھا، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے اجداد العلوم کی تیسری جلد میں ملکہ کا تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والے اعزازات کا ذکر کیا ہے۔ عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

● — ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء میں ملکہ نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں اُسے پہلے درجے کا بلند خطاب،

اور وزیرِ اعظم کے قلم سے ”ممبر آف دی امپیریل آرڈر آف دگرنڈ گنڈرا شٹراف، انڈیا“ کا شاہی نشان ملا اور وہ خاص اعزاز کے ساتھ خوش خوش بھوپال آئی۔

● — ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں ملکہ دارالحکومت کلکتہ گئی اور وہاں ملکہ انگلستان کے بڑے

لڑکے اور ولی عہد پرنس آف ویلز سے ملاقات کی۔ پرنس نے ملکہ کی بہت تعظیم کی، گراں قدر تمغہ اور انگلستان کے مصنوعہ قیمتی تحائف پیش کیے۔

● — اس سے پہلے ویلز کے بھائی پرنس ایڈنبرا سے ملاقات کی تھی اور اس نے بھی ملکہ کی

انتہائی تعظیم کی تھی اور لندن سے ان کے لیے قیمتی اشیاء بھیجی تھیں اور حسبِ عادت میں بھی ان سفروں میں ان کے ساتھ تھا۔

● — پھر ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں ملکہ نے دہلی کا سفر کیا اور انہیں عظیم الشان شاہی نشان

ملا جس پر لکھا ہوا تھا: ”الْعِزُّ مِنَ اللَّهِ“

● — گورنر جنرل نے ملکہ کو فرنگی تلوار، طلائی پشکا اور جڑاؤ صندوق دیا تھا اور یہ پشکا بم محل

میں زیب تن کرتے ہیں اور اس عظیم دربار اور بڑے اجتماع میں جہاں ہندوستان کے دور و نزدیک کے تمام رؤسا حاضر تھے۔ ماضی کی تاریخ میں ایسا پر شوکت اجتماع نہیں ہوا ہوگا۔ ہمارے لیے ملکہ انگلینڈ کی طرف سے سترہ توپوں کی سلامی مقرر کی گئی جو ہمیں برطانیہ کے زیر نگیں علاقہ میں جانے اور آنے پر پیش کی جائے گی۔

● پھر ملکہ مہنو پال کو ایک اور خطاب کراؤن آف انڈیا ملا، جس کا ترجمہ تاج ہند ہے۔

ان تمام محافل میں نواب صاحب کی حیثیت اگرچہ ثانوی تھی، تاہم برطانوی حکام کی نگاہ میں ان کی وفاداری کسی طرح بھی مشکوک نہ تھی، ورنہ وہ نہیں ملکہ کے شوہر نامدار کی حیثیت سے کبھی تسلیم نہ کرتے۔ آخر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

”مختصر یہ کہ ملکہ اس آخری زمانے اور نادار عصر میں ان فضائل کی جامع ہیں جو عورتوں میں کجا مردوں میں بھی بہت کم جمع ہوتے ہوں گے۔ وہ ان کمالات کی حامل ہیں جن کے بیان سے ترجمان کی زبان قاصر ہے اور یہ ان کے بلند مناقب کے میدان سے ایک ذرہ اور ان کی بزرگیوں کے دریاؤں سے ایک قطرہ ہے۔“

دورِ ابتلا

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ نواب صاحب کے مخالفین انہیں حکومت کی نظروں میں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ دوسری طرف گورنمنٹ کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں زبردست دھچکا لگ چکا تھا، اس لیے جس شخص کے بارے میں ذہن برابر بھی شبہ پیدا ہو جاتا، اس کے خلاف شدید سے شدید تر کارروائی سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔

انگریزی حکومت کے وکیل نے ازراہ دشمنی ہندوستان کے حکام کے پاس شکایت کی اور نواب

پر درج ذیل الزامات لگائے :

۱۔ یہ تہمت لگائی گئی کہ انہوں نے اپنی بعض تالیفات میں جہاد کی ترغیب دی ہے۔

۲۔ وہ ہندوستان میں وہابی مذہب کی ترویج میں کوشاں ہیں اور اس مذہب والے وہ ہیں جن پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی تہمت لگائی گئی ہے اور انہیں جہاد کا بہت شوق ہے۔

۳۔ انہوں نے ملکہ بھوپال شاہجہان بیگم کو شرعی پر وہ پر مجبور کیا ہے تاکہ نواب صاحب کو حکومت کے کئی اختیارات حاصل ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ۔“ لے (ترجمہ)

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ، انگریزی حکام سے پردے کے بغیر ملاقاتیں کرتی تھی اور نواب صاحب کی مجبوری یہ تھی کہ انہیں منع نہیں کر سکتے تھے نیز علی میاں (ابوالحسن علی ندوی) نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہابیہ پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی تہمت لگائی گئی تھی، حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

نواب صاحب کی تصنیف ترجمان وہابیہ اور مواد العوائد وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد کو ناجائز اور گناہ کبیرہ قرار دیتے تھے۔

”جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی، بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔“ لے

اسی طرح وہ وہابی ہونے کی سختی سے تردید کرتے ہوتے نظر آتے ہیں، جو لوگ ہند کے باشندوں کو وہابی ٹھہرا کر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف

منسوب کرتے ہیں، ان کی عقل پر خدا کی طرف سے پردہ پڑا ہوا ہے۔
 لیکن نوشتہ تقدیر کون مٹا سکتا ہے۔ مخالفین کی شکایتیں رنگ لائیں اور
 ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں یہ کارروائی کی گئی؛

فانتزعت من القاب الامارة والشرف التي
 منحتها اياها الحكومة الانجليزية والغى الامر
 باطلاق المدافع تعظيماً

ان سے امارت اور عزت کے القاب سلب کر لیے گئے جو انہیں انگریزی حکومت
 نے عطا کیے تھے اور ازراہ تعظیم توہین داغنے کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔

خدا یاد آیا

اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ نواب صاحب دورِ نوابی میں فقہ اور تصوف کے ائمہ
 کے حق میں سُوْرطن رکھتے تھے، لیکن اب جو وہ سب کچھ قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔ ایسے عالم میں
 انسان کا رُجوع اللہ تعالیٰ اور اللہ والوں کی طرف ہو جاتا ہے یہی ان کے ساتھ بھی ہوا:
 حتى انه وفق بالتوبة عما كان عليه من سوء الظن
 بائمة الفقه والتصوف وكتب ذلك في آخر مقالات
 الاحسان ومقامات العرفان وهو ترجمة فتوح الغيب
 للشيخ الامام عبد القادر الجيلي رضى الله عنه وهو
 آخر مصنفاته ثم بعثه الى دار الطباعة فطبع و
 وصل اليه في ليلة توفى الى رحمة الله سبحانه

لہ صدیق حسن خان بھٹو پالی؛ ترجمانِ دہلیہ ص ۳۱
 لے ابوالحسن علی ندوی؛ نزہتہ الخواطر ج ۸، ص ۱۹۰

فی تلك الليلة - ۱۷

یہاں تک کہ انہیں فقہ و تصوف کے ائمہ کے حق میں بدگمانی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوتی۔ یہ بات انہوں نے "مقالات الاحسان و مقامات العرفان" کے آخر میں لکھی اور یہ شیخ، امام عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ ہے اور نواب صاحب کی آخری تصنیف، انہوں نے یہ کتاب پریس میں بھیج دی تھی اور اس رات چھپ کر پہنچی جس رات ان کی وفات ہوئی۔

وفات

۱۹ جمادی الآخرة ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء کو نواب صاحب کی وفات ہوئی؛
وقد صدر الامر من الحكومة الانجليزية ان
يشيع ويدفن بتشريف لائق بالامراء واعيان
الدولة كما كان لوبقيت له الالقاب الملوكية
والمراسيم الاميرية - ۱۷
انگریزی حکومت نے حکم جاری کیا کہ انہیں نوابوں والی شان و شوکت کے
ساتھ دفن کیا جائے، جیسے اس وقت دفن کیا جاتا، جبکہ ان کے شاہی القاب
اور امیرانہ نشانات برقرار ہوتے۔

بحالی

ماہ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء میں وفات کے پانچ ماہ بعد حکومت نے لقب "نواب"

بحال کر دیا۔

ج ۸، ص ۳-۱۹۲

نزیبہ الخواطر

۱۷ عبدالرحمن لکھنوی، حکیم

ج ۸، ص ۱۹۱

نزیبہ الخواطر

۱۷ ابوالحسن علی ندوی

وردت اليه الحكومة لقب الامارة فواب
في سلخ ذي الحجة سنة سبع وثلاث مائة والفت.

یعنی ایک بار پھر نواب صاحب انگریزی حکومت کے ہاں سرخرو قرار پائے اور بغاوت و
جہاد وغیرہ کے شبہات غلط ثابت ہوئے، نواب صاحب کی رُوح اُس وقت یہ کہہ رہی ہوگی کہ
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

تصانیف

نواب صاحب نے ۲۲۲ کتابیں لکھیں، ۲

ولكن لا تخلوا تصانيفه عن اشياء، اما تلخيص
او تجريد او نقل من لسان الى لسان اخر۔ ۳
لیکن ان کی تصانیف، تصنیف کے ذمے میں نہیں آتیں یا تو کسی کتاب
کی تلخیص ہیں یا تجرید یا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کی ہوئی ہیں۔ ۴

دعوائی مجددیت

مولوی فضل حسین بہاری اہل حدیث لکھتے ہیں،

نواب صدیق حسن خاں اور مولانا ابوالحسنات، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم
کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا، وہ دیکھ لے گا کہ اپنی اپنی زبان سے
مجدد ہونے کا کیونکر دعویٰ کیا گیا؟ ۵

۱۹۰ ج ۰۸ ص ۱۹۰	نزہۃ الخواطر	۱۱ ابوالحسن علی ندوی؛
تراجم علماء حدیث، بنہجانی اکیڈمی، لہور، س ۲۴۲	نزہۃ الخواطر	۱۲ ابویحییٰ خاں نوشہروی؛
ن ۰۱ ص ۱۹۱	الحیاء بعد الممات	۱۳ عبدالحی لکھنوی و حکیم؛
س ۱ - ۲۱۰		۱۴ فضل حسین بہاری

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

معروف قلم کار اور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۱۲۲۷ھ / ۱۸۳۲ء میں بجنور میں پیدا ہوئے۔
بجنور اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ دو سال کنجاہ، پنجاب میں مدرس رہے۔ پھر کانپور چلے
آئے۔ تعزیرات ہند کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

وكان يقع في الحديث الشريف وفي روايته و
يقول هم جهال لا يعرفون العلوم الحكمية ولا معاني
الاحاديث الحقيقية - له

حدیث شریف اور اس کے راویوں پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جاہل
تھے، علوم حکمیہ اور احادیث کے معانی حقیقیہ نہیں جانتے تھے

ترجمہ قرآن

انہوں نے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، عربی اور اردو میں بہت
کا دعویٰ رکھتے تھے،

ويؤخذ عليه انه قد يختار التعبير الذي لا
يليق بالملك العلام وجلال الكلام لغرامه باستعمال
ما جرى على لسان اهل اللغة وشاع في معاورة
بعضهم لبعض وقد يتورط بذلك فيما يشير

عليه النقد واللائمة - لہ

ان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ میں ایسے الفاظ لے آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور کلام الہی کی عظمت کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ انہیں اہل زبان کے استعمال اور ان کے محاورات سے بہت شغف ہے، اس لیے وہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کی بناء پر ان پر تنقید اور ملامت کی جاتی ہے۔

سرستید کے تعلیمی نظریات کے بڑے متوید تھے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں وہ دہلی میں رہے لیکن تحریک سے کوئی تعلق نہ رکھا۔
ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

پرنسپل ٹیلر نے محمد حسین آزاد کے گھر پناہ لی۔ ذکاء اللہ اپنے محبوب استاد پروفیسر رام چندر کی حفاظت کے لیے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے اور نذیر احمد نے اپنے سسرال والوں کے تعاون سے ایک زخمی خاتون لیسنس کی جان بچائی۔ اگرچہ اس خیر خواہی کا سہرا خاندان کے دو بزرگوں (مولوی عبدالقادر اور مولوی نذیر حسین) کے سر ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس موقع پر نذیر احمد کی کارگزاری بھی کسی سے کم نہیں تھی۔

انگریز ہی سلطنت کے اہل ہیں

ڈپٹی صاحب ایک لیکچر میں کہتے ہیں:

لہ ابو الحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۲۹۲
لہ اس لحاظ سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا ترجمہ قرآن کنزالایمان "بے نظیر ہے کہ اس میں عظیم الوہیت اور احترام رسالت و نبوت کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے" ۱۲ قادری
لہ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، مولوی نذیر احمد دہلوی (مجلس ترقی ادب، لاہور، ص ۸۰)

”۱۸۵۷ء کے غدر میں، میں اپنے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز بھلے بول
 تو سمٹ کر تھوڑے دنوں کے لیے سمندر میں ہو رہیں۔ یہی باغیانانہ عاقبت انڈیش
 برٹنود غلط، جو عمداری کے تنزل سے خوش ہیں، چند روز میں عاجز آکر بہ منت
 انگریزوں کو منالائیں تو سہی۔ میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت
 بندوستان کے اہل ہیں۔“

ایک لکچر کے چند نکات ملاحظہ ہوں:

● ”ہماری سلطنت جاتی رہی تو خدا نے برٹش گورنمنٹ میں ہم کو اس کا نعم البدل
 عطا فرمایا ہے۔“

● لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها

پس ہم مسلمان تو مذہباً اطاعت حکام پر مجبور ہیں اور جو فعل موہم سرکشی ہو، ہمارے
 یہاں منہیات شرعیہ میں سے ہے۔

● انگریزوں کے ہم مسلمانانہ بند پر اتنے حقوق ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں اور
 ہم سے عہد امن رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ کہ ان کی حکومت، حکومت
 صالحہ ہے۔

● انگریزوں کی حکومت اگر حکومت صالحہ نہ ہوتی، تاہم مستامن ہونے کی
 حیثیت سے ان کی خیر خواہی اور اطاعت ہمارا فرض اسلامی ہوتا، فکیف
 جبکہ امن، آسائش اور آزادی کے اعتبار سے ہمارے حق میں خدا کی رحمت ہے،
 اگر انگریز نہ آتے تو ہم کبھی کے کٹ مرے ہوتے۔“

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے خطبات اور مذہبی تصانیف میں نہ صرف انگریزی حکومت کی اطاعت کی تلقین کی، بلکہ انگریزوں سے معاشرتی روابط پیدا کرنے کے حق میں بھی مذہبی دلائل پیش کیے۔^۱

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ان الفاظ میں تنقید کرتے ہیں:

”آخر ہم ہندوؤں میں رہتے، ان سے ملتے جلتے ہیں اور ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں، تو انگریزوں کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ہم کو دنیاوی ارتباط رکھنا چاہیے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے، کیونکہ دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر نہج نہیں سکتا۔“^۲

انعام

ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب ”مرآة العروس“ پر حکومت نے گراں قدر انعام سے نوازا۔ مسٹر کیپٹن، ناظم تعلیمات صوبہ شمالی مغربی نے ان کی کتابیں دیکھیں، تو پسند کیں اور فرمائش کی کہ ان کی نقلیں میرے پاس بھیج دو۔

دو ماہ بعد انہوں نے اطلاع بھیجی کہ مرآت العروس ایک ہزار روپے کے اول انعام کے لیے حکومت کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ صوبے کے اینٹینٹ گورنر سر ولیم میور نے اگرہ کے دربار میں انعام سے نوازا، مصنف کی عزت افزائی کے لیے اپنی جیب خاص سے ایک گھڑی مرحمت فرمائی۔ حکومت کی طرف سے کتاب کی دو ہزار جلدیں خریدی گئیں۔^۳

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے سر ولیم میور کی شان میں ایک عربی قصیدہ لکھا جس کے چند

ص ۳۸۶

مولوی نذیر احمد دہلوی

۱۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر:

ص ۱۵۹

۲۔ ایضاً،

ص ۸۷

۳۔ ایضاً،

اشعار درج ذیل ہیں :

فانی اذا مارمت اظہار شکرکم
تقصر عنه منطقی و بیانی
ولم ارا قبلی قط من نال غایة
تخلف عنہا اهل کل زمان
نقودی فلی فی الفد الف حاجتہ
قضاء دیون و افتکاک رہان
و غیر ہما مالا اکاد اعدہا
و ذاساعتی صیغت من العقیان
اقلدہا جیدی لیعلم اننی
لسی ولیم فی سابقہ الاحسان

میں جب آپ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہوں، تو میری گفتگو اور قوت گویائی
ساتھ نہیں دیتی۔

میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے اس سے پہلے وہ بلند مقام حاصل
کیا ہو جس سے تمام اہل زمانہ پیچھے رہ گئے ہیں۔

ایک ہزار نقد میں میری ہزار حاجتیں ہیں، قرضوں کی ادائیگی اور رہن کی
واگزاری۔

ان کے علاوہ بے شمار حاجتیں ہیں، اور یہ گھڑی ہے جو سونے سے بنائی گئی ہے
میں اسے اپنی گردن میں لٹکا کر رکھوں گا تاکہ معلوم ہو کہ میں سر ولیم کے

قلادۃ احسان میں ہوں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

قاضی صاحب سیشن جج پٹیا لہ اور مصنف رحمۃ للعالمین نے ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے پندرہویں سالانہ اجلاس آگرہ میں ایک طویل خطبہ دیا جس میں کانفرنس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مقصدِ ششم

”اس کانفرنس کا حکومت کی وفاداری کے ساتھ ساتھ دینی دنیوی ترقی کا انتظام کرنا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی مسلمان بھی بغاوت یا مجرمانہ سازش یا معاندتِ سلطنت کا روادار نہیں، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حکم دینے سے باز نہ رہے۔
وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہنا چاہیے۔“ لہ

مولوی ثناء اللہ امرتسری

مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ امرتسری ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی احمد اللہ امرتسری، مولوی عبدالمنان وزیر آبادی سے تعلیم پائی۔ دیوبند میں بھی پڑھتے رہے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے آخری کتابیں پڑھیں۔ تمام عمر امرتسر میں رہے۔ تقسیم کے بعد

لہ محمد سلیمان، منصور پوری قاضی، خطباتِ سلیمان (مسلمان کمپنی، سوہدرا، گوجرانوالہ، ص ۲۳۱)

پاکستان آگئے۔ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔ لہ

تفسیر یا تحریف؟

ان کی تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمن عربی نے خوب شہرت پائی، ان کے ہم مسلک اہل حدیث علماء نے اس تفسیر پر سخت تنقید کی۔ مولوی عبدالحی، مورخ لکھتے ہیں:

وقد تعقب علیہ بعض العلماء

بعض علماء نے اس پر تعاقب کیا ہے

یہ تعاقب اتنا سرسری نہیں تھا، جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے مسلم عالم مولوی عبداللہ غزنوی کے شاگرد مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک رسالہ الاربعین میں چالیس ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جو ان کے نزدیک قابل اعتراض تھے۔ اس تفسیر کے بارے میں ان کے تاثرات یہ ہیں:

”الفاظ غلط، معانی غلط، استدالات غلط، بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی

بھی ناک کاٹ ڈالی۔“ ۱

حقیقت میں یہ بے انصاف، ناحق شناس، بدنام کنندہ نگو نامے چنہ ناحق اہل حدیث کو بدنام کر رہا ہے، بلکہ اہل حدیث سے بالکل مخالف اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔ فلاسفہ اور نیچرلوں اور معتزلہ کا مقصد ہے ناسخ و منسوخ، تقدیر، معجزات، کرامات، صفات باری، دیدار الہی، میزان، عذاب قبر، عرش، لوح محفوظ، دابۃ الارض، طلوع شمس از مغرب وغیرہ وغیرہ

۱ نزیہ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۶-۹۵

۱ لہ عبدالحی، حکیم:

ص ۹۵

۲ ایضاً

الاربعین (لاہور پرنٹنگ پریس لاہور) ص ۳

۳ عبدالحق غزنوی:

دیا جائے تو روا ہے اس کا مصنف اس تفسیر سرِ ابا المحمود تحریف

میں پورا مرزائی، پورا چکڑا لوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے۔“ لہ

اسی پر بس نہیں ۱۳۲۲ھ / ۱۹۲۶ء میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تجویز پر یہ مقدمہ سعودی عرب کے بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ نے اپنے علمائے کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے الاربعین کی تائید کی اور امرتسری صاحب کو تائب ہونے کے لیے کہا۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان آل بلیہد نے اپنی رائے اس انداز میں ظاہر کی،
”میں نے ان کو اہل حدیث اور اہل سنت کے مذہب و مسلک کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی، مگر باوجود ان سب باتوں کے انہوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا اور معاندانہ روش اختیار کی (ترجمہ)

ریاض کے قاضی شیخ محمد بن عبداللطیف آل شیخ نے لکھا،

”نہ تو مولوی ثناء اللہ سے علم حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی اقتداء جائز ہے اور نہ اس کی شہادت قبول کی جائے اور نہ اس سے کوئی بات روایت کی جائے اور نہ اس کی امامت صحیح ہے، میں نے اس پر حجت قائم کر دی، مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ پس اس کے کفر اور مرتد ہونے میں شک نہیں۔“ لہ

مولوی عبدالاحد خانپوری، اہل حدیث لکھتے ہیں،

اور ثناء اللہ ملحد زندق کا دین اللہ کا دین نہیں ہے، اس کا کچھ دین تو فلاسفہ دہریہ نما وہ صاحبین کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن

لہ عبدالحق غزنوی، الاربعین ص ۲۳

۲ عبدالعزیز، فیصلہ مکتبہ جمعیتہ مرکزیہ اہل حدیث ہند (لاہور) ص ۱۵

ص ۱۴

۳ ایضاً،

۴ کہ مزدکی جمع، بمعنی سرکش

ہیں اور کچھ دین اس کا البوجہل کا ہے جو اس امت کا فرعون تھا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے پس وہ بحکم قرآن واجب القتل ہے۔“ لے

یہ سب اہل حدیث کے ذمہ دار اور مستند علماء کے فتوے ہیں، مگر موجودہ دور کے اہل حدیث کے نزدیک وہ مسلم شیخ الاسلام ہیں۔

”اہل حدیث امرتسر کے نامور مدیر شیخ الاسلام حضرت مولانا امرتسری حمزہ المدنی علیہ السلام

اب سوال یہ ہے کہ کیا امرتسری صاحب نے اپنے ان اقوال سے توبہ کر لی تھی جن کی بنا پر مذکورہ بالا فتوے لگائے گئے تھے اور اگر نہیں تو شیخ الاسلام کے معتزترین لقب ہی کا پاس کیا ہوتا؟

مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز

امرتسری صاحب مرزائیوں سے مناظرہ اور مقابلہ کرتے رہے، لیکن مرزائیوں کے بارے میں اُن کا موقف کیا تھا؟ مولوی عبدالعزیز، سیکرٹری جمعیتہ مرکزیہ اہل حدیث، ہند کی زبانی سنئے، مولوی ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ نے لاہوری مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی، آپ مرزائی کیوں نہیں؟“

آپ نے فتویٰ دیا کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے مرزائیوں کی عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا۔ اس سے آپ خج و مرزائی کیوں نہیں ہوتے؟“

الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ الامان سرمد برقی پریس راولپنڈی، ص ۸

لے عبدالاحد خان پوری،

مرزائیت اور اسلام ص ۱۴۸

لے ظہیر

ص ۱۸۱

ب ایضاً،

ص ۲۶

فہرستہ مکہ

لے عبدالعزیز

اس کے باوجود اگر انہیں شیخ الاسلام قرار دینے پر اصرار ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا اسلام ہے؟ خدا و رسول کا اسلام تو ہو نہیں سکتا۔

آخر میں برٹش گورنمنٹ کے بارے میں اُن کا نظریہ بھی دیکھ لیجئے۔

غلام رسول مہر، اہل حدیث لکھتے ہیں،

”۱۹۲۲ء میں ایک اجتماع کا انتظام ہوا اور اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم

امر تسری بھی شریک تھے۔ وہ اہل حدیث کا نفرنس کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے

ہمیں کانفرنس کے اغراض و مقاصد دیتے تو اُن میں پہلی شق یہ تھی،

”حکومتِ برطانیہ سے وفاداری“

ہم نے عرض کیا کہ مولانا اسے تو نکال دیجئے۔ ہم ترکِ موالات کیے بیٹھے ہیں،

تو وہ سخت غصے میں آگئے، لیکن اکثریت نے یہ شق نکلوا دی۔“ لہ

خیال فرمایا آپ نے کہ حکومتِ برطانیہ کی وفاداری کس قدر عزیز تھی؟ اکثریت نے

اگرچہ یہ شق نکلوا دی، مگر امر تسری صاحب آخر تک اس شق کے حذف کرنے کو قبول نہ کر سکے،

پھر اس شق کا نکلوا دینا بھی محلِ غور ہے، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے پندرہویں جلسے میں جو آگرہ میں منعقد ہوا تھا۔ قاضی محمد سلیمان

منصور پوری نے اپنے خطبہ میں کانفرنس کا چھٹا مقصد حکومت کی وفاداری کو قرار دیا تھا۔

اہلِ پیشانیاں

گزشتہ اوراق میں سیما احمد بریلوی، شاہ اسمعیل دہلوی، میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی

محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن بھوپالی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری

اور مولوی ثناء اللہ امرتسری وغیرہم زعماء اہل حدیث کے انگریزی حکومت سے روابط و مراسم

اور وفاداری کے عہد و پیمانے، ناقابل انکار شواہد اور حوالہ جات سے بیان کئے گئے ہیں، جن سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی اُجلی پیشانیوں اور درخشندہ جبینوں پر انگریز دشمنی کا داع تک نہیں ہے۔ ان پر انگریز دشمنی کا الزام لگانے والا ان کا دشمن تو ہو سکتا ہے، خیر خواہ اور عقیدت مند سرگز نہیں ہو سکتا۔

برٹش گورنمنٹ کے خطاب یافتگان

مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی نے "الذرا المنثور فی تراجم اہل صاوقفور" میں حکومتِ برطانیہ سے شمس العلماء، یا خان بہادر کا خطاب پانے والے جن علماء اہل حدیث کا ذکر کیا، ان کی فہرست پہلے ایڈیشن کے ٹائٹل کے اندرونی صفحے پر دی ہے اور انگریزی حکومت کو گورنمنٹ عالیہ عادلہ کے القاب سے یاد کیا ہے اور حق شکر گزاری اس طرح ادا کیا ہے:

"خاص کر فرقہ اہل حدیث کے لیے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ وہ بلا مزاحمت اپنے تمام ارکان دینی ادا کریں، نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے، پس ان کا فرض مذہبی و منصبی دونوں ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع و فرمان بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ دعا گوئے سلطنت رہیں، فتد برو تفکر ولا تکن من الغافلین"

اگلے صفحے پر اس فہرست کا عکس ملاحظہ ہو، یاد رہے کہ یہ صرف وہ خطاب یافتہ اہل حدیث ہیں، جن کا ذکر "الذرا المنثور" میں ہوا ہے۔ ورنہ تتبع اور تلاش سے یہ فہرست مزید طویل ہو سکتی ہے۔

القطب

میں اس جگہ ایک فرستادہ حضرات کی گفتگو ہے کہ جبکہ نامہ ایس سے تکرہ میں درج ہوئے
 ہیں اور انکو پہلی گورنمنٹ علیہ طواریکی طرف سے خطاب عطا ہوا ہے اور وہ کل ملت میں پانچ نام ہیں
 وہ ہیں کہ جنکو شمس العلیا کا خطاب دیا گیا اور وہ وہ ہیں جنکو خان بہادر کا خطاب بخشا گیا وہ وہ
 ۱۔ شمس العلیا جناب حضرت مولانا محمد سعید قدس سرہ ساکن محلہ منڈلیوہ شہر پٹنہ
 ۲۔ شمس العلیا جناب مولانا محمد منیر احمد علیہ السلام ساکن محلہ ساد پور شہر پٹنہ
 ۳۔ شمس العلیا برادری عزیز مولوی عبدالرؤف مرحوم و مغفور ساکن محلہ ساد پور شہر پٹنہ
 ۴۔ شمس العلیا مولوی محمد علی صاحب ساکن محلہ آبا ساکن محلہ ساد پور پٹنہ
 ۵۔ شمس العلیا جناب حضرت مولانا ذریعہ حسین مدظلہ العالی ساکن محلہ ساد پور پٹنہ
 ۶۔ خان بہادر جناب قاضی سعید محمد اہل مرحوم ساکن قصبہ بارہ ضلع پٹنہ
 ۷۔ خان بہادر جناب قاضی مولوی فرید احمد صاحب ساکن گیا

چونکہ یہ عملیات بلا عوض کسی خدمت کے بغیر برادر شفقت و مہربانی سر روانہ و عنایت شاہد ہم مسلمان
 لوگوں کی عزت افزائی و قدر شناسی کے لئے گورنمنٹ عالیہ نے مرحمت فرمائی ہیں پس ہم سب
 مسلمانوں کو عموماً اور فرقہ اہل حدیث کو خصوصاً اور اہل انجمن خاصاً خانہ ان ساد پور کو اسکا شکریہ
 تو لاؤ و فعلاً ادا کرنا چاہئے کیونکہ الشکر بزید النعمۃ ہم مسلمانوں کا فطرتی اور مذہبی شیوہ ہے
 کہ حسن کے احسان کا تو لاؤ و فعلاً اعتراف کریں۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات مغفور موجودات
 رحمتہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس پھر کون مسلمان ہوگا
 جو اس پر عمل نہیں کرے گا۔ خاص کر فرقہ اہل حدیث کے لئے تو کسی اسلامی سلطنت
 میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ وہ بلا مزاحمت اپنے تمام امکان دینی ادا کریں) نصیب نہیں جو
 برٹش حکومت میں انھیں حاصل ہے۔ پس ان کا فرض مذہبی و نفسی دونوں ہے کہ
 وہ ایسی تبادل اور مہربان گورنمنٹ کی طبع و فرمان بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ رعایا
 کوئے سلطنت میں فتدبر و تفکر و لانتکن من الغافلین

اندھیرے سے اجاڑنا

اور

پیشے کے گھر

ارباب علم و صحافت کی نظر ہیں

ترتیب

ممتاز احمد مدنی

حضرت علامہ مولانا لقا سید علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهٖ الْکَرِیْمِ

محبت محترم مولانا عبد الحکیم شرف قادری صاحب شیخ الحدیث
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ اہل سنت کی قابل قدر شخصیت ہیں، وہ اپنی ذات کو
دیکس و تدریس، تالیف و تصنیف کے لیے وقف کر چکے ہیں، مولانا موصوف
مصروف ترین اور ہمہ گیر شخصیت ہیں، متعدد درسی کتابوں کے تراجم اور حواشی لکھ چکے
ہیں اور متعدد موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم و فضل کا بہین ثبوت ہیں، ایک
عالم متقی ہونے کے ساتھ خاموش طبع بھی ہیں۔

زیر نظر کتاب اندھیرے سے اجالے تک میں مولانا نے انجیاری کی طمع کا پردہ چاک
کر دیا اور اپنی ششہ تخریر میں حقائق کو واشکاف کر دیا اور ثابت کر دیا کہ امام احمد رضا
اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ بالکل بے سرو پا اور
اور غلط ہیں اور چلتی پھرتی روایتوں اور افواہوں کا بھی قلع قمع کر دیا اور انصاف کے
دامن سے وابستہ رہے ہونے پر بات پر قول باحوالہ درج کر دیا۔

بہر حال مولانا نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے حقیقت میں اس کا حق
ادا کر دیا ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ لطیف سید عالم صلی اللہ
علیہ وسلم انہیں صحت و سلامتی کے ساتھ مسلک اہل سنت کی تبلیغ و اشاعت
کی مزید توفیق عطا فرمائے

فقیر تقدس علی قادری شیخ الجامعہ

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، خیر پور

۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء

افسوس کہ حضرت اقدس ۳ رجب المرجب ۲۲ فروری ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء کو دارفانی سے رحلت
فرما گئے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ پیر جو گوٹھ، ضلع خیر پور میں سندھ میں آپ کا مزار ہے۔

غزالیٰ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

(ملتان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهِ
وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ ط

اعلیٰ حضرت مجددِ ملت الامام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مسلک اہل سنت کی طرف سے عامتہ المسابین کو بدظن کرنے کی جو مہم معاندین کی طرف سے شکم پروری کی خاطر عرصہ دراز سے چلائی گئی اس کی بنیاد دروغ گوئی اور الزام تراشی کے سوا اور کچھ نہ تھی جب وہ انتہائی کس میرسی کی حالت میں مضحمل ہو کر دم توڑنے لگی تو اچانک سعودی خزانوں کے دھانے کھل گئے ریالوں کی بھرمار شروع ہو گئی۔ پھر کیا تھا یار لوگوں نے خوب ہاتھ رنگے اور شکم پروری کے اس موقع سے جی بھر کے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ملک اور بیرون ملک اس مذموم مہم کو بڑی تیزی سے چلانا شروع کر دیا گیا۔ اس سعی نامسعود کا نتیجہ رسوائے زمانہ کتاب البریلویہ ہے جس کے بد باطن مؤلف نے اعلیٰ حضرت پر جھوٹے الزام لگائے اور مسلک اہل سنت کو مسخ کر کے کفر و شرک اور بدعت و ضلالت کی صورت میں پیش کیا حقائق ثابتہ کو دجل و فریب کے پردوں اور چمکتی ہوئی صداقتوں کو شکوک و اوہام کی تاریکیوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کی مگر بھجواسے "ہرگز نہیں" اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فاضل جلیل حضرت مولانا محمد عبدالسیلم شرف قادری میدان میں آئے اور انہوں نے اس کے رد میں "اندھیرے سے اجائے تک" کتاب لکھی جو اسم باسٹھی ہے حقیقت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے مخالف البریلویہ کے مکرو فریب اور دجل کے نام پردوں کو چاک کر دیا اور علم و یقین کے نور سے شکوک و

اوہام کی ظلمتوں کو نسبت و نابود کر دیا ہے۔ اس کا جو حصہ سامنے آیا ہے اس کے
 پڑھنے سے یقیناً ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم اندھیرے سے اجالے تک پہنچ
 گئے مصنف مدوح نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب
 کیا ہے۔ مدلل اور مسکت جوابات دئے ہیں، انتہائی سلیس اور پاکیزہ اندازِ بیاں ہے
 تحقیق اور انصاف کی روشنی میں اگر یہ کتاب پڑھی جائے تو پڑھنے والا بیباختہ ہے
 کا حق یہی ہے جو ”اندھیرے سے اجالے تک“ کتاب کے مصنف نے لکھا۔

فاضل محترم مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری مستحق تحسین و آفرین ہیں کہ
 انہوں نے بے نظیر کتاب لکھ کر حقائق کے چہروں سے نقاب اٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ
 ان کی اس تصنیف کو شرف قبول عطا فرمائے اور انہیں ان خدمات کے لیے
 زندہ و سلامت رکھے۔ آمین

سید احمد سعید کاظمی، ۵ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ
 مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۸۶ء

حکیم محمد سعید دہلوی
 ہمدرد منزل کراچی ۵

محترم جناب محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب!
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرسلہ کتابیں (۱) اندھیرے سے اجالے تک (۲) حیات امام اہل سنت
 (۳) اجالا (۴) امام احمد رضا بریلوی اپنوں اور غیروں کی نظر میں (۵) سلام رضا
 (۶) بہار شباب مع سوانح حیات (۷) قادیانی مرتد پر خدائی تلوار، ملیں۔

لے افسوس کہ حضرت غزالی زماں قدس سرہ ۲۵، رمضان المبارک ۴ جون ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء کو
 دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ

آپ کے ان تحائف کا شکریہ!

ساری کتابیں معلومات افزا ہیں اور ان سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے حالات و سوانح اور ان کے علمی کارناموں پر اچھے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے دعا ہے کہ ان کتابوں کو قبول عام نصیب ہو! آمین!

آپ کی اس کرم فرمائی کا شکریہ مکرر

امید ہے کہ مزاج بہ عافیت ہوگا۔

بہ احترامات فراوان

آپ کا مخلص

حکیم محمد سعید

۱۶ ذیقعد ۱۴۰۶ھ

۱۵ جولائی ۱۹۸۶ء

مولانا محمد احمد مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، انڈیا

”اندھیرے سے اجالے تک“ آپ کا عظیم جماعتی اور علمی و تاریخی کارنامہ ہے جسے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں :-
۱۔ البریلویۃ (احسان الہی ظہیر) کے ہر الزام کا جواب بسط و شرح سے پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات و خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے، جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تاریکبوت کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک مثبت تحقیق کی بھی حامل ہے

۳۔ البریلویۃ کے افتراءات کا جواب بڑی ہی بردباری، نرمی و متانت سے پیش کیا گیا ہے

سجیدگی اور حوالوں کی پختگی کے ساتھ دیا گیا ہے، میری نظر میں یہ آپ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ورنہ ظہیر نے جس عیاری و بے باکی کے ساتھ حقائق کو مسخ کرنے اور شخصیت کی مکروہ تصویر بنانے کی ناروا کوشش کی ہے وہ امام احمد رضا کے ہر معتقد کو شعلہ قلم بنانے کے لیے کافی ہے۔

سوسال بلکہ زیادہ عرصہ سے قادیانی، رافضی، نیچری، غیر مقلد، دیوبندی سبھی فرقے امام احمد رضا کے سخت مخالف ہیں، لیکن مخالفت، تعصب اور عناد کے باوجود امام احمد رضا کی فقہی مہارت، غیر معمولی ذہانت، قوتِ تحریر اور مختلف علوم و فنون میں کمال کے معترف رہے ہیں۔ لیکن احسان الہی ظہیر وہ پہلا شخص ہے جسے عناد و تعصب میں اس مرتبہ کمال تک ترقی ہوئی کہ امام احمد رضا کو ”سیئ الحافظہ غائب لداع“ لکھا اور ان کی تصانیف کو ان کے متعلقین اور تلامذہ کا کارنامہ شمار کیا۔ آخر ان متعلقین اور تلامذہ نے امام احمد رضا کے بعد یا انکی زندگی ہی میں کوئی ایک ہی کتاب ان کے معیار کی لکھی ہوتی، ان کے لیے کون سا مانع تھا؟ جب وہ خود اپنے نام سے اپنی کتابیں شائع کرتے ہیں تو وہ بلندیِ فکر و استدلال نہیں ملتی جو امام احمد رضا کی کتابوں میں ہے۔

۴۔ اندھیرے سے اجالے تک کے تمام حوالے اہتہائی دیانت داری سے پیش کیے گئے ہیں اور جملہ مندرجات کے ماخذ موجود ہیں، جب کہ البریلوٹیہ میں بغیر کسی حوالہ کے امام رضا کے ابتدائی استاد مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کو قادیانی کا بھائی بنا دیا ہے اور جگہ جگہ حوالے تو دیئے ہیں لیکن عبارت بالکل مختلف ہے، اصل میں کچھ ہے اور البریلوٹیہ میں کچھ۔

خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلتی ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے اور معاند کی پر تعصب کاوشس فکر و قلم خاک

۵۔ آپ کی کتاب اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ استطراد سے خالی ہے اور ایجاز و حسن بیان سے آراستہ ہے، حوالے اور دلائل زیادہ ہیں اور بے ضرورت خامہ فرسائی بالکل نہیں۔

۶ کتاب کی کتابت اور تصحیح بھی بہت عمدہ ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں اکثر کتابیں اغلاط کتابت کی خاصی مقدار لیے ہوتی ہیں، غالباً پروف پر آپ کی بھی نظر گزری ہے۔

آپ نے اہل سنت کو ایک عظیم فرض کفایہ سے سبکدوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ رب کریم آپ کو ہم تمام سینوں کی طرف سے اپنی شان کے لائق جزاؤں سے نوازے اور اس کتاب کے عربی ایڈیشن اور دیگر ابواب کی تکمیل کا سامان بھی احسن و اکمل طور پر بہت جلد فرمائے

محمد احمد مصباحی بھیروی
رکن الجمع الاسلامی، فیض العلوم
محمد آباد، گومہند، عظیم لڑھ، یو۔ پی

۲۴ ربیع الثور ۱۴۰۶ھ
۱۸ نومبر ۱۹۸۵ء

پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل

گورنمنٹ ڈگری کالج، کھٹہ سندھ

نوازش نامہ اور تحفہ اہل حق موصول ہوئے۔ آپ نے بڑی محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کر دیا، جزاکم اللہ! — مدلل، محقق، مختصر نگار، نشات دور جدید کا تقاضا ہے، آپ نے اس تقاضے کو بحسن و خوبی پورا فرمایا، آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ دابین میں اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمائے آمین — آپ جن حالات میں کام کر رہے ہیں، ان حالات میں اہل غنیمت ہی کام کرتے ہیں مولیٰ تعالیٰ آپ کو بہت، واستقامت عطا فرمائے آمین!

آپ ان ممتاز اہل قلم میں سے ایک ہیں جن سے فقیر استفادہ کرتا ہے۔ آپ
کی مساعی لائق تحسین و آفریں ہیں۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۴۱۲ نومبر ۱۹۸۵ء

مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی

شیخ الحدیث، سیال شریف

جناب کے مسلسل دو عدد عظیمیے اندھیرے سے اجالے تک
موصول ہونے، بہت مستحسن کوشش ہے اور انتہائی محتاط انداز بیان۔ اللہ تعالیٰ
مزید برکات سے بہرہ ور فرمائے اور خدمت دین قوم کی توفیق رفیق خیر رفیق

ملک، شبیر محمد خاں، کالا باغ

آپ کی ارسال کردہ کتاب موسومہ اندھیرے سے اجالے تک
موصول ہوئی، جس کے لیے اعماق قلب سے ممنون ہوں۔ میں اس کتاب کی طباعت
کا منتظر تھا۔ کتاب موصول ہوتے ہی ایک ہی نشست میں پڑھائی۔ فاضل مؤلف نے
البریلوئیہ کے تمام اعتراضات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ انداز بیان دلکش، سنجیدہ
اور مہذب ہے۔ فاضل مؤلف کے لیے بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

والسلام خیر طلب

شبیر محمد خاں نے

۲۳ اکتوبر ۱۹۸۵ء

ایہ سوسے کرنا صاحب ۱۳ جماد الثانیہ ۲۳ فروری ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء کو

بازار سے جانا فوائگٹ

مولانا عبدالحکیم خاں اختر شہناجہا پوری

مترجم کتب حدیث — لاہور

اندھیرے سے اجالے تک، ندائے پارسول اللہ اور مجموعہ رسائل متعلقہ رد و افاض، یہ تینوں آپ کی نگارشات بغور دیکھیں اور دوران مطالعہ بار بار آپ کے لبے دل سے دعائیں نکلتی رہیں — جزاک اللہ فی الدارین خیراً "علامہ" احسان الہی ظہیر صاحب کے الزامات کا جس عالمانہ اور فاضلانہ نشان سے بے سرو پا ہونا ثابت کیا ہے اور جس طرح مسکت جوابات، دیے ہیں ان کے باعث آپ جملہ اہل سنت و جماعت کی طرف سے شکر یہ کے مستحق ہیں۔ اپنی اس کاوش اور سعی مشکور کے باعث آپ نے اپنے رضوی ہونے کا منہ بولنا ثبوت فراہم کر دیا ہے

اختر شہناجہا پوری مظہری

۳ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

۱۳ مئی

۱۹۸۹ء

پروفیسر محمد ارشد، لیکچرر شعبہ تاریخ

کیڈٹ کالج، حسن ابدال.....

چند دن پہلے آپ کی کتاب شیشے کے گھر دیکھنے کا اتفاق

ہوا، اپنے موضوع پر بہت اچھی اور لائق تحسین کوشش ہے۔ اندھیرے سے اجالے تک

آپ کی دوسری نسبتاً زیادہ ضخیم کتاب بھی پڑھ چکا ہوں۔ البسریوۃ کا بہت چرچا سنا تھا

راقم الحروف کو عربی پر دسترس نہیں ہے۔ اس لیے خود تو اس کا مطالعہ نہ کر سکا

تھا اب آپ کی کتاب اندھیرے سے اجالے تک نے جو اس فریب کا پردہ چاک کر دیا

کیا ہے تو معادم ہوا کہ البسریوۃ کے مؤلف لٹنی کھلی کھلی بددیانتیوں کے مرتکب ہوئے

میں جو ایک عالم دین تو کیا ایک شریف انسان سے بھی متوقع نہیں ہوتیں

مخلص، محمد ارشد

۲۰ جون ۱۹۸۹ء

علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور

غیر مقلدین کے خطیب و ادیب، علامہ احسان الہی ظہیر صاحب نے اپنی بیماریا عربی زبان میں البسریوتیہ لکھ کر وادی نجد کے نوکیلے ذہنوں کو خوشس کر دیا تھا۔ اس کتاب کی غلط بیانیوں کو ہمارے فاضل دوست جناب مولانا محمد عبدالحکیم شرف نے اندھیرے سے اجالے تک میں آڑے ہاتھوں لیا، یہ کتاب نظریاتی افتق پر ایک لطیف اجالہ بھیجی ہوئی آئی۔

محمد عالم مختار حق — لاہور

اندھیرے سے اجالے تک کا کئی دن ہوئے مطالعہ کرچکا ہوں اور اس انتظار میں تھا کہ اس کا حصہ دوم بھی نظر نواز ہو تو مطالعہ کے بعد اپنی گزارشات پیش کر دوں، مگر دوسرا حصہ غالباً ابھی تک منصہ شہود پر نہیں آیا۔ آپ نے جس انداز سے احسان الہی ظہیر صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب البسریوتیہ کا تعاقب کیا ہے میں اس پر ہڈی تہریک پیش کرتا ہوں، آپ نے غنیم کے مورچوں کو جی صرف تہس نہس نہیں کیا بلکہ دشمن کے علاقہ میں گھس کر اسے ہڈی بڑا پ کرنے پر مجبور کر دیا اور احسان الہی صاحب نے البسریوتیہ میں اپنی عربی دانگی کا جو قلعہ تعمیر کیا تھا اسے اسلے اندرونی دوستوں کی معاونت ہی سے ہندم کر دیا میری مراد اس اسلمہ سے ہے جو آپ کو ہفت روزہ اہل حدیث کے شماروں سے ملا، اسے کہتے ہیں اس گھر کو آل لاسی گئی گھر لے چراغ سے، مگر میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ کتاب کی اندرونی شہادتوں سے آپ نے احسان صاحب کے مبلغ غلام جو پول کھولا ہے اور اس طرح جو اسے زخم پہنچائے ہیں وہ مدتوں ان کو سہلانے پہنچائے۔ البتہ ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ

آپ کی کتاب میں بھی اردو میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جن میں گونا گونے غلط العوام میں مگر
فرق مخالف کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تو آسکتا ہے

۲۱ جنوری ۱۹۸۶ء
آپ کا محمد عالم

ارادہ سلطان مجاہد الطاہری

سینئر سول انجینئر..... ادکارا

آپ کی مخالفت، کتابیں نظر سے گزرو ہیں مرکز مجلس صفا
کی کتابیں بھی زیر ملاحظہ رہتی ہیں، ہمارے مساک میں آپ ان مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں
ہیں جن کی تحریریں بلے اور بازاری الفاظ سے مبرہ ہیں۔ دراصل آج کے دور میں یہ تحریریں
قابل قبول و ستائش رہ گئی ہیں، آپ ایسے مصنفین ہمارے لیے قابل فخر سرمایہ ہیں۔
جن کی نگارشات ہر طبقہ میں پسند کی جائیں۔ پر اثر ہوں۔ ہم نے صرف اپنا نقطہ نظر
پیش کرنا ہوتا ہے۔ دوسروں پر بلے جانتقید اور بلے منصفانہ حوالے دراصل صحیح موقف کو
کو کمزور کر دیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں میں یہ تحریریں آج کل نفرت کی علامت سمجھی
جاتی ہیں، ماشاء اللہ! آپ کی تحریریں ان آلائشوں سے پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
یہ نعمت آپ کو دی ہے۔ اس کا شکر ہے اور آپ کو مبارک ہو

۹ فروری ۱۹۸۶ء
آپ کا اسلامی ساتھی

سلطان مجاہد الطاہری

سید محمد ریاست علی قادری

بانی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

اندھیرے سے اجالے تک پوری کتاب کا ترجمہ
کرنے کا ارادہ ہے اگر یہ کتاب جدید ذہن میں ترجمہ ہو گئی تو بہت مفید ہوگی، یہاں بندوبست

کر لیا ہے۔ آپ اپنی رائے سے مطلع کیجئے!

ماشاء اللہ! بہت خوب لکھی ہے، ہم تمام عقیدتمندان اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں

سید ریاست علی قادری

غلام مرتضیٰ سعیدی

فروگہ..... ضلع سرگودھا

میری طرف سے اپنی بے نظیر تصنیف اندھیرے سے اجالے تک

کی اشاعت پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ بندہ ایک طالب علم اور انجمن طلباء اسلام
کا ایک ادنیٰ سارکن ہے اس لیے جناب کے اس شہ پارے پر تبصرہ کرنا بندہ کے
لبس کی بات نہیں ہے مگر اتنا ضرور عرض ہے کہ آپ نے زبان زیادہ نرم استعمال
کی ہے۔ شاید آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ثمر ہو، مگر جو زبان البسریو تہ میں استعمال کی
گئی ہے میرے خیال میں زبان ایسی ہی ہونی چاہیے تھی میں نے مذکورہ بالا کتاب نہیں
پڑھی مگر جہاں کہیں آپ نے حوالہ جات نقل کیے ہیں تو اس عبارت کو پڑھ کر قلب و
باطن میں اک آگ سی لگ جاتی ہے اور جواب دینے کی بجائے جی چاہتا ہے کہ اس
دردغ کو کی زبان کاٹ دی جائے

غلام مرتضیٰ سعیدی

جرائد

احسان الہی ظہیر

والد کیا پاکستان میں بریلوی علماء کی طرف سے (البسریو تہ کے) جواب میں کوئی

کتاب نہیں لکھی گئی؟

جواب : صرف چند پمفلٹ لکھے، گئے ہیں دلیل کے ساتھ کوئی بات نہیں کی گئی تھی، محض دشنام طرازی سے کام لیا گیا تھا۔ مجھے اس پر حیرت بھی ہے کہ چار برس میں پورا عالم بریڈیٹ میری اس کتاب کا جواب نہیں دے سکا ہے۔ حالانکہ ان میں بڑے بڑے مبشرات کے حاملین بھی شامل ہیں جن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ انہیں بشارتیں ملتی ہیں اور بہت سے ایسے تیس مارغاں بھی ان میں شامل ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کا چراغ ہرگز نہیں جلتا کسی نے مجھے جواب دینے کی جرات نہیں کی ہے

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، شمارہ فروری ۱۹۸۷ء ص ۳۴)

مولانا ابوداؤد محمد صادق

سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ

جن پمفلٹوں کا ظہیر صاحب نے ذکر کیا ہے ان میں دشنام طرازی نہیں کی گئی بلکہ خود ان کی دشنام طرازی و غلط بیانی کو بطور نمونہ مشتے از خردارے بیان کیا گیا ہے لہذا انہیں چاہیے تھا کہ اگر ان پمفلٹوں کی ایک ہی غلط بیانی ہو تو اس کی بھی صفائی پیش کرتے یا اپنی غلطی کا اعتراف کرتے۔ مذکورہ پمفلٹوں کے جواب میں ان کی خاموشی نے ان کی ذات اور کتاب دونوں کو مشاؤک و داندار کر دیا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب البریجوتیہ کا کلام کھلا رد و جواب اس لیے شائع نہیں کیا گیا کہ اس کتاب پر پابندی کی خبر آئی تھی اور اس پر فرقہ و بابیہ نے سخت وادبلا بھی کیا تھا لہذا اظہار ہے کہ پابندی کی خبر کے بعد جواب کی اشاعت پر بھی اثر پڑتا

تیسری بات یہ ہے کہ کتاب البریجوتیہ کے مختلف پہلوؤں کے رد میں مولانا ابو العزیم

شرف، صاحب نے اندھیرے سے اجالے تک، شیشے کے گھر، ندائے رسول اللہ
جیسے مختلف عنوانات سے جواب شائع کیے جس میں محض دلیل و متانت سے گفتگو
گائی ہے، معلوم نہیں ظہیر صاحب کی نظر سے مولانا شرف صاحب موصوف کی تصانیف
کیوں نہیں آئیں؟ یا مصلحتاً انہوں نے ان کے ذکر سے چشم پوشی کی ہے، بہر حال یہ بھی ظہیر
کی محض خوش فہمی و غلط بیانی ہے کہ ان کی مذکورہ کتاب کا جواب نہیں دیا۔
(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء ص ۳۰۰)

الجواب آئینہ میں چونکہ اپنی ہی صورت نظر آتی ہے اس لیے ظہیر صاحب کو اپنی دشنام طرازی
کا جواب بھی دشنام طرازی کی صورت میں نظر آیا۔ بہتر ہوتا کہ ظہیر صاحب "چند پمفلٹ"
کا نام بھی لکھ دیتے تاکہ "قومی ڈائجسٹ" اور "رضائے مصطفیٰ" کے قارئین کو وہ دیکھ کر
ان کی سچائی کو پرکھنے کا موقع مل جاتا۔ اب ظہیر صاحب کو کھل کر یہ بتانا ہو گا کہ کیا
مجدد الائمہ (من ہوا احمد رضا) علامہ شجاعت علی قادری کی ۲۱۶ صفحات کی عربی کتاب
"پمفلٹ" ہے؟ اور کیا احسان الہی ظہیر نے اس کا جواب لکھا ہے؟

"اندھیرے سے اجالے تک" فاضل محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی کی
۲۷۸ صفحات کی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں علامہ موصوف نے حضرت علیہ الرحمۃ
پر ظہیر کے جھوٹے الزامات کی دھجیاں بکھری ہیں۔

"شیشے کا گھر": علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس
میں فاضل محقق نے لکھا ہے کہ خود انگریز نوازی کا "اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے
باوجود غیر مقلدین (ظہیر وغیرہ) غلام اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے
ہوئے نہیں شرماتے۔ ان پر شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی کی مثال کس قدر
صحیح صادق آتی ہے؟

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دلوار آہنی پہ حماقت تو دیکھتے

”ندائے پارسول اللہ“ :- (مسئلہ توسل و استغاثہ) علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحہ کی یہ ایمان افروز شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں مسئلہ نداء و علم غیب اور توسل و استغاثہ پر مسدک علیہ الرحمۃ کو مدلل و مفصل بیان کرنے کے علاوہ ظہیر صاحب کو ان کے گھر کا آئینہ بھی دکھایا گیا ہے۔

”مجموعہ رسائل“ :- (رد و افاض) علامہ موصوف کی ۸۸ صفحات کی شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے شیعہ سے ہمنوائی کے بہتان کے پرچھے اڑائے گئے ہیں۔

”مجموعہ رسائل“ :- (رد مزابیت) علامہ موصوف کی ۱۱۶ صفحات کی شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے مرائیوں سے بھاؤ، چارے اور مرزا قادیانی کے بھائی کو اعلیٰ حضرت کا استبداد قرار دینے پر ظہیر کی بے ایمانی و بددیانتی اور اس کی شقاوت و حماقت کا رد بلیغ فرمایا گیا ہے۔

نام نہاد :- ”البرہوتیت“ کے رد و جواب میں وسیع پیمانہ پر اس قدر تحقیق و تامل اور مدلل و مفصل شہادت و پائیزہ علمی ذخیرہ کی اشاعت کے باوجود ظہیر و احباب کے اس بیان پر کہ نام نہاد ”البرہوتیت“ کے جواب میں ”صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں“ اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے

الحاصل :- ظہیر صاحب کے ایک ایک الزام و افتراء کے جواب میں پورے پوری کتاب کی اشاعت کے بعد صورت حال بدل چکی ہے اور اب مذکورہ کتب کا جواب الجواب اور اپنی کذب بیانی و بددیانتی کی صفائی پیش کرنا خود ان کے ذمہ ہے جیسے کہ فیصل محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے ان کی نشاندہی کی ہے۔
مولانا ابوداؤد محمد صادق مدظلہ، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء

احسان الہی ظہیر صاحب، نے البریاد بیۃ نامی ایک کتاب عربی میں لکھی ہے، جس میں بریلوی لوگوں کے مزعومہ و مفروضہ عقاید کی تردید کرنے کے علاوہ اتنی نصرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ذات و الاصفات پر بھی رکیاب حملے کیے گئے ہیں اور عجیب و غریب الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی عربی پڑھ کر مجھے اپنے بچپن کا ایسا واقعہ یاد آیا۔ ان دنوں میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ بابوں اور ضمیروں سے کسی حد تک آگاہ ہو چکا تھا، مگر عربی لغات سے نا آشنا تھا۔ ایک دن خاندانہ شریف کے مال خانے میں بھینس کی ایک بچی — جسے ہماری زبان میں ”کٹی“ کہا جاتا ہے — بندھی ہوئی تھی اور دم ہلا رہی تھی، سید محمود شاہ صاحب مدظلہ نے مجھ سے پوچھا کہ کٹی پوچھیل ہلاندی اسے (کٹی دم ہلا رہی ہے) کی عربی کیا ہوگی؟ مجھے ”کٹی“ کی عربی آتی تھی نہ ”پوچھیل“ کی۔

اس لیے میں نے فی الفور کٹی کو عربی طریقے سے مونث کیا اور پوچھیل کے ساتھ ضمیر لائی اور کہا: اَللّٰهُمَّ تُحَرِّكُ پُوچِہَلہَا۔ شاہ صاحب اس عربی پر بہت ہنسے۔ اب بھی جب کبھی ہم دونوں عہد گذشتہ کی باتیں کر رہے ہوں تو اس واقعہ کو یاد کر کے خوب ہنستے ہیں۔

احسان صاحب کی اس کتاب میں بھی ایسی ہی عربی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ”رسید“ فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب کو شاید اس کا عربی متبادل معلوم نہ تھا، اس لیے ”رسید“ کو ہی تھی کر لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

فَانَّهُمْ اَعْطَوْا اللّٰعِصَاةَ الْبُغَاةَ رَسِيْدَ الْجَنَّةِ۔ ص ۱۳۵

اسی طرح ”بوسہ“ بھی فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب نے اس سے ”بیوس“ بنا

لیا (صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم، ملاحظہ ہو ص ۱۳۸)

اس قسم کی اور بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

علامہ شرف صاحب کی زیر نظر کتاب، — اندھیرے سے اجالے تک — احسانِ حسنیٰ
کی اسی کتاب البریلویہ کا مسکت جواب ہے۔

بجائیت مجموعی یہ ایک لاجواب کتاب ہے اور اس میں جو خاص بات ہے، وہ
مصنف کی عالمانہ متانت ہے، جو کتاب کے صفحہ اول سے صفحہ آخر تک برقرار رہی،
اور کہیں بھی جذباتی رنگ چھلکنے نہیں پاتا۔ بلاشبہ ایسی ہی کتابیں اہل علم میں قدر کی نگاہ
سے دیکھی جاتی ہیں اور لہذا یہ لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔

کتابت کی غلطیاں کہیں نہیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً مولانا رضا علی خان کے واقعہ کے
بیان میں ”صورۃ“ کی جگہ ”سورۃ“ لکھا ہوا ہے، مگر اتنی ضخیم کتاب میں کتابت کی چند
غلطیاں رہ جائز کوئی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ ص ۲۶۲ پر ایک مشہور شعر کو مولانا جامی
کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

نسبتِ خود بسکت کردم و بس منفعہ لم

زانکہ نسبت بسک کوئے تو شد بے ادبی

حارثیہ شعر جان محمد قدسی کی اس مشہور عالم نعت کا ہے، جس کا مطلع ہے

مرجبا سید مکی مدنی العسری

اس غلطی کی اصلاح ضروری ہے۔

طباعت اور کاغذ نہایت معیاری ہے۔

(تبصرہ نگار، قاضی عبدالداغ داماد، ماہنامہ جام عرفان، ہسری پور)

شمارہ اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۲۸-۲۶

نوٹ: اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں امکانی حد تک غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی
ہے جن جن حضرات نے غلطی کی نشاندہی فرمائی مصنف ان کے شکر گزار ہیں ۱۲-۱۳

شیشے کے گھر

حضرت ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ

خالقہ نقشبندیہ، مجددیہ، دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام بیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تازہ تالیف لطیف شیشے کے گھر شنبہ ۲۸ رمضان ۷ جون کو دو نسخے
ڈاک سے ملے۔ آپ نے اچھا نام تجویز کیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے۔
زَادَكَ اللهُ فِي الْعِلْمِ وَبَسْطَلَهُ۔

اس قسم کے علمی جواہر پارے وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت و
جماعت کی شوکت میں اضافہ فرمائے۔ آپ دارین میں عافیت سے رہیں

والسلام

زید ابوالحسن فاروقی

جمعہ ۵ شبوال ۱۳۰۶ھ

۱۳ جون ۱۹۸۶ء

حکیم محمود احمد برکاتی

۱۰۲۹۸۔ لیاقت آباد نمبر ۳، کراچی ۱۹

شیشے کا گھر ملا، خوب ہے، بڑی محنت کی

ہے آپ نے، مگر بڑا کام ہو گیا، اہل حدیث حضرات کی سرگرمیاں عہد ضیائی میں تیز تر
ہو گئی ہیں اور پراسرار بھی ہیں، اس فرقے کی تاریخ قبیلِ غدر سے ملت دشمنی اور

انگریز دوستی کی تاریخ ہے — حکیم صاحب محترم (حضرت حکیم نصیر الدین کراچی) کو بھی ان کا نسخہ پہنچا دیا ہے — اللہ کرے آپ بخیر و عافیت ہوں

خاکسار

محمود احمد برکاتی

۲۰ جولائی ۱۹۸۶ء

مولانا نور احمد خاں فریدی

قصر الادب ۹۱۔ رائٹرز کالونی، ملتان

مرسدہ کتاب شیشے کا گھر موصول ہوئی، مناظرین کے لیے نہایت عمدہ کتاب ہے، اس کی تدوین میں خاصی محنت کی گئی ہے، میں نے شروع سے اخیر تک پڑھا اور کتاب اپنی جامع مسجد کے امام صاحب کو دے دی

۲۶ جون ۱۹۸۶ء

محمد حسین بدر چشتی

ڈیرہ نواب صاحب بہاولپور

مرکزی مجلس رضا کی نئی اشاعت شیشے کے گھر موصول ہو گئی ہے، بہترین تحقیقی کوشش ہے جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آپ ازراہ کرم اس کتاب کی دس کاپیاں مجھے بھجوائیں میں نے اپنے بعض محبین کو روانہ کرتی ہیں

والسلام

نیاز کمیشن محمد حسین بدر چشتی

۱۰ افسوس کہ میر صاحب موصوفی صاحب نے صفا المظفر مطابقتی ۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ۱۹۸۶ء کو دورہ ہونے سے رجعت فرما گئے رحمہ اللہ تعالیٰ

روزنامہ امن، کراچی۔

مجلس رضا کراچی نے امام اہل سنت مولانا شاہ رضا کی تعلیمات و خدمات دینی و علمی پر مبنی مطبوعات کا ایک سلسلہ جاری کیا ہوا ہے جس کی یہ نویں اشاعت ہے جس میں اکابر اہل حدیث کی مستند کتابوں کے اقتباسات کے حوالوں سے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے کہ علمائے اہل سنت (مقلدین) انگریزی حکومت کے کبھی وفادار رہے ہوں یا انہوں نے سامراجی استبداد کو قبول کیا ہو۔

تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ برصغیر میں انگریزوں کی آمد تک بقول مولوی بشیر احمد دیوبندی "ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ (غیر مقلد) کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اس فرقہ کا ظہور انگریز کی چشم التفات کا رہن منت ہے۔" عقائد سے متعلق اور برٹش سرکار سے روابط کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالغزیز محدث، سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی، مولوی شاد اللہ امرتسری، مولانا غلام رسول مہر اور بہت سے زعماء و علما کی تحریروں کے اقتباس شامل کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ کتاب ان کتابوں یا مضامین کے جواب میں مرتب کی گئی ہے جو علمائے اہل حدیث کی جانب سے معنارہ موضوعات پر شائع ہوئی ہیں۔

ہمارے خیال میں امت مسلمہ آج جن حالات سے گزر رہی ہے اسے سیاسی سے زیادہ مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے عقائد چھڑے بغیر اپنے عقائد کا اظہار و ابلاغ مناسب ہوگا۔ ورنہ اس پر لیشان کن ماحول میں فریقین کے اکابرین کو ہدفِ ملامت بنا کر امت مسلمہ کو مزید نفاق کی راہ پر لگانا ہے جو معروضی صورتحال میں مناسب نہ ہوگا۔ بلکہ عام آدمی سے قطع نظر اہل علم و فکر اور مختلف مسالک کے

طلبا کی نظر سے ماضی میں جو کچھ ہوا وہ پوشیدہ نہیں۔ ایسے مباحث منافرت سے زیادہ مناقشوں اور مجادلوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن صحیحی ممکن ہے کہ فریقین پہل کرنے سے احتراز کریں ورنہ جو بازلزلہ اور شیشے کے گھر جیسی کتابیں منظر عام پر آتی رہیں گی۔ تاہم یہ خوشی ہے کہ مؤلف نے روایتی جارحیت کے بجائے عالمانہ شائستگی، استدلال علمی اور ادبِ قلم ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اقتباسات کے ذریعہ التنازی رویے سے کام لیا ہے۔

(تبصرہ نگار: عاقل بریلوی)

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

بعض بدناما اور نافرہام لوگوں نے اختلاف اور انتشار پھیلانے کے لیے کتابیں لکھی ہیں اور ان کے عزائم مشورہ سے ہماری تحریک (اتحاد) کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا ہے۔ مگر ان کی پھیلائی ہوئی گراہیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے "اندھیرے سے اجلے تمک" اور "شیشے کے گھر" جیسی تالیفات نے متلاشیان حق کے لیے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اور قارئین کو بتا دیا ہے کہ کتاب و سنت میں کفار و منافقین کی بہت واضح اشارات کو شمع رسالت کے پردوں پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔

اتحاد بین المسلمین حصہ دوم ص ۱۸ مکتبہ رضویہ، لاہور جنوری ۱۹۸۸ء

ہفت روزہ الہام، بہاولپور

۷ جون ۱۹۶۶ء

مولانا احمد رضا خاں پر مدت سے الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ انگریزوں کے کاسہ لیس اور ان کی حکومت کے حامی تھے۔ لیکن آج تک کوئی مافی کالال ان کی تحریر و تقریر سے یہ ثابت نہ کر سکا۔ اس کے برعکس اہل حدیث حضرات جو پہلے وہابیت سے ملقب کیے جاتے تھے اور مسلمہ طور پر سرکار پرست اور انگریزی حکومت کے مداح اور بی خواہ رہے ہیں۔ اپنی تمام سابقہ روایات کو چھپا کر اہل سنت اور امام احمد رضا خاں بریلوی پر انگریز نوازی کا اہتمام عائد کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

زیر تبصرہ کتاب میں انکو آئینہ دکھایا ہے اور ان کی تحریروں اور کتابوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزی حکومت کی کاسہ لیبی کا طعنہ دینے والے خود سب سے بڑے انگریزی حکومت نواز رہے ہیں۔ "شیشے کے گھر" میں نواب صدیق حسن خاں سے لے کر مولوی محمد حسین بٹالوی کی تحریروں تک بے شمار ایسے شواہد پیش کیے ہیں کہ غیر مقلدین کا انگریز پرست ہونا قطعی ظاہر ہے ان کا یہ کہنا کہ ان کے اکابر نے جہاد آزادی میں بے شمار قربانیاں دیں۔ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات نے مجاہدین آزادی کو سر بھرا اور پوچھا کر دانا ہے۔

محمد عبید اللہ شرف قادری بڑے محتاط صاحب قلم ہیں۔ تحقیق و تاریخ پر ان کو کبھی نظر ہے۔ باقی دیگر تصانیف میں بھی یہ پہلو ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اور شیشے کے گھر میں بھی انہوں نے یہی طریق استعمال کیا ہے جو لوگ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سناہ زنی کرتے ہیں انہیں پہلے اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہیے۔

مجاہد ملت محمدیہ لانا محمد عبدالستار خان نزاری عظیم و فائق وزیر امور مذہبی پاکستان

تاثرات

بعض بد نہاد اور نافرجام لوگوں نے اختلاف اور انتشار پھیلانے کے لیے کتابیں لکھی ہیں اور ان کے عزائم مشتملہ سے ہماری تحریک (اتحاد) کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا ہے۔ مگر ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے ”اندھیرے سے اجالے تک“ اور شیشے کے گھر جیسی تالیفات نے متلاشیان حق کے لیے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اور قارئین کو بتا دیا ہے کہ کتاب و سنت میں کفار و منافقین کی بابت واضح اشارات کو شمع رسالت کے پروانوں پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔

پہلی حصہ دوم ص ۱۸
پہلی بار لاہور، جنوری ۱۹۸۸ء
شاعت ۲۵۰۰ شتر روڈ، لاہور، پاکستان